بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تصویر

عبداللہ وسیم

انتساب

ہراس شخص کے نام جس نے اسے لکھنے میں میری بہت مدد کی۔

رطابہ نواز جس نے مجھے کتابوں سے جوڑا.....

ان تمام کتابوں اوران مصنفین کے نام جن کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔

لائبہ، ہاجرہ، آپا، ابوبکر، خزیمہ، فیضان اور شہریار جنہوں نے میری حوصلہ افضائی کی.....

سب کا شکریہ.....

پیش لفظ

تصویر میری پہلی تحریر ہے جسے میں نے بہت دل سے لکھا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ آپ سب کو پسند آئے گی۔

یہ ذہن میں رکھیں کہ پہلی کاوش بہترین نہیں ہوتی۔ میں ایک نیا لکھاری ہوں، اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ سب میری رہنمائی کریں گے۔ آپ اس پر تنقید کر سکتے ہیں کیونکہ یہ آپ کا حق ہے۔ میں اس تنقید کو مثبت انداز میں لوں گا اور اس سے سیکھوں گا تا کہ انشاءاللہ

مستقبل میں اپنے کام میں مزید بہتری لاسکوں۔

تصویر کی کہانی کسی ایک موضوع کے گرد نہیں گھومتی بلکہ یہ بہت سے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔فی الحال میں نے کسی ایک موضوع پہ بات نہیں کی لیکن ان شائ اللہ مستقبل قریب میں ضرور کروں گا۔

اس کتاب میں دو کہانیاں ہیں۔ایک کہانی بہت سے لوگ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ سب کو بہت پسند آئی ہے۔دوسری کو میں نے صرف کتاب کا حصہ بنایا ہے۔دوسری کہانی عام کہانیوں سے بہت مختلف ہے۔میں نے جب بھی لکھنے کا سوچا تو کچھ منفرد لکھنے کو ترجیح دی۔دوسری کہانی میں آپ کو ایک نئ چیز ضرور نظر آئے گی۔ان شائ اللہ.....

آپ سب سے گزارش ہے کہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اسے پورا ضرور پڑھ لیں۔آپ کے تبصرے کا انتظار رہے گا۔دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

عبداللہ وسیم

تصویر

باب اوّل

وائٹ ہورس

''تمام سامان تمہیں وہاں پہنچ کر مل جائے گا، تم جانتے ہو کہ ایسے نہیں لے کر جا سکتے۔ اب تم نے ہمیشہ کی طرح وہاں جا کر کامیابی اور ہوشیاری سے سارا کام کرنا ہے۔ مجھ سے رابطے میں رہنا اور وقتاً فوقتاً تمام تفصیلات سے آگاہ کرتے رہنا۔'' اس نے پرانا ساتھیلا پکڑتے ہوئے ہدایات لیں اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ تھامتے ہوئے سامنے کھڑے شخص نیپھر سے کہنا شروع کیا۔ وہ دونوں لانچنگ پیڈ (وہ جگہ، جہاں سے دشمن کی سرحد عبور کرتے ہیں۔) پہ کھڑے تھے۔

''مجھے تم پر یقین ہے، تم یہ کام کر سکتے ہو، مائی بوائے۔ اب آگے کا سارا کام تمہیں خود دیکھنا ہوگا۔'' دونوں مصافحہ سے فارغ ہو گئے۔ ٹھنڈی رات کالی تھی۔ آسمان پر تارے نا ہونے کے برابر تھے۔ چاند بھی چھپ گیا تھا۔ ٹھنڈی، کالی..... اندھیر رات.....

''او کے سر..... میں اللہ کی مدد سے پورا کام کروں گا اور کامیاب ہی واپس لوٹوں گا۔ ان شائ اللہ!'' تھیلے کو کندھے پر لٹکاتے ہوئے اس نے کہا۔ ملگجے اندھیرے میں بھی وہ سامنے کھڑے شخص کا چہرہ، واضح دیکھ سکتا تھا۔

''ان شائ اللہ۔ کامیاب لوٹو گے تو ملاقات ہوگی۔'' اس شخص کے چہرے پر سامنے کھڑے نوجوان کے لیے فکر و فخر نمایاں تھا۔ انہوں نے مضبوطی سے کہا۔

''جی سر! آپ بھروسہ رکھیں اور یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں کامیابی کے ساتھ ہی واپس آؤں گا۔ اللہ کی مہربانی سے میں ہمیشہ کامیاب ہی لوٹا ہوں اور آگے بھی کامیاب لوٹوں گا۔ ان شائ اللہ۔'' اس نے اپنے استاد کو ایک عزم سے کہا۔

''شاباش بوائے! تمہارے اسی کانفیڈینس کی وجہ سے ہی میں نے تمہیں اس مشن کے لیے چنا ہے۔ اللہ ہمیشہ تمہاری ہمت سلامت رکھے۔'' استاد نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور اسے گلیسے لگایا۔

بعض شاگرد آپ کو واقعی اپنی اولاد کی طرح پیارے ہوتے ہیں، آپ ان کے لیے پریشان بھی ہوتے ہیں اور ان کی کامیابی پر خوش بھی ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کے ہر لمحے سے آپ بھی براہ راست جڑے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ایک رشتہ ان دونوں کے درمیان بھی تھا۔

''جی سر! بس آپ دعا کیجئے گا۔'' باہمت نوجوان نے کہا۔

''اللہ کی امان میں جاؤ یوسف، کامیابی تمہارے قدم چومے، آمین۔'' استاد نے کہا۔

''آمین! بس دعائیں کرتے رہنا۔ اللہ حافظ!'' انہوں نے مزید کچھ لوگوں سے باتیں کیں اور پھر وہ ان کے ہمراہ چلتا ہوا، استاد کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پھر کرنل عاصم بھی پلٹ گئے کہ اب وہاں رکنا بے کار تھا اور خطرہ بھی زیادہ ہو رہا تھا۔

یہ یوسف کی زندگی میں بھارت کا دوسرا چکر تھا۔

☆☆☆☆☆☆

نیلے آسمان پر سرمئی بادل جمع تھے، جس کی وجہ سے آسمان واضح نہ تھا۔ سورج بھی بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔ بادل برسنے کو تیار تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں نے برسنا شروع کر دیا۔ ہر گلی..... ہر آنگن میں بادل یوں برسے کہ ہر چیز کو بھگو دیا۔ سورج ابھی تک بادلوں کی اوٹ سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

ایسے میں وہ کالے رنگ کا جوڑا پہنے، کالے دوپٹے کو گلے میں لیے، کالے بالوں کو کھلا چھوڑے، آنکھیں بند کیے، اپنے گھر کی چھت پر آسمان سے برستے پانی میں گول گول گھوم رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ اور بال فضا و؟ں کے سپرد تھے۔ وہ برستے پانی کی بوندوں کی تمام تر اچھائیاں اپنے اندر سمیٹ رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکی اور ہاتھوں کو دعائیہ انداز میں منہ پر پھیرا اور پانی صاف کیا اور چھت کے برآمدے میں آ گئی۔ بارش ابھی تک ہو رہی تھی۔

اس نے ہاتھ خشک کر کے موبائل پکڑا اور بارش کی ویڈیو بنانے لگی۔ ویڈیو بنانے کے بعد اس نے ایک بار تسلی کرنا ضروری سمجھا۔ آخر سٹیٹس کا سوال تھا۔

''ہیش ٹیگ بارش سینز۔'' اس نے یہ لکھ کر سٹیٹس لگا دیا۔

''ایمان..... نیچے آ جاو؟۔ بیمار پڑ جاو؟ گی۔'' نیچے سے امی کی آواز آئی۔

''اف..... ایک تو یہ ہٹلر مائیں..... قسم سے ذرا جو انجوائے کرنے دیں اپنی پیاری اولادوں کو..... نہ بھئی نہ۔ اولاد کیوں انجوائے کرے؟ اس کا کیا حق بنتا ہے بھلا؟ خیر..... یہ ماؤں کی عادت بن گئی ہے اب تو۔ میں تو پورا نہا کر ہی جاو؟ں گی۔'' اپنی نرم سی خوبصورت آواز میں وہ گلہ کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا میں چلی ہی جاتی ہوں ورنہ امی پھر کہیں گی، میری اولاد جتنی ڈھیٹ اولاد دنیا میں نہیں ہے۔ میری تو بات مانتے ہی نہیں یہ لوگ۔ ماؤں کے سیاسی جملے.....'' اس نے گیلے بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ بارش اور زور پکڑ رہی تھی مگر اب وہ نیچے جانے لگی۔

''آ رہی ہوں اماں حضور..... دیکھ لیں، اس بار ایک بار بلانے پہ ہی آ گئی ہوں۔'' سیڑھیوں میں کھڑی اماں کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

''شکریہ۔ احسان کر دیا آپ نے مجھ پہ، میری ماں پہ میری نانی پہ بھی.....'' اماں چڑ کر بولیں تو اس نے خفا سا چہرہ بنایا۔ وہ سیڑھیوں میں ہی کھڑی رہی۔

''ویسے اماں۔ بندہ کبھی تو بغیر طعنے کے بات کر لیتا ہے۔ قسم سے ٹرائے ضرور کریں۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' اس نے خفگی اور نصیحت کرنے والے انداز میں کہا۔

''تم لوگوں کو کون سا اثر ہو جاتا ہے؟'' اماں ابھی تک ناراض تھیں۔

''یہی تو کہہ رہی ہوں۔ آپ فالتو میں اپنی انرجی ضائع کرتی ہیں۔ ہم تو ہیں ہی ڈھیٹ۔'' ایمان نے کندھے اچکائے۔ پانی اس کے کپڑوں سے نچڑ کر زمین پہ بہنے لگا۔ ایک سیڑھی سے دوسری..... دوسری سے تیسری اور ایسے ہی اماں کہ پاؤں تک.....

''دیکھو ذرا اپنی لمبی زبان کو۔ اتنی بڑی ہو گئی ہے مگر مجال ہو جو ماں سے بات کرنے کا.....'' اماں کے الفاظ بیچ میں ہی رک گئے۔ ان کی نظر اوپر سیڑھی سے آنے والے پانی پر پڑی، جواب ان کے پاؤں تک آ گیا تھا تو ان کے تیور مزید بگڑ گئے۔

''ایمان.....'' وہ زور سے بولیں اور ایمان سوری سوری کرتی ان کی ایک طرف سے نکل کر فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پانی اس کے ساتھ ساتھ بہتا گیا۔

''صاف کرو باہر آ کر اسے۔ تمہارا باپ ملازمہ نہیں لایا مجھے.....'' اور اماں کے وہی گلے شکوے۔ ایمان اپنے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس چکی تھی اور اماں پیچھے سے اسے صلواتیں سنا رہی تھیں۔

''امی..... پلیز ناں۔ غصہ نہ کریں۔ آپ کو پتہ تو ہے آپی کا۔'' اسد نے کہا۔ وہ ان کے عقب میں نجانے کب سے کھڑا تھا۔

''میں تو تھک گئی ہوں۔'' سلمہ صاحبہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''چھوڑیں۔ آپ پانی پئیں۔'' اسد اٹھا اور پانی کا ایک گلاس لا کر سلمہ کو دیا۔ بارش کے زور میں کمی آ گئی تھی۔ پانی برسنے کی آواز اب مدھم پڑ چکی تھی۔

''تمہیں آج ماں کا خیال کیسے آ گیا؟ کوئی کام ہے؟'' سلمہ نے شکی نظروں سے اسد کو دیکھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اماں ویسے آپ بہت شکی ہیں۔'' اسد نے گلہ کیا۔

''اچھا اچھا.....'' اندر سے ایمان کی زوردار چیخ سن کر وہ دونوں گھبرا گئے اور اس کے کمرے میں گئے۔ وہ کپڑے بدل چکی تھی اور ہاتھ میں موبائل پکڑے خوشی سے بھاگتی ہوئی سلمہ کے گلے لگ گئی۔

''ہمیں جگہ مل گئی ہے جہاں ہم سب کام کریں گے۔'' ایمان پر جوش تھی اسی لیے بغیر پوچھے ہی بتا دیا۔

''میری جان نکال دی تم نے۔ مبارک ہو۔'' ایمان کو الگ کرتے ہوئے سلمہ نے کہا۔

''آپی کونگو۔ ٹریٹ کب دے رہی ہیں؟'' اسد نے مبارک دیتے ہوئے کہا۔

''کھا کھا کر آلو بن جاؤ گے۔ موٹے لڑکوں کی شادیاں بھی نہیں ہوتیں پھر۔ لوگ بھالو بھالو کہتے ہیں۔'' ایمان نے خفگی سے کہا۔

''ٹریٹ دینے سے دعائیں ملتی ہیں۔ میں ٹریٹ لینے کے بعد ڈائٹ کر لوں گا۔'' اسد نے کہاں ہار ماننی تھی؟

''اچھا اب رونا مت۔ رات کو چلتے ہیں۔'' ایمان نے کہا اور اسد کا چہرہ کھل اٹھا۔

''پہلے یہ صاف کرو میری پیاری بیٹی۔''سلمہ نے مسکراتے ہوئے ایمان کو بارش کا پانی صاف کرنا یاد کروایا۔

''اماں سارا موڈ خراب کر دیا۔کر دیتی ہوں۔''اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور وائپر پکڑ کر پانی صاف کرنے لگی۔

''اماں میں کمپنی کی سی ای او (CEO) ہوں اور آپ مجھ سے صفائیاں کروا رہی ہیں۔''ایمان نے گلہ آمیز انداز میں کہا۔

''وہ آفس ہے، یہ گھر ہے۔''سلمہ بغیر اثر لیے بولیں۔

''ہم کل جا کر سیٹینگ کریں گے اور پھر شاید مجھے کسی کام سے لاہور جانا پڑے۔میں فلائٹ سے جاؤں گی اور اسی دن واپس آ جاؤں گی۔''ایمان نے اماں کو مطلع کیا۔سلمہ نے 'ٹھیک ہے' کہا۔اسد اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔بارش اب رک چکی تھی۔

سملہ، ایمان اور اسد کا یہ چھوٹا سا گھرانہ بہت مکمل تھا۔ایمان اور اسد کے والد کی دیتھ ہو چکی تھی۔ایمان نے مارکٹنگ میں ماسٹرز کیا تھا۔اب وہ اور اس کے دوستوں نے مل کر ایک چھوٹا سا کام شروع کر رہے تھے۔اس سے پہلے اس نے مختلف جگہوں پر جاب بھی کی تھی۔اسد اسکول جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

رات گہری ہو چکی تھی۔گھر کے تمام ملازمین اپنے اپنے کوارٹر میں چلے گئے تھے۔گھر کی تمام لائیٹس بجھ چکی تھیں اور صرف نائٹ بلب جل رہے تھے جو رات میں ہلکی روشنی پھیلائے ہوئے تھے۔اس کوٹھی کا ایک کمرہ ہنوز روشن تھا۔

وہ اداس سی، کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔نہ جانے باہر کس چیز کو دیکھ رہی تھی جبکہ باہر سوائے اندھیرے کے کچھ نہ تھا۔اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے اندر کا اندھیرا ہو جو ہر سو پھیلا ہوا ہے۔اس نے آنکھیں بند کیں اور دو قطرے اس کے چہرے کو بھگو گئے۔ہاتھ کی پشت سے اس نے آنکھیں صاف کیں اور دوبارہ کھڑکی سے باہر سڑک پر نظریں جما لیں۔سڑک بالکل خالی تھی جیسے اس کا دل خالی تھا۔وہ اسی طرح اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔

ہم اکثر اندھیرے میں خود کو دیکھتے ہیں۔اندھیرا ہونے کے باوجود بھی دماغ کے خانوں میں اپنا عکس صاف نظر آتا ہے۔ہم خود کو چلتے دیکھتے ہیں، گرتے دیکھتے ہیں، خوش ہوتے دیکھتے ہیں اور غم زدہ دیکھتے ہیں اور بعض دفعہ اس اندھیرے میں ہمیں روشنی دکھائی دیتی ہے جو ہمارے گرنے کے بعد اٹھنے میں ہمیں ہمت دیتی ہے۔ہم چل کر اس تک جاتے ہیں اور اندھیرا ختم.....۔

وہ بھی خود کو گرتے ہوئے ہی دیکھ رہی تھی کہ اس کے عقب میں دروازہ کھلا اور اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑا تھا۔مسکراتا چہرہ.....اسے اندھیرے میں روشنی نظر آ گئی تھی۔وہ خود کو کمپوز کرتی ہوئی بیڈ تک آئی اور نیم دراز ہو گئی۔

وہ فریش ہو کر باہر آیا تو اسے جنت کے چہرے پر اداسی کا غلبہ نظر آیا۔

''کیا ہوا ہے جنت؟'' کلائی کی گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔بس کل کی ٹینشن ہو رہی ہے۔''وہ اداسی سے بولی۔

''ٹینشن کی کیا بات ہے؟ تمہیں خوش ہونا چاہیے کل ہم ایک فیملی بننے جا رہے ہیں۔''وہ اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔

''لیکن عامر..... یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔'' وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔

''جو ہمیں یہ ذمہ داری دے رہا ہے وہ ہمیں ہمت بھی دے گا۔تم پریشان نہ ہو۔اللہ ہمارا حامی وناصر۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''ہمم.....آج کیا دن ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہفتہ۔'' یک لفظی جواب۔

''چلیں.....ڈنر کرتے ہیں۔میں نے بھی کچھ نہیں کھایا آپ کے انتظار میں۔'' وہ اب قدرِ مطمئن تھی۔

عامر نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی تو جواباً اسے بھی وہی نظر ملی۔

''اوکے۔Heaven'' وہ جب موڈ میں ہوتا تو اسے Heaven ہی کہتا تھا۔

وہ دونوں اٹھے اور نیچے ڈائینگ روم میں چلے گئے۔

جنت نے خود کھانا لگایا۔وہ رات کے اس پہر ملازموں کو خواہ مخواہ ڈسٹرب نہیں کرتی تھی۔سربراہی کرسی پر عامر بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ ہی کرسی رکھ کر جنت بیٹھی تھی۔دونوں نے کھانا شروع کیا۔

''ویسے اپنی دوسری بیوی کے گھر سے ذرا جلدی آجایا کریں۔اسے کہا کریں کہ میری پہلی بیوی انتظار کر رہی ہوتی ہے۔وہ اکیلی ہوتی ہے۔'' جنت نے اسے چھیڑا۔

''پلیز جلدی کھانا کھاؤ مجھے جانا ہے۔'' عامر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''کہاں؟'' جنت نے حیرت سے پوچھا۔

''اپنی پہلی بیوی کے پاس۔'' عامر نے کمال سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جس پر جنت کا ہاتھ وہیں رک گیا اور اس نے حیرت سے عامر کو دیکھا۔

''یہ.....آپ کیا؟'' جنت نے کہنا شروع کیا۔''عامر.....کیا واقعی میں.....؟'' اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔عامر ہنوز سنجیدہ تھا اور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ہاں جنت.....'' اور اس سے مزید جنت کا چہرہ دیکھ کر اپنی ہنسی پر قابو نہیں رہا اور وہ قہقہہ کر لگا کر ہنس دیا۔جنت کی حیرت اب غصے میں تبدیل ہو چکی تھی۔

''اف.....حد ہے میں جا رہی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی۔

''اچھا اچھا بس مذاق کر رہا تھا میں۔ناراض مت ہو جنت بیگم۔'' اس نے اٹھ کر جنت کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا اور واپس کرسی پر بٹھایا۔عامر ہنوز مسکرا رہا تھا۔اب کی بار جنت بھی مسکرا دی اور دونوں کھانا کھانے کے بعد سو گئے۔

کل کا دن بہت اہم تھا اور کچھ ایسا ہونے والا تھا.....جس کی حقیقت بہت سالوں بعد سامنے آنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

''تم نے بس جا کر یہ بم شاپنگ مال یا کسی بھیڑ والی جگہ پر رکھنا ہے۔'' کرسی پر بیٹھا کرنل وِنود نیا پنے سامنے تابع داری سے کھڑے، ایجنٹ بلٹ کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

''روجر دیٹ۔'' اس نے عزم سے کہا۔ یونٹ کی عمارت کے ایک کمرے میں وہ دونوں موجود تھے۔ وہ ایک روشن دن تھا۔ دھوپ کھلی کھڑکی کی جالی سے چھن کے اندر آ رہی تھی۔

''چلو اب سامان پکڑو اور جاؤ۔ دھیان سے جانا۔'' کرنل نے اپنے ایجنٹ Bullet کو تمام ہدایات دیں اور اسے الوداع کر دیا۔

اس کے جانے کے بعد اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا اور ہاتھ ایک طرف گرایا۔ دھوپ اس کے ہاتھ پہ سنہرا رنگ ڈال رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

کرنل وِنود کو اگلے دن بلٹ کے پاکستان پہنچنے کی اطلاع موصول ہوگئی اور وہ مطمئن ہو گیا۔

بلٹ اور اس کے ساتھی ایجنٹس کو سگنل ملے تو وہ فوراً مقررہ جگہ پر جمع ہو گئے اور اپنے ذمے سونپے ہوئے کام کو سرانجام دینے کے لئے پلاننگ کرنے لگے۔

''ہمیں کیا کرنا ہوگا اب بلٹ؟'' ایجنٹ نمبر ون نے بلٹ سے استفسار کیا۔

''ہمیں بس یہ کسی ایسی جگہ پر رکھنا ہوگا جہاں پبلک زیادہ آتی ہے تاکہ ہمارا مقصد پورا ہو سکے۔ میرے خیال میں شاپنگ مال ہی سب سے بہتر رہے گا۔'' بلٹ نے ساری بات تفصیل سے بتائی۔

''او کے۔ ہم تیاریاں مکمل کر لیں پھر نکل پڑتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میرے پاس ایک جگہ کا نقشہ ہے میں رات تک سارا کام کر لوں گا اور ہم یہ کام کل ہی کر لیں گے۔'' بلٹ نے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے بعد تمام لوگ اپنی اپنی تیاریاں کرنے لگے۔ ضروری سامان رکھا اور کراچی کے کسی بڑے شاپنگ مال کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار تھے مگر انہیں ملنے والے احکامات نیا نہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ درست وقت کا انتظار کریں۔

یہ تین ایجنٹس پاکستان میں انڈین ایجنسی سے آئے تھے اور ان کا کام پاکستان میں بم دھماکے کروانا تھا۔ نجانے بم دھماکے کروا کے انہیں کون سی راحت ملتی تھی؟

ایسا نہیں تھا کہ بس یہ تین ہی پاکستان آئے تھے بلکہ مختلف جگہوں پر مختلف ''RAW'' ایجنٹس پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے آئے تھے مگر چھوٹے موٹے دھماکے کرنے کے بعد پکڑے جاتے اور موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے۔

ایجنٹ بلٹ اس مشن کا ہیڈ تھا۔ بلٹ، دو اور ایجنٹس کے ساتھ ادھر تھا۔ اس بار ان کو ایک پبلک ایریا میں دھماکے کا آڈر ملا تھا۔ پاکستان کو نیچا دکھانا..... مگر یہ تینوں اور ان جیسے بہت سے بھارتی جاسوس نہیں جانتے تھے کہ پاکستان کی خوشخبری تو اللہ نے ہمیں سنوائی

ہے اور یہ اللہ نے بنایا ہے تو جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے.....؟

☆☆☆☆☆☆

''اف! شکر ہے سیٹ مل گئی، فائنلی۔'' اس نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے شکر ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنا ہینڈ بیگ اپنے پاؤں کے پاس رکھا۔ ایک نظر تمام مسافروں کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہینڈسم نوجوان کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ وہ فون پر بزی تھا۔

''اب یہ جہاز اڑے گا کب؟'' لڑکی نے خفگی سے پوچھا مگر جواب ندارد۔ جیسے ساتھ بیٹھے نوجوان نے سن کر اگنور کیا ہو۔

''ہیلو مسٹر! میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔'' اس نے اس نوجوان کے سامنے ہاتھ ہلا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''میں؟'' نوجوان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو اور کیا میں پائلٹ سے پوچھ رہی ہوں؟'' اس نے دوبارہ خفگی سے کہا۔

''مس.....آ.....جو بھی آپ کا نام ہے۔ مجھے کیا پتا کہ کب چلے گا میں یہاں پر پائلٹ لگا ہوا ہوں بھلا؟'' اس نے خفگی اور لاپرواہی کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

''ارے.....غصہ تو نہ کریں۔ ہمیں یہ سفر ساتھ کرنا ہے، بندہ آرام سے بات کر لے۔'' اس نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

''میں غصہ نہیں کر رہا۔'' اس نے جیسے جان چھڑائی۔

''ویسے میرا نام ایمان جہانگیر ہے۔'' کچھ لمحے خاموشی سے سر کے اور ایمان سے مزید خاموش نہیں رہا گیا۔

''نائس نیم۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

''آئی نو۔ ویسے اگر کوئی اپنا نام بتائے تو مطلب آپ بھی اپنا نام بتائیں۔'' اس نے اسپیاور کروایا۔

''اوہ! اچھا.....عمر شیرازی۔'' وہ جیسے بول کر احسان کر رہا تھا۔

''نائس نیم۔'' ایمان نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

اس پر عمر نے تلخ مسکراہٹ سجائی اور دوبارہ موبائل پر متوجہ ہو گیا۔ ایمان پھر سے بور ہونے لگی۔

''بندہ کوئی اور بات بھی کر لیتا ہے۔ اتنا لمبا سفر خاموش رہنے کا ارادہ ہے؟'' ایمان نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

''دو انجان بندوں کا اتنا فری ہونا.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑی اور دوبارہ سے فون کو دیکھنے لگا۔

''ارے بھئی.....آپ تو بہت سیریس ہیں۔ میں نے تو مذاق کیا تھا بس۔ سوری ہاں.....اگر برا لگا تو۔'' ایمان کی مصنوعی ناراضگی ہوا میں گھل گئی۔

''اٹس فائن۔'' عمر نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے مگر ایمان کے اندر کی باتونی لڑکی نے اسے خاموش نہیں رہنے دیا۔

''ویسے آپ کیا کرتے ہیں؟'' ایمان نے ایک اور سوال کیا۔

عمر نے دوبارہ ایک تلخ نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور ایمان کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کی خفگی سمٹ گئی۔اب اس نے فون رکھ دیا اور ایمان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں ایک فرم میں جاب کرتا ہوں۔میں وہاں کا مینیجر ہوں۔'' عمر نے فوراً اسے جواب دیا۔

''نائس! ویسے آپ نے تو پوچھنا ہے نہیں تو میں خود ہی بتا دیتی ہوں کہ میں بھی ایک کمپنی میں جاب کرتی ہوں بلکہ تھی.....اب تو میرا اپنا سیٹ اپ ہے۔'' اس نے جیسے اسے بہت ضروری اطلاع دی جس سے عمر کو اس سے رتی برابر بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔

''نائس۔ویسے میں اب اتنا بھی روڈ نہیں ہوں۔'' عمر نے اسے کہا۔

ایمان اپنی عادت کی وجہ سے چپ نہ رہ سکی اور سوال پوچھتی رہی۔جس کے جواب عمر نے بہت نپے تلے الفاظ میں دیے۔اسی دوران ایمان نے عمر کو اپنا وزٹنگ کارڈ بھی دیا جسے عمر نے بغیر دیکھے ہی والٹ میں ڈال دیا۔

یہ سفر لاہور سے اسلام آباد تک کا تھا۔دونوں اپنی اپنی جاب کے سلسلے میں کسی کام سیلا ہور آئے ہوئے تھے اور اب واپس اسلام آباد جا رہے تھے۔باتوں کے دوران یہ سفر گزرا اور ایسے ہی جہاز لینڈ کر گیا۔

''ویسے آپ اچھے آدمی ہیں۔'' ایمان نے عمر کی تعریف کی۔

''شکریہ.....آپ بھی اچھی عورت ہیں۔'' عمر نے بھی جواباً تعریف کی جیسے جان چھڑائی ہو۔

''اووہیلو.....میں عورت کہاں سے لگ رہی ہوں؟ میں ابھی لڑکی ہوں۔کسی لڑکی کو عورت نہیں کہتے۔ اتنے مینرز بھی نہیں ہیں آپ کو؟ بدتمیز۔'' ایمان نے بے حد ناراضگی سے کہا۔آخری لفظ اس نے منہ میں بڑبڑایا۔

''ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟ اس حساب سے تو آپ نے بھی مجھے 'آدمی' کہا ہے۔'' وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

پتہ نہیں عورتوں کو اپنی عمر سے ریلیٹڈ ڈکیا کمپلیکس ہے؟ عورتوں کو اگر عورت کہہ دو تو غصہ کیوں کرتی ہیں؟ اسے ہمیشہ یہ سوال تنگ کرتے تھے۔وہ اکثر سوچ کر ہنستا تھا۔

''آپ کی خیر ہے۔پر ہمیں ایسے نہیں کہنا چاہیے۔'' وہ ابھی بھی خفا تھی۔اس کی بات پر عمر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''ویری فنی.....۔double standards'' عمر نے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

''اووو.....مسٹر.....چلو چلو۔جاؤ باہر۔بڑا آیا، ڈبل سٹینڈرز والا۔'' ایمان اب غصے میں آ گئی تھی جیسے اس کی انا کا مسئلہ ہو۔عمر کچھ کہنے لگا کے ائیر ہوسٹس آئی۔

''پلیز آپ باہر جا کر لڑ لیں۔'' وہ نارمل لہجے میں کہتی انہیں شرمندہ کر رہی تھی مگر.....وہ نہیں ہوئے۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ان سے لڑنے کا.....خواہ مخواہ میرا ٹائم ضائع کیا۔'' وہ تلخی سے کہہ کر باہر کی طرف چلا گیا اور ایمان کا پارہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔وہ پیچھے سے اسے صلواتیں سنا رہی تھی۔

''ہاں بھئی.....جناب تو ملک چلا رہے ہیں ناں، ان کا وقت بہت قیمتی ہے۔'' وہ بول رہی تھی مگر عمر اس سب کو سن نہ سکا۔

غصے کے عالم میں وہ بھی خارجی راستے کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

دوپہر شام تک کا سفر طے کر رہی تھی اور آخر کار کچھ وقت میں یہ سفر تمام ہو گیا۔ رات کے کالے اندھیرے میں اوپر آسمان پر چاند ستارے بہت خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ اس رات کے اندھیرے کو دور کرنے کے لیے جگہ جگہ لائٹیں لگی ہوئی تھیں جو دن کے اجالے کا مقابلہ تو نہیں کر سکتی تھیں، مگر رات میں ہر چیز کو واضح کر دیتی تھیں۔

ایسی ہی ایک رات میں شہر کیسب سے بڑے شاپنگ مال ہونے کی وجہ سیوہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ کوئی ادھر وقت گزاری کرنے آیا تھا تو کوئی ضرورت کی چیزیں لینے۔ کوئی اپنی اداسی دور کرنے آیا تھا تو کوئی پسندیدہ اشیاء خرید کر اپنی خوشی میں اضافہ کرنے آیا تھا۔ غرض یہ کہ ہر ایک کا مقصد دوسرے سے مختلف تھا مگر ان سب کی منزل ایک ہی تھی۔

بعض دفعہ ہم اپنے اندر کے ویرانے کو دور کرنے کے لیے بھیڑ والی جگہ کا رخ کرتے ہیں۔

انہیں لوگوں میں وہ راستہ بناتا ہوا جا رہا تھا۔ ''پلیز سائیڈ پر ہو جائیں۔'' اور ''پلیز راستہ دیجئے۔'' جیسے جملوں سے وہ دوسرے لوگوں کو پیچھے ہٹنے کا کہہ رہا تھا۔ ان جملوں سے وہ بہت عجلت میں نظر آتا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہے وہ تقریباً بھاگ رہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں پکڑا اس کا سیل فون نیچے گرا۔ اس نے ہڑبڑا کر فون اٹھایا۔

''حد ہے۔'' بیزاری سے فون اٹھاتے ہوئے اس نے سکرین روشن کی کہ وقت دیکھ سکے.....

وہ موبائل کی اسکرین کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ وال پیپر پر لگی تین نفوس کی تصویر دیکھ کر وہ ایک دم سے رک گیا تھا جیسے اب اسے کہیں جانے کی جلدی نہ ہو۔ اس کی آنکھوں کے گرد پانی بھر آیا تھا۔ وہ ایک دیوار کے ساتھ لگ کر یہ تصویر دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے پانی نے اس کے چہرے کو تر کر دیا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر وہ اسکرین پر جگمگاتے تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

بعض تصویروں کو دیکھ کر انسان افسردہ ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی تصویریں ہوتی ہیں جو انسان کے دل کے بہت قریب ہوتی ہیں کیونکہ ان تصویروں میں موجود چہرے انسان کے دل کے بہت قریب ہوتے ہیں۔

''مجھے معاف کر دو..... میں مجبور تھا۔'' تصویر میں نظر آتی عورت کو دیکھ کر وہ بول اٹھا۔ وہ ایسے بول رہا تھا جیسے وہ عورت اس کے سامنے کھڑی ہے اور وہ اس سے معافی مانگ رہا ہے۔ پاس سے گزرتے بعض لوگوں نے باقاعدہ اسے مڑ کر دیکھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے..... مگر کوئی مخاطب سامنے نہ تھا۔ وہ شاید اسے پاگل سمجھ رہے تھے۔

اپنی فیملی پکچر دیکھ کر وہ اداس ہو گیا تھا۔ وہ سب کچھ یاد کرنے لگا۔ ان دونوں کے ساتھ بتائے ہوئے پہلے دن سے لے کر کل شام تک کا ایک، ایک منظر اس کے دل و دماغ کے خانوں میں ایک گہری چھاپ چھوڑ گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی کل والی شام نہیں بھلا سکتا تھا۔ وہ شام جب اس نے اپنی دو لوگوں پر مشتمل فیملی کو کھو دیا تھا۔ ابھی وہ یادِ ماضی کی وادیوں میں ہی تھا کہ کسی کا فون آیا اور اس کے موبائل پر بجتی گھنٹی کی آواز سے وہ جاگا۔ اس نے سر جھکتے ہوئے فون اٹھایا۔

''کہاں رہ گئے؟''فون سے کرخت لہجے میں آواز آئی۔

''بس پانچ منٹ۔''مختصر جواب دیا گیا۔

''جلدی آؤ۔''اور ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

کل شام کے خوفناک واقعہ سے ذہن کو آزاد کرتا ہوا وہ پھر سے چلنے لگا۔اسی طرح عجلت میں چلتا آخر کار وہ بیسمنٹ میں پہنچ گیا۔اپنے دوستوں سے بات چیت کر کے وہ ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

وہ سب سڑک پر چل رہے تھے اور اتنا آگے چلے گئے تھے کہ واپس شاپنگ مال تک آنے میں دس منٹ لگ جاتے۔ان کے عقب میں شاپنگ مال کی وسیع و عریض بلڈنگ نظر آ رہی تھی۔وہ تینوں کالے رنگ کے پینٹ شرٹ میں ملبوس، ہاتھ جیبوں میں ڈالے سڑک پر ٹہلنے کے سے انداز میں چل رہے تھے کے اپنے عقب سے آتی آواز نے ان تینوں کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

ٹھاہ.....

ٹھاہ.....

ٹھاہ.....

لگا تار تین دھماکے ہوئے،اگر چہ وہ شاپنگ مال سے کافی مسافت پہ آ گئے تھے مگر انہیں دھماکے کی آواز سہی سنائی دی۔

''ہمارا مشن تو کامیاب ہوا۔یہاں ایک بم بلاسٹ کر کے ہم نے اپنا آدھا کام کر ہی دیا ہے۔اب ہمیں چھپنا ہوگا۔اس سے پہلے کہ ہم پر کوئی شک کرے۔ہمیں اپنا حلیہ بدل لینا چاہیے۔''ایجنٹ بلٹ نے اپنے ساتھیوں کو انفارم کیا۔

''لیکن ہم اب کیا کریں؟''دوسرے نے استفسار کیا۔

''ہمیں کسی ایسی جگہ جانا چاہئے جہاں ہم محفوظ بھی ہوں اور کوئی شک بھی نہ کرے ہم پر۔ہمیں اپنے قدم مضبوط کرنے ہوں گے۔ ہم جس کام کے لیے یہاں آئے ہیں وہ بہت آگے تک کا ہے۔اس لیے ہمیں اپنی پوزیشن اسٹرانگ کرنی ہوگی۔''اس نے اپنا پلان بتایا۔

''اور تم یہ کام کیسے کرو گے؟''ایک اور سوال آیا۔

''بس تم دیکھتے جاؤ.....میں اب خود کو کیسے مضبوط کرتا ہوں دوبارہ۔''اس نے جیسے فیصلہ سنایا۔''دوبارہ''اس نے منہ میں کہا۔

رات کے اس پہر ہوٹل کے بیسمنٹ (Basement) میں وہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی۔اس نے میسج کو decode کیا اور اگلے مرحلے کے لیے لائحہ عمل بنانے کے لیے وہ لوگ چلے گئے۔

دھماکے کے باعث ہر طرف ہنگامہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں بہت خوش تھے۔شدید گرمی کے باوجود اپنے بیٹے مراد کے لئے وہ شاپنگ کرنے گئے تھے۔انہوں نے مراد کے لئے بہت سے کپڑے اور کھلونے خریدے۔انٹیریئر ڈیزائنر (Interior designer) سے اپائنٹمنٹ لی تا کہ مراد کا کمرہ سجایا جا سکے۔وہ

تمام ضروری اشیا کے ساتھ گھر پہنچے تو بیٹے کو دیکھ کر ان کی ساری تھکن دور ہوگئی۔

جنت نے گھر میں آتے ہی مراد کو گود میں لیا اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ پتا نہیں ہم بچوں سے باتیں کیوں کرتے ہیں جب کہ ہمیں پتا ہے کہ وہ آگے سے کچھ نہیں بولیں گے۔ کچھ چیزوں کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انسان وہ کام کرتا تو ہے مگر اسے اس کا مقصد نہیں پتا ہوتا۔

عامر شیرازی نیاب کسی ضروری کام سے جانا تھا۔ سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس، ہاتھ میں گھڑی پہنے اور ایک ہاتھ سے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے وہ پورچ میں آئے۔ ملازم ان کو دیکھ کر الرٹ ہوگئے۔ ڈرائیور نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور عامر شیرازی اس میں براجمان ہوگئے۔

دروازہ بند کرنے کے بعد ڈرائیور نے اپنی جگہ سنبھالی اور ایک زناٹے سے گاڑی دوڑاتا ہوا لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆

شیرازی ہاؤس کی خوبصورتی سے سجائے گئے ٹی وی لاؤنج میں وہ دونوں ماں بیٹا باتوں میں مگن تھے۔ یعنی.....صرف جنت ہی۔ ٹی وی آن تھا اور کوئی پروگرام چل رہا تھا کہ اچانک پروگرام کے درمیان میں ہی بریکنگ نیوز چل پڑی۔

''ناظرین.....ہم آپ کو اہم خبر سے مطلع کریں کہ کراچی کے مشہور شاپنگ مال میں دہشت گردی کا ایک نیا کارنامہ سامنے آیا ہے۔ ان دہشت گردوں نے شاپنگ مال میں بم بلاسٹ کر دیا ہے۔ بلڈنگ تباہ.....متعدد لوگ جاں بحق.....اور کئی زخمی۔ ابھی تک متاثرین کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ رینجرز بھی جائے وقوعہ پر موجود ہیں جنہوں نے عوام کو بلڈنگ سے نکالا۔ پولیس اور باقی اہلکار معاملے کی جانچ پڑتال کر رہے ہیں۔ جی ہاں.....ہم آپ کو اہم خبر سے مطلع.....'' ٹی وی رپورٹر نے دوبارہ سے خبر پڑھنا شروع کر دی اور ساتھ ساتھ متاثرہ بلڈنگ کی تصویریں بھی ٹی وی پر نظر آ رہی تھیں۔

''اللہ غارت کرے ان کو۔ نہ جانے لوگوں کی زندگیاں تباہ کر کے انہیں کیا ملتا ہے؟ عجیب درندے ہیں یہ لوگ۔ میں اپنے بیٹے کو فوج میں بھیجوں گی تا کہ وہ ملک سے یہ دہشتگردی ختم کرے۔ انشائ اللہ۔'' جنت نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر مراد کو دیکھا اور اتفاقاً اس وقت مراد مسکرایا۔

جنت کو یوں لگا جیسے مراد کے مسکرانے کا مطلب اس کی ''ہاں'' ہے۔

اسے اپنے ننھے فوجی پہ بے حد پیار آیا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ ایک بڑے سے کمرے میں بیٹھی ایک کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی جب ہلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے کتاب سے نظریں ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک سولہ، سترہ سال کا لڑکا کھڑا تھا۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے اسے ہاتھ سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہاں،علی بولو۔کیا کام ہے؟''لڑکی نے پوچھا۔

''میڈم،وہ سب آ گئے ہیں۔''علی نے اپنے مدھم لہجے میں کہا تو ایمان نے کھلی کتاب بند کر کے سامنے آفس ٹیبل پر رکھ دی۔

''او کے،تم جاو؟میں آتی ہوں۔''ایمان نے کہا اور علی سر اثبات میں ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

وہ اٹھی اور ٹیبل کی سائڈ سے ہوتی ہوئی،کمرے میں لگے شیشے کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔بال درست کیے اور کپڑوں کی نادیدہ سلوٹ دور کی۔وہ شیشے میں دیکھتے ہوئے کسی گہری یاد میں گم لگتی تھی.....کسی گہری چوٹ کی یاد میں گم.....کسی اپنے کے بچھڑنے کی یاد میں گم.....

''بابا.....آپ کب آئیں گے؟میں کب سے انتظار کر رہی ہوں آپ کا۔آپ نے کہا تھا اس بار آپ جلدی آ جائیں گے۔''فون کان سے لگائے دس سالہ بچی نے کہا۔

''میں جلدی آو؟ں گا میرا بچہ۔میں بھی تم سب سیبہت اداس ہوں۔''جہانگیر صاحب نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

''آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں۔''ایمان ناراضی سے بولی۔

''اس بار پکا.....تم بس دعا کیا کرو اپنے بابا کے لیے۔اللہ پاک بچوں کی دعائیں جلدی سنتا ہے۔''انہوں نے کہا تو ایمان نے دل ہی دل میں ایک بار پھر دعا کی کہ اس کے بابا جلدی سے واپس آ جائیں۔

''جی بابا۔''ایمان نے اداسی سے بس اتنا ہی کہا۔جہانگیر،ایمان کا اداس لہجہ سمجھ گئے تھے۔

''ایمان ذرا میری بات سلمہ سے کروانا۔''ایمان نے فوراً سے پاس بیٹھی سلمہ کو فون پکڑا دیا اور خود اداس سی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''سلمہ،میں رات کو آ جاو؟ں گا۔میں بس جہاز میں بیٹھنے لگا ہوں۔تم ایمان کو مت بتانا۔میں اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔''رسمی سلام دعا کے بعد انہوں نے سلمہ کو ہدایت کی۔سلمہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

''او کے۔اللہ آپ کی حفاظت کرے۔''سلمہ نے دعا دیتے ہوئے فون بند کر دیا اور رات کا کھانا بنانے کچن میں چلی گئی۔وہ بہت خوش تھیں،آخر ایک سال بعد اپنے خاوند سے ملنا تھا۔تقریباً دو گھنٹے کچن کا کام کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئیں اور تیار ہونے لگیں۔جہاز رات دس بجے لینڈ کر جانا تھا تو وہ اسی حساب سے تیار ہوئی تھیں۔جہانگیر کا پسندیدہ،گہرے سبز رنگ کا کڑھائی والا سوٹ پہنے وہ بہت خوش اور خوب صورت لگ رہی تھیں۔وہ تیار ہو کر ایمان کے کمرے میں گئیں تو ایمان نے بھی ان کی تعریف کی۔وہ بلاشبہ خوب صورت لگ رہی تھیں پر.....انہیں کیا پتا تھا کہ اب اس تیاری کا کوئی فائدہ نہیں۔

دس بجنے میں ابھی بیس منٹ تھے۔رات ٹھنڈی تھی۔اداس ہوائیں چل رہی تھیں۔وہ لاو؟نج میں بیٹھیں ٹی وی دیکھ رہیں تھی۔چینل چینج کرتے ہوئے ان کی نظر ایک جگہ منجمد ہوگئیں۔حیرت زدہ سی نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں۔کال ٹون نیچو نکا دیا۔انہوں نے ڈرتے ڈرتے فون اٹھایا۔ائیر پورٹ سے جہانگیر کے دوست کی کال تھی جو انہیں لینے گیا تھا۔۔وہ خبر سچی تھی۔ایمان،سلمہ کے رونے کی آواز سن کر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔وہ سلمہ کے پاس آئی اور پوچھنے لگ گئی۔روتے روتے سلمہ نے اسے بتایا۔

''جہانگیر.....وہ ہمیں چھوڑ کے چلے گئے ہیں ایمان۔وہ.....آج آرہے تھے۔انہوں نے کہا تھا کہ ایمان کو مت بتانا۔وہ تمہیں سر پرائز دینا چاہتے تھے۔''سلمہ نے گنگ کھڑی ایمان کو اپنے ساتھ لگایا اور رونے لگ گئیں۔

بے یقین سی ایمان کا بھی ضبط ٹوٹا۔

بعض واقعات انسان کو لمحوں میں بڑا کر دیتے ہیں۔اسے عاقل بنا دیتے ہیں۔تمام چیزیں پسِ پشت ڈال کر وہ اپنوں کے بارے میں سوچنے لگ جاتا ہے اور اس کا مقصد اپنوں کو ہر تکلیف سے بچانا ہوتا ہے۔

اس دن کے بعد ایمان نے ٹھان لیا تھا کہ وہ اپنے گھر کا مرد ہے۔آج سے.....ابھی سے.....

وہ آنکھیں رگڑتی ہوئی ٹیبل تک آئی اور ٹشو باکس میں سے ٹشو نکالا۔دوبارہ سے تروتازہ ہو کر وہ باہر جانے کے لیے تیار تھی۔باہر ہال سا تھا جہاں سائڈ میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے تھے۔ان کے درمیان ایک راہداری سی تھی جو باس کے کمرے تک جاتی تھی۔ان کیبنز میں ایک شیلف ،جس پر کچھ ضروری سامان پڑا تھا اور سامنے ایک کرسی رکھی تھی۔وہ ایک چھوٹا سا آفس تھا۔باس کا کمرہ ذرا بڑا تھا۔

وہ سب راہداری میں کھڑے ایمان کی بات سن رہے تھے۔کھڑکیوں سے دھوپ ،چھن کر اندر آرہی تھی۔

''آج سے ہم سب نے اس کمپنی کے لیے محنت کرنی ہے،اپنے لیے محنت کرنی ہے۔ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم کسی سے کم نہیں ہیں اور ہم نے اس کمپنی کو بہت اوپر لے کر جانا ہے ان شائاللہ۔''یمان نے پرجوش لہجے میں کہا تو سب نے تالیاں بجائیں۔وہ سب یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔سب کی آپس میں اچھی جان پہچان تھی اور اب ایمان ان کی باس تھی۔وہ سب بھی بہت پرجوش تھے۔

ایمان کو پتا نہیں تھا کہ یہ کمپنی بہت جلد شہر کے ایک بہت بڑے بزنس مین کے ساتھ کام کریگی۔

ایمان گھر میں جتنی چلبلی اور نادان تھی،آفس میں وہ اتنی ہی پروفیشنل اور سنجیدہ تھی۔یہ عادت اسے باقی لڑکیوں سے ممتاز رکھتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ اگلے دن اپنے ٹھکانے پر پہنچا۔تالے میں چابی گھمائی اور دروازہ کھل گیا۔وہ ایک کمرے کا گھر تھا اس کے نیچے دکانیں تھیں جیسے عموماً بازار میں چھوٹے چھوٹے گھر ہوتے ہیں۔اس ایک کمرے کے گھر میں ایک طرف باتھ روم تھا اور اس کے مخالف سمت چھوٹا سا کچن تھا۔وہ اندر آیا اور اپنا تھیلا پھینکا پھر باتھ روم میں گھس گیا۔منہ دھو کر باہر آیا تو کپڑے بدلنے کے لیے سنگل بیڈ کے نیچے رکھا سوٹ کیس نکالا اور اسے بیڈ کیا و پر رکھ کر کھولا۔سوٹ کیس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یہاں پہلے بھی رہ چکا ہے۔جیسے یہ اس کا اپنا گھر ہے۔اس لڑکے نے سوٹ کیس میں سے بھوری پینٹ اور کالی شرٹ نکالی اور سوٹ کیس بند کر کے واپس بیڈ کے نیچے رکھ دیا۔بیڈ کی پچھلی دیوار پر شیشہ لگا ہوا تھا۔اس نے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔اس کے چہرے پر چند ایک خراشیں تھیں۔ قمیض صاف تھی۔وہاں کچھ نہیں تھا البتہ ہاتھ زخمی تھا جس پر پٹی لگی ہوئی تھی۔

اس کے بعد وہ کچن میں گیا اور اپنے لئے چائے بنانے لگا۔چائے وغیرہ کا سامان وہاں پہلے سے ہی موجود تھا۔چائے تیار کرنے کے بعد وہ کمرے کی واحد کھڑکی کے پاس آ گیا اور باہر دیکھنے لگا۔بازار کی چہل پہل رات کے وقت کافی حد تک کم ہو گئی تھی مگر وہاں پھر بھی

لوگ موجود تھے۔اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا اور آسمان کو دیکھنے لگا۔کالے آسمان میں اسے گزشتہ رات کا کالا آسمان یاد آ گیا۔ گزشتہ رات اس کے ذہن میں کسی فلم کی طرح چلنے لگی۔

رات کا اندھیرا ہر سُو پھیلا ہوا تھا۔ہلکی ہلکی ہوا نے موسم کے اندر خنکی پیدا کر دی تھی۔وہ اپنے استاد سے گلے مل کر الگ ہوا۔اتنے میں اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔وہ آواز اب قریب آ رہی تھی۔وہ دونوں الرٹ ہو گئے۔ان دونوں نے اپنا رخ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔وہ آنے والے شخص کو اب دیکھ سکتے تھے۔قدم قریب آ گئے۔دونوں نے آنے والے شخص کو پہچان لیا تھا۔وہ ایک سمگلر تھا۔وہ مقامی لباس میں ملبوس تھا۔حلیے سے وہ ادھر کے قریبی دیہات کا رہنے والا لگتا تھا۔وہ قریب آیا اور باری باری دونوں سے مصافحہ کیا۔

''یہ میرا بیٹا ہے،اسے بارڈر پار کروانا ہے۔'' کرنل عاصم نے اس شخص سیبو سف کا تعارف کروایا۔انہوں نے اپنی رہائش کے بارے میں بتایا کہ وہ لاہور کے کسی قریبی دیہات کے رہنے والے ہیں۔

ان کی بات سے وہ شخص مطمئن ہو گیا۔

''چلو میرے ساتھ۔'' سمگلر نے کہا تو یوسف اس کے ساتھ چل پڑا۔بارڈر سیکیورٹی فورسز سے بچ کر انہوں نے بہت احتیاط سے بارڈر کراس کیا اور اس کے بعد کافی دیر تک پیدل چلتے رہے۔خطرہ ٹل چکا تھا۔اپنے عقب میں انہیں بارڈر سکیورٹی فورسز کی بلڈنگ نظر نہیں آ رہی تھی اور اپنے سامنے انہیں ذرا دور دیہی علاقہ نظر آ رہا تھا۔مزید دس منٹ کی واک کے بعد وہ بآسانی دیہات تک پہنچ سکتے تھے۔

وہ دونوں ویران جگہ پر چل رہے تھے کہ یوسف کو اپنے ساتھ چلتے آدمی کی حرکتیں مشکوک لگیں مگر وہ فی الحال کچھ نہیں بولا۔تھوڑا آگے چل کر سمگلر نیو سف کو پیچھے سے دبوچنے کے لئے اس پر چھلانگ لگائی مگر یوسف نے اسے خود پر جھپٹنے سے قبل ہی نیچے گرا دیا تھا۔وہ اس حرکت کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔سمگلر نے یوسف کے ہاتھ پر چاقو سے وار کیا مگر یوسف جواں مردی سے اڑا رہا اور سمگلر کے منہ پر زور سے مکا رسید کیا۔سمگلر کی ہمت ابھی کم نہ ہوئی تھی۔اس نے دوسرا وار کیا تو یوسف کے منہ سے اس بار کراہ نکلی مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔اس نیسمگلر کی گردن کے ایسے حصے پر وار کیا کہ اس کے ہاتھ سے چاقو نیچے گر گیا اور دوسرے ہی لمحے اس کی سانسیں رک گئیں۔ اس نے اس لاش کی تلاشی لی۔اس کے پاس کچھ نقدی تھی اور ایک دو اور چیزیں تھی جیسے کارڈز وغیرہ۔وہ سمگلر نہیں تھا۔وہ سمگلر بن کر آیا تھا پر وہ کوئی جاسوس تھا،یہ بات یوسف سمجھ چکا تھا۔

یوسف نے ساری چیزیں اپنے تھیلے میں رکھیں اور آگے چل پڑا۔بھاگتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کا خون زیادہ بہنے لگا ہے۔پہلے اس نے جلدی جلدی میں خون اپنی قمیض سے روکنا چاہا۔قمیض پہ لال نشان پھیلتا گیا مگر خون نہ رکا۔اس نے رک کر تھیلے سے کپڑا نکال کر زخم پر باندھ دیا مگر عجلت میں باندھا ہوا کپڑا تھوڑی دیر بعد کھل گیا۔کپڑے کو دوبارہ مضبوطی سے گرہ لگاتے ہوئے وہ آگے چل پڑا۔

تھوڑا آگے چل کے اسے دوبارہ اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔وہ الرٹ ہو گیا۔وہ ابھی زیادہ آگے نہیں گیا تھا اسی لیے اس آدمی کا ساتھی اس کا پیچھا کرتا ہوا تقریباً یوسف کے قریب آ گیا۔موقع دیکھتے ہی اس نیبو سف پر حملہ کر دیا۔یوسف زمین پر اوندھے منہ گرا کیونکہ وہ اس حملے کے لیے بروقت تیار نہ تھا لیکن اس نے گرنے سے پہلے اپنی جیب سے نوکیلا اوزار ضرور نکال لیا تھا۔وہ آدمی،یوسف

کے جیسے اوپر بیٹھ گیا اور اس کی گردن پکڑ لی مگر یوسف نے اپنے ہاتھ میں پکڑا نوکیلا اوزار سرعت سے اس آدمی کی ٹانگ میں گھسا دیا۔ وہ آدمی درد سے کراہا۔ وہ زہر تھا۔ مزید مزاحمت کے بغیر وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

وہ اٹھا، اپنے کپڑے جھاڑے اور آگے چل پڑا۔ تھیلے میں سے ایک کالی چادر نکال کر اوڑھ لی تا کہ کسی کو خون نہ نظر آئے۔ اسے اب اس جگہ سے جلدی جلدی نکلنا تھا مبادا کہ کوئی اور نا آ جائے۔ وہ چلتا رہا۔ کئی چھوٹے چھوٹے دیہات کراس کر کے وہ قریبی شہر تک پہنچ گیا۔

صبح کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے کے لیے تیار تھا۔

''یہ رہی تمہاری رقم.....'' آدمی نے یوسف کی طرف ایک کالے رنگ کا بیگ بڑھایا۔ جسے اس نے تھام لیا۔

''اور یہ تمہارا سامان.....'' بیگ لینے کے بعد یوسف نے ایک چھوٹا سا پیکٹ آگے کیا اور ساتھ ایک معنی خیز مسکراہٹ بھی۔ خنکی زیادہ تھی اسی لیے اس نے ابھی تک چادر لی ہوئی تھی۔

''دھنواد.....جاو؟ اپنی حالت درست کرو۔'' اس کی حالت دیکھ کر راجکمار نامی آدمی نے کہا۔ وہ اٹھا اور ایک کمرے میں چلا گیا۔

وہ جب بھی یہاں آتا تھا تو اسی کمرے میں ٹھہرتا تھا۔ باڈر کراس کرنے کے بعد وہ سیدھا ادھر آیا تھا اور یہ اس کا ایک محفوظ کور تھا۔ نہا دھو کر وہ باہر آیا۔ کپڑے بھی بدل گئے تھے۔ ہاتھ کی پٹی بھی ٹھیک سیکر لی تھی۔ اس کی حالت سے لگتا ہی نہیں تھا کہ کل رات اس پر جان لیوا حملہ ہوا تھا یا اس نے دو قتل کر دیے تھے۔

یوسف اور راجکمار نے ناشتہ ایک ساتھ ہی کیا تھا۔ راجکمار منشیات کا اسمگلر تھا اور وہ یوسف کو بھی ایک اسمگلر ہی سمجھتا تھا۔ راجکمار نے یوسف کو ایک چابی دی۔ چابی لے کر وہ رخصت ہو گیا۔

اسے دوسرے شہر جانا تھا۔

اس کی سوچوں کا تسلسل زور سے بجتے گاڑی کے ہارن نے توڑا۔ وہ جب ماضی سے حال میں واپس آیا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ چائے گرم کرنے کے لیے دوبارہ کچن میں گیا اور راستے سے خریدا ہوا کھانے کا سامان بھی گرم کر لایا۔ کھانا کھا کر وہ فارغ ہو چکا تھا۔

وہ اپنا تھیلا خالی کرنے لگا۔ کرنسی نوٹ، کچھ کپڑے اور تین چار اور چیزیں نکلی تھیں۔

ایجنٹ وائٹ ہورس تمام دنیا کو دھوکہ دے کر اپنے ٹھکانے تک پہنچ چکا تھا۔ یوسف کا کوڈ نیم ایجنٹ وائٹ ہورس تھا۔

☆☆☆☆☆☆

باب دوئم

کور(Cover)

رات گئے تک بارش نے اسلام آباد کی تمام سرمئی سڑکوں کو گیلا اور ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ اگلی صبح سورج پوری آب وتاب سے نکلا اور گرمی بڑھ گئی۔

وہ لڑکی بلڈنگ کے ایک روم میں بیٹھی لیپ ٹاپ پر کام کر رہی تھی۔ کھڑکی کے آگے لگے پردوں نے دھوپ کو اندر آنے سے روک رکھا تھا۔ اس سے تھوڑی آگے کرسی اور آفس ٹیبل رکھا تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں صوفہ.....جگہ جگہ پینٹنگز.....اور ٹیبل کے آگے دو کرسیاں رکھی تھیں، جو کمرے کی شان میں اضافہ کر رہی تھیں۔ برقی قمقموں نے کمرے کو روشن کر رکھا تھا۔

وہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ کھڑکی کی طرف اس کی پشت تھی۔ کالی گہری آنکھوں پہ بلیک فریم عینک لگائے جو وہ صرف کام کے دوران یا پڑھتے ہوئے پہنتی تھی، سٹریٹ بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں سمیٹے ہوئے، ہلکے لال رنگ کی قمیض جو اس کے سفید رنگ پہ بہت اٹھ رہی تھی، کے نیچے جینز اور گلے میں اسٹالر لپیٹے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ مسلسل لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

دروازے سے ایک لڑکا اندر آیا ''میم.....آپ کی آج شیرازی صاحب کے ساتھ میٹنگ ہے۔'' اس نے ایمان کو یاد کروایا۔

''مسٹر شیرازی آ گئے ہیں۔'' اس نے بات مکمل کی۔

لیپ ٹاپ پر چلتی انگلیاں رک گئیں اور وہ گھڑی دیکھنے لگی جو دوپہر کے دو بجا رہی تھی۔

''او کے اندر بھیج دو۔'' کہتے ساتھ اس نے اپنا اسٹالر درست کر کے پھیلا لیا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ لڑکا باہر جا چکا تھا۔ اس نے پاس رکھی یو ایس بی (USB) اٹھائی اور اسے لیپ ٹاپ میں لگانے لگی کہ وہ نیچے گر گئی۔

''چلو جی۔'' برا سا منہ بنا کر وہ جھک کر ٹیبل کے نیچے دیکھنے لگی۔

اتنے میں بالکل ہلکی سی دستک کی آواز آئی اور شیرازی صاحب اندر آ گئے۔ کسی کے اندر آنے سے بے خبر وہ لڑکی نیچے جھکی یو ایس بی تلاش کرنے میں مصروف تھی۔

شیرازی صاحب کرسی پر بیٹھ چکے تھے اور متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ ''کوئی ہے یا نہیں؟''

بلآخر اسے یو ایس بی مل گئی اور وہ اوپر اٹھ گئی۔

''شکر ہے۔'' کہہ کر وہ اوپر نمودار ہوئی اور اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ کر اس کی خوشی غائب.....اور چہرے پر سنجیدگی نے گھر کر

لیا۔

بے اختیار اس نے اپنا اسٹالر درست کیا اور خود کو کمپوز کیا۔ شیرازی صاحب اس کی حیران کیفیت کو بھانپ گئے تھے۔ انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

''اسلام علیکم۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شیرازی صاحب نے سلام کیا۔ وہ شاید حیران بھی تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ چہرہ ہنوز سنجیدہ۔

''ہمیں ایک بزنس کنسلٹنٹ کی ضرورت ہے اور مجھے ڈیڈ نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں میں آپ سے ملنے یہاں آؤں۔'' مسٹر شیرازی نے بات کا باقاعدہ آغاز کیا۔ وہ مدعے پہ آ گئے۔

''جی..... مجھے لگا تھا کہ شیرازی صاحب خود آئیں گے مگر انہوں نے آپ کو بھیج دیا، عمر شیرازی۔'' ایمان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ سیاہ پینٹ کوٹ پہنے جو اس کی گوری رنگت کے برعکس تھا، وہ کالی آنکھوں میں مسکراہٹ لیے وہ ایمان کے سامنے بیٹھا تھا۔

''ہماری کمپنی اسی لئے کام کرتی ہے ہم لوگوں کو opportunities دیتے ہیں۔ جیسے آپ کو کنسلٹنٹ چاہیے اور کسی کو جاب۔ ہمارا یہی کام ہے۔ میں ایک دو دن میں آپ کو کسی کینڈیڈیٹ کا نام بتا دوں گی۔'' اس نے اسی انداز میں بات جاری رکھی۔ اپنا نام عمر شیرازی سننے پر وہ حیرانی سے مسکرا دیا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے اپنا نام عمر ہی بتایا تھا۔

''ڈیڈ نے کسی اور کا نہیں بلکہ آپ کا کہا ہے۔ وہ چاہتے ہیں آپ ان کو کنسلٹ کریں۔ ایمان جہانگیر۔'' ساری بات سنجیدگی سے کہی مگر اسکا نام لینے کے بعد وہ پھر سے مسکرا دیا۔ ایمان کو تو جیسے یقین ہی نا آیا۔

''میرا نام؟ (وہ رکی) مگر وہ جانتے ہیں کہ میں بہت بزی ہوتی ہوں۔ میں یہ ڈیوٹی نہیں کر سکتی۔ وہ یہ بات جانتے ہیں.....''

''Sorry for interruption. (بات کاٹنے پہ معذرت۔)'' اس نیا ایمان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ایمان چپ ہو گئی۔

''مگر وہ آپ کی قابلیت بھی جانتے ہیں اور اسی لیے انہوں نے آپ کا نام لیا ہے۔ اگر کسی دوسرے کو ہی اس کام کے لیے رکھنا ہوتا تو وہ اخبار میں اشتہار دے دیتے یا کوئی دوسرا طریقہ اپناتے..... مگر میرا بذاتِ خود یہاں آنے کا مقصد یہی ہے کہ میں آپ کو کنوینس (امادہ) کروں۔'' عمر نیا پنی بات مکمل کی۔

''آں..... بڑا آیا۔ بذاتِ خود کا کچھ لگتا۔ جیسے یہاں آ کر بڑا معرکہ مارا ہے۔ جیسے احسان کیا ہے مجھ پر۔ ہنہ۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے عمر صاحب۔ مگر میں کیسے..... مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہیے۔'' ایمان کہنے کے بعد سوچ میں پڑ گئی اور ایک بار پھر غلط نام سننے پر اس نے اپنی خوبصورت مسکراہٹ دنیا کو دکھائی۔ ایمان کے انتہائی پروفیشنل انداز نے اسے حیران ضرور کیا تھا۔ کہاں وہ جہاز میں اتنی باتونی تھی اور یہاں کس قدر سنجیدہ۔

''اوکے۔ میں ڈیڈ کو انفارم کر دونگا۔'' کہتے ساتھ ہی وہ اٹھا اور سیاہ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ ایمان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اس کی

وجیہہ شخصیت سے امپریس ہوئی مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔

''آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے کافی منگواتی ہوں۔'' ایمان نے اسے بیٹھنے کا کہا اور فوراً انٹر کام اٹھا کر کافی منگوائی۔ شیرازی کچھ کہہ نہ سکا اور کوٹ کا بند بٹن کھول کر بیٹھ گیا۔ اس کی مسکراتی نظر نے ایمان کو دیکھا اور اس بار ایمان جہانگیر نے بھی اسے مسکراہٹ سے نوازا۔ ایک تلخ مسکراہٹ سے۔

''Thanks .'' اس نے بیٹھتے ساتھ کہا۔

''My Pleasure.???????'' ایمان نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر درمیان میں خاموشی حائل رہی۔

''ویسے آپ کو ایک بات بتاؤں؟'' لڑکے نے دوبارہ بات شروع کی۔

''اب شوخا ہو جائے گا۔'' ایمان نے دل میں سوچا۔

''جی۔'' انتہائی تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے جیسے اجازت دی۔

''میرا نام عمر نہیں ہے۔ میرا نام 'مراد شیرازی' ہے۔'' اس نے اپنا اصل نام بتایا۔

''اوہ..... گڈ۔'' ایمان کو اندر جتنا غصہ آیا اتنا ہی اس نے خود کو کمپوز کیا۔

''آپ کو غصہ نہیں آ رہا؟'' مراد نے ذرا چھیڑنے کے انداز میں پوچھا۔

''اگر آ بھی رہا ہے تو کیا کروں گی؟ اتنی سی باتوں پر میں ری ایکٹ نہیں کرتی۔'' اس نے اپنا لہجہ حتی الامکان نارمل رکھا۔ ''میں اتنی میچور ضرور ہوں۔'' ایمان نے مزید کہا۔

اس کی بات سن کر مراد ہلکا سا ہنسا۔ اسے جہاز والا واقعہ یاد آ گیا تھا کہ بس ''عورت'' کہنے پر یہ بھڑک اٹھی تھی اور کہہ رہی ہے کہ میں اتنی سی باتوں پر ری ایکیٹ نہیں کرتی۔ اس سارے میں دروازہ بجا اور ایمان نے مراد کی تمسخرانہ ہنسی اگنور کر دی۔

ملازم اندر آیا اور دو کافی کے مگ ٹیبل پر رکھ دیے۔ دونوں نے خاموشی سے کافی پی اور مراد ارد گرد دیکھنے لگا۔ اسے ٹیبل کی ایک سائد پر Turkish Dictionary نظر آئی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ایمان کو ترکی زبان پسند ہے۔ پسند تو اسے بھی ہے۔

خاموشی سے کافی پینے کے بعد مراد نے مگ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سیاہ کوٹ کا کھلا بٹن پھر بند کیا۔

''Çok memnun oldum'' (آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔) (اس نے مسکراتے ہوئے ترکی زبان میں کہا۔

''Tesekkur ederim'' (آپ کا شکریہ۔) اس نے بھی ترکی میں کہا۔ چہرے پہ وہی سنجیدگی رقم تھی۔

جواب سننے کے بعد مراد پلٹ گیا اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ایمان نے شکر ادا کیا۔

''جھوٹا۔ بدتمیز۔ شوخا۔ اس دن ایسے بی ہیو کر رہا تھا جیسے یہ انسان بول کر احسان کرتا ہے اور آج..... عجیب۔'' شدتِ جزبات کے باعث ایمان با آوازِ بلند یہ سب کہہ اٹھی اور سر جھٹکا۔

اتنے میں دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا اور مراد شیرازی اندر آیا۔ ایمان نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ وہی چہرہ دروازہ کھولے کھڑا

تھا۔وہ اسے دیکھ کر سکتے میں ہی آ گئی۔

''میرا فون.....''اس نے بس اتنا کہا اور ٹیبل پر رکھے فون کی طرف اشارہ کیا۔ایمان نے ہکا بکا چہرے کے ساتھ اسے دیکھا پھر فون کو،اور.....وہ آیا،فون اٹھایا اور دوبارہ باہر۔مگر جاتے جاتے وہ ''بائے بائے'' کہنا نہیں بھولا تھا۔ایمان نے اسے کچھ نہ کہا۔وہ شاید بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

''اف۔اف.....ایمان اتنا کیوں بولتی ہو؟''وہ خود کو کوسنے لگی۔ٹیبل پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھایا۔پانی پیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

پردے ہٹا کر وا کیے اور دھوپ کو راستہ ملا تو اس نے کمرے کے اندر قدم رکھ دیے۔تمام کمرہ سنہری روشنی سے منور ہو گیا تھا۔دھوپ نے برقی قمقموں کو مات دے دی تھی۔

وہ برے موڈ سے کھڑکی سے نیچے دیکھنے لگی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔وہ ابھی باہر نہیں آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے مراد شیرازی نظر آیا۔وہ یقیناً سب سن چکا تھا۔وہ اپنی گاڑی میں سوار ہوا پھر وہ اور سرمئی سڑک.....

ایمان اپنے کمرے میں خود کو کوستی،دوبارہ لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگی۔

پردے اسی طرح تھے اور دھوپ سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

سرمئی سڑکوں پر گاڑیاں رواں دواں تھیں۔ابھی انہی میں سے ایک گاڑی میں موجود چار افراد اپنی منزل تک جانے کا سفر طے کر رہے تھے۔حارث ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے ہوئے تھا اور فرنٹ سیٹ پر مسٹر اسماعیل بیٹھے تھے اور پیچھے مسز نیلم اور ان کے برابر میں ان کا بیٹا نشست سنبھالے ہوئے تھا،رہبر اسماعیل۔

''آج تو تم بہت ایکسائٹڈ ہو گے؟''حارث نے بیک ویو مرر سے دیکھتے ہوئے پیچھے بیٹھے رہبر کو شرارتاً کہا۔بلیک جینز پر بلیک ہی شرٹ پہنے رہبر نے گھور کر اسے دیکھا جس پر حارث ہلکا سا ہنسا۔

مسٹر اسماعیل اور نیلم بھی ہنس پڑے۔

''ایکسائیٹڈ.....ہاں.....May be''رہبر نے نارمل لہجے میں جواب دیا اور جیب سے فون نکال کر ٹِک ٹِک کرنے لگا۔

''سوچو اگر تم ان کو پسند نہ آئے؟''حارث نے گاڑی چلاتے ہوئے دوبارہ چھوٹے بھائی کو تنگ کیا۔رہبر نے اسے دوبارہ گھوری سے نوازا۔

''تو نہ آؤں۔ہم کسی اور کو ڈھونڈ لیں گے جو مجھے پسند کر لیں۔''رہبر نے جواب دیا۔انداز میں بے فکری تھی۔

''چلو دیکھتے ہیں۔What is going to happen''حارث نے کہا۔

اس نے اسٹیرنگ گھما کر یوٹرن لیا۔رہبر پھر سے موبائل پر ٹِک ٹِک کرنے لگا۔نیلم اپنا میک اپ درست کرنے لگیں اور اسماعیل صاحب ارد گرد خوبصورت عمارتوں اور سڑکوں کو دیکھ رہے تھے۔

اسماعیل اینڈ فیملی کچھ عرصہ قبل کام کے سلسلے میں دوسرے ملک سے پاکستان شفٹ ہوئے تھے۔اسماعیل صاحب ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتے تھے۔نیلم ہاؤس وائف تھیں۔حارث اور رہبران کے دو بیٹے تھے اور ان کے علاوہ ان کے اور کوئی بھائی اور بہن نہ تھے۔حارث نے مقامی یونیورسٹی میں جاب شروع کر دی تھی۔وہ پروگرامنگ کا ٹیچر تھا۔رہبر نے ابھی ایم بی اے کیا تھا اور وہ بھی باپ ہی کی کمپنی میں جاب کرتا تھا۔بظاہر تو یہی سچ ہے۔

آج وہ لوگ رہبر کا رشتہ دیکھنے جا رہے تھے۔حارث بڑا تھا مگر ابھی وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے رہبر کی شادی پہلے ہو رہی تھی۔

گھر میں دو عورتوں کا ہونا ضروری تھا۔

ہر گھر عورت کے بغیر ادھورا لگتا ہے چاہے وہ بیٹی اور بہن کی صورت میں گھر کی رونق ہو۔بیوی کی صورت میں دکھ سکھ کی ساتھی ہو یا ماں کی صورت میں گھر کو جوڑ کر رکھنے والی ہو۔عورت کے بغیر نامکمل ہے۔

''ویسے رہبر بیٹے.....وہاں جا کر بہت اچھا امپریشن دینا کہ وہ رشتے سے انکار نہ کر دیں۔تمہیں پتہ ہے ناں کہ یہ رشتہ کتنا اچھا ہے؟اور ہاں،ٹھیک سے بیٹھنا،زیادہ مت کھانا اور.....'' وہ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔گاڑی رک چکی تھی۔گھر آ چکا تھا۔

حارث،اسماعیل اور رہبر کی حیران نظریں مسز نیلم پر ٹکی تھیں۔نیلم نے ٹپیکل مڈل کلاس عورتوں کی طرح بچے کو سمجھایا تھا۔پانچ چھ سیکنڈ کی خاموشی کے بعد گاڑی میں موجود چار وجود کھلکھلا کر ہنس دیے۔ان کے قہقہوں کی آوازیں گاڑی سے باہر بھی آئیں۔وہ سب سمجھ گئے کہ نیلم صاحبہ مذاق کر رہی ہیں۔ان سب کے قہقہوں میں عجیب سا تمسخر تھا جیسے ان قہقہوں کی آڑ میں وہ اپنا آپ چھپا رہے ہوں۔

وہ سب گاڑی سے اترے،کپڑے درست کیے اور گھر کی گھنٹی بجائی۔اندر سے کسی کے آنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ خبر سننے کے بعد اس کے حواسوں پر غصہ سوار ہو گیا تھا۔آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔اِس سب کے ذمہ دار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا دل کر رہا تھا۔کال کٹ جانے کے بعد اس نے فون ٹیبل پر زور سے پٹخا۔فون کا اسکرین پروٹیکٹر ٹوٹ گیا۔

''ڈیم اٹ!تم لوگوں سے اتنا سا کام بھی نہیں ہو سکا؟'' وہ غصے سے غرّایا اور ٹیبل پہ زور سے ہاتھ مارا۔سامنے کھڑے دو شخص سر جھکائے اس کی صلاواتیں سن رہے تھے۔

وہ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔کمرے میں فرنیچر کے نام پر چند ایک کرسیاں ہی تھیں اور ایک ٹیبل بھی۔ایک سائڈ پر لوہے کی الماریاں تھیں۔کمرے کی ساری کھڑکیاں بند تھیں۔ہوا کا گزر نہیں ہو رہا تھا۔ٹیوب لائٹوں سے وہ کمرہ روشن تھا۔

''ایک لڑکا نہیں پکڑا گیا تم لوگوں سے۔کیسے تم لوگوں کو چکما دے کر نکل گیا وہ اور تم لوگ منہ دیکھتے رہ گئے دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں جانے کے لیے کہا۔دو شخص ہنوز سر جھکائے کھڑے تھے کہ ایک نے بولنے کے لئے لب کھولے۔

''سر.....'' وہ کہنے لگا کہ اس نے شیشے کا گلاس اٹھا کر زمین پر مارا۔ کانچ کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے۔

''دفع ہو جاؤ۔said leavel'' وہ مزید غصے سے غرّایا۔ یہ تین لفظ اس نے چبا چبا کر بولے۔ سامنے کھڑا شخص ''سر'' سے آگے کچھ نہ بول سکا۔

''یس سر۔''

اسے غصے کے حوالے کر کے وہ دونوں شرمندگی سے کمرے کی چار دیواری سے باہر نکل گئے تھے۔ اپنے غصے پر قابو پانے کے لیے اس نے پانی کا ایک گلاس پیا اور دوبارہ فون اٹھا کر کال آئیکن (Icon) دبایا مگر موڈ کی خرابی کے باعث فون دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ سکرین پر ٹوٹے پروٹیکٹر کی دراڑیں نظر آ رہی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں۔ میرے دو بندوں کا بدلہ لوں گا اور تمہیں اس دنیا سے باہر بھیج دوں گا۔ ایک بار بس تم میرے ہاتھ لگ جاؤ۔'' سرگوشی سے ذرا اونچی آواز میں اس نے خود کلامی کی۔

''تم ابھی مجھے جانتے نہیں۔ میرا نام یش مہرا ہے اور یش مہرا اگر کسی کے پیچھے لگ جائے تو موت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ چاہے موت میری ہو یا تمہاری۔ ہم میں سے کوئی ایک ہی زندہ رہے گا۔'' شدتِ جذبات میں آ کر وہ نہ جانے کیا کیا کہتا گیا مگر اس سب میں اس نے ایک بات سچ کہہ دی تھی کہ ہم میں سے کوئی ایک ہی رہے گا۔

☆☆☆☆☆☆

''موسم خوشگوار ہے۔'' اس نے فون کیا اور موسم کا حال سنایا۔

''اچھی بات ہے اور اب اگر بارش ہو تو گھر میں ہی رہنا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جی، میں کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ بہتر کرے۔'' وہ بولا۔

''آمین! خدا حافظ۔ آئندہ بھی موسم کی حالت سے مجھے آگاہ کرتے رہنا۔'' اتنا کہا اور کال منقطع ہو گئی۔ یوسف نے ریسیور رکھا اور پی سی او سے باہر نکل گیا۔ اس کے پاس اپنا فون بھی تھا مگر اس نیٹرینگ کے مطابق پی سی او سے کال کرنا مناسب سمجھا۔

وہ کوئی غلطی افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

آدھ گھنٹے یوں ہی گلیوں میں پھرنے کے بعد وہ بازار تک پہنچا۔ ایسا اس لیے کہ اگر کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے تو وہ اسے چکما دے سکے۔ ایسا ممکن تھا، اسی لیے وہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔

موسم کی خوشگواری سے اس کی مراد ''حالات'' سے تھی۔ ایجنٹس عام زبان میں بات نہیں کرتے۔ وہ کوڈ میں بات کرتے ہیں جو کوئی غیر تربیت یافتہ آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بازار کی گلیوں میں بھی یوں ہی پھرتا رہا۔ سر پر پی کیپ پہنے وہ فٹ پاتھ پہ قدم اٹھا رہا تھا۔ بادلوں نے آج آسمان کو ڈھانپ نہیں رکھا تھا۔ نیلا آسمان آج صاف تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور ایسے ہی چلتے چلتے وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ

گیا۔ بازار کی رونق ویسی ہی تھی جیسے ہر روز ہوتی ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کسی کا عالم تھا۔ وہ دروازہ کھول کر کمرے میں آیا۔ کیپ اتار کر پلنگ پر رکھی اور آستینیں موڑ لیں۔ اسے ماں کی نصیحت یاد آئی۔

وضو کرنے کے بعد اس نے ایک نظر کھڑکی کے پار دیکھا جہاں ہر چیز ویسی ہی تھی۔ اس نے نماز کیلئے جائے نماز بچھایا، ''اللہ اکبر'' کہا اور نماز شروع کر دی۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

''یا اللہ! تو میرا حامی و ناصر بن جا۔ ہمیشہ کی طرح میں اس بار بھی صرف تیری ہی بارگاہ میں اپنی حاجت لے کر حاضر ہوا ہوں۔ تو میری مدد فرما اور مجھے کامیابی عطا کر۔ آمین!''

اب اسے اپنے لیے کوئی مضبوط اور محفوظ کور تلاش کرنا تھا کہ وہ جہاں رہے محفوظ رہے۔

دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے برباد کرنا تھا اور اس کام میں وائٹ ہورس بہت ماہر تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔'' خوبصورت شائستہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسز نیلم نے اپنائیت سے اظہار کیا۔

وہ سب ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے۔ بڑے صوفے پہ نیلم اور ان کے دائیں طرف شائستہ بیٹھی تھی۔ بائیں طرف مسٹر اسماعیل تھے۔ رہبر اور حارث آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان ٹیبل حائل تھا۔

شائستہ کے والدین ٹیبل کی دائیں بائیں، مخالف سمتوں میں بیٹھے تھے۔

''مبارک ہو۔'' شائستہ کی ماں نے مبارکباد دی اور ساتھ ہی مٹھائی کی پلیٹ آگے کر دی۔ ڈائٹ کانشیئس نیلم نے ذرا سا چکھا۔

''آپ کو بھی۔'' نیلم نے مسکرا کر کہا۔ ارد گرد بیٹھے اسماعیل صاحب، حارث، رہبر اور منصور صاحب نے بھی مٹھائی کھائی اور رہبر کو پیار کیا۔

''اگلی بار ہم شادی کی ڈیٹ فیکس کرنے آئیں گے مگر آپ ایک بار ہمارے گھر ضرور آئیں۔'' شائستہ کو سونے کے کڑے پہناتے ہوئے نیلم نے کہا۔

''ہاں جی ضرور۔'' اسماء صاحبہ نے جواب دیا۔

دور کھڑے رہبر کی نظریں بار بار شائستہ کے خوبصورت چہرے پر ٹک جاتی تھی۔ وہ جو سر پر ڈوپٹہ لیے، نظریں جھکائے، نرم مزاج والی لڑکی اپنے اوپر پڑنے والی نظروں کو محسوس کر سکتی تھی، پلٹ گئی۔ رہبر کو شرمندگی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنی شرٹ کی نہ دیدہ سلوٹ درست کی۔

''مجھے اس پر ترس آ رہا ہے۔'' حارث نے رہبر سے کہا۔

''ہاں.....'' اس نے لمبا سانس خارج کیا۔

''اتنی خوب صورت ہے اور اسے تم مل رہے ہو۔ بیچاری۔'' حارث نے افسوس سے کہا۔

''کیا کریں اب؟ یہ تو ہوگا۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر موبائل پر انگلیاں چلانے لگا۔اسماعیل فیملی ان سے ملنے کے بعد گاڑی میں بیٹھے۔نیلم نے چھوٹتے ہی کہا۔

''اف کتنی خوبصورت ہے پر اسے پھر بھی رہبر ہی مل رہا ہے یا پھر شاید یہ رہبر کی خوش قسمتی ہے کہ اسے شائستہ جیسی خوب صورت لڑکی مل رہی ہے۔ہائے.....''اس نے لمبی سانس کھینچی۔

''بیچاری۔''نیلم نے رہبر کو کہنی مارتے ہوئے بات میں اضافہ کیا۔

''اب میں اتنا بھی گیا گزرا نہیں کہ آپ سب ایسے کہہ رہے ہیں۔میں بھی ہینڈسم ہوں۔''اس نے خفگی سے کہا۔

''مذاق.....رہبر اور تم ہماری بات کا مطلب بخوبی جانتے ہو۔'' گاڑی چلاتے حارث نے رہبر کو باور کروایا۔

''ہاں وہ تو میں جانتا ہوں واقعی وہ خوبصورت سی بیچاری ہے۔پُور گرل۔صبر کرلے یا پھر.....''وہ کہتے کہتے رکا۔کار میں بیٹھے سب کے قہقہے بلند ہوئے۔رات ہو چکی تھی۔آسمان پر کالے بادل جمع تھے۔شاید بارش ہونے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح نے پھر سے رات میں ہونے والی بارش کا مزہ خراب کر دیا تھا۔جدید طرز سے بنے دو منزلہ جہانگیر ہاؤس کے ایک کمرے میں ایمان جہانگیر نے زور سے بجتے الارم کو بند کیا اور اٹھ بیٹھی۔بالوں کو جوڑے میں سمیٹا اور فریش ہونے چلی گئی۔چینج کرنے کے بعد نیچے آئی اور اونچا سا سلام کیا۔جہانگیر ہاؤس ایک کشادہ گھر تھا۔داخلی دروازہ کے ساتھ سیڑھیاں بنیں تھیں جو اوپری منزل تک جاتی تھیں۔سامنے لاؤنج تھا۔دائیں طرف کچن تھا اور کچن کے ساتھ بیٹھک تھی۔لاؤنج کی بائیں طرف بیڈ رومز بنے تھے۔وہ کمرے سے باہر آئی تو کچن میں امی ناشتہ بنا رہی تھیں اور چھوٹا بھائی ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ اسکول کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ملٹی ٹیلنٹڈ بچے۔

''واہ! آج شہزادی صاحبہ جلدی اٹھ گئی ہیں یا پھر میں لیٹ اٹھی ہوں؟''سلمہ صاحب نے بیٹی کو چھیڑا۔

''امی پلیز ناں.....''ایمان نے تھکے لہجے میں کہا۔

مائیں بھی صبح صبح طعنے دینے لگ جاتی ہیں۔

''اگر آج میں جلدی اٹھ ہی گئی ہوں تو اچھی بات ہے ناں۔You should appreciate me''ایمان نے امی کے چھیڑنے کا جواب ایک ادا سے دیا جس پر وہ مسکرا اٹھیں۔

''ہاں جی.....بہت ہمت ہے ہماری بیٹی کی۔'' کہتے ساتھ انھوں نے ناشتہ اس کے سامنے رکھا۔ایمان نے کھانا شروع کر دیا۔

''ویسے آج کیوں جلدی اٹھی ہو،خیریت ہے؟ آج تو تم نے آفس سے چھٹی لی تھی تو پھر کیوں؟''امی نے سوال کیا۔

''جی وہ آج مسٹر شیرازی کے ساتھ میٹنگ ہے اس لیے۔آپ کو پتہ ہے ناں وہ اسی ٹائم میٹنگ کرتے ہیں۔''شیرازی کے نام پر اسے عمر شیرازی یاد آیا جس پر اس نے سر جھٹکا۔دروازے پر ہارن کی آواز آئی تو اسد سلام کر کے سکول کے لیے نکل گیا۔

''وہ مجھے جاب کا کہہ رہے ہیں۔''اس نے بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا۔سلمہ صاحبہ نے خوشی سے اسے دیکھا۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔تم نے پھر کیا کہا؟''انہوں نے سوال کیا۔

''میں کنفیوژ ہوں۔میں اپنا سیٹ اپ کیسے مینج کروں گی پھر؟ میں انکار کردوں گی۔''اس نے جیسے فیصلہ سنایا۔

''پاگل لڑکی یہ تمہارے لیے اچھا موقع ہے۔اس سے تمہاری کمپنی کی ویلیو بڑھے گی کہ تم شیرازی گروپ کے ساتھ کام کرتی ہو۔''انہوں نے بیٹی کو مشورہ دیا۔ایمان نے محض سر ہلایا مگر وہ اب بھی کنفیوز ہی تھی۔امی کی بات ٹھیک تھی۔ناشتہ کرنے کے بعد وہ گاڑی میں شیرازی ایمپائر کی بلڈنگ کی طرف جاتے راستے پر نکل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

ویسی ہی صبح ایک دفعہ شیرازی فیملی پر بھی آئی تھی۔شیرازی ہاؤس کے لان کی سبز گھاس پہ پانی دھوپ پڑنے سے چمک رہا تھا جیسے شبنم ہو۔لان کی دو طرف، دیوار کے ساتھ پودے لگے تھے۔تراشیدہ.....خوبصورت پودے.....جو لان کو پرکشش بنائے ہوئے تھے۔بڑے سے پورچ کے اختتام پر لکڑی کا دروازہ لگا تھا۔داخلی دروازہ.....جو گہرے بھورے رنگ کا تھا۔ٹی وی لاؤ نج کی بائیں جانب بیڈ روم تھے جو جدید طرز سے آرائش شدہ تھے۔دائیں جانب ڈائینگ روم تھا جہاں وہ سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ تناول فرما رہے تھے۔جنت مسکراتی نظروں کے ساتھ اپنے سامنے بیٹھے ناشتہ کرتے مراد کو دیکھ رہی تھی۔عامر شیرازی نے بیگم کو دیکھا اور اس کی نظروں کا تعاقب کیا جو مراد پر ٹکی تھیں،جس پر وہ بھی مسکرا دیئے۔ناشتہ کرنے کے بعد اس نے نیپکن سے منہ صاف کیا وہ ایک نظر ماں باپ کو دیکھا۔وہ دونوں ہنوز مسکرا رہے تھے۔

''آپ دونوں کیوں مسکرا رہے ہیں؟''مراد نے ان سے پوچھا۔

''تمہیں دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔''جنت نے جواب دیا۔

''کیوں آج میں زیادہ پیارا لگ رہا ہوں؟''اٹھارہ انیس سالہ مراد نے شرارتی مسکراہٹ دکھاتے ہوئے کہا۔

''تم ہمیں کب پیارے نہیں لگتے؟''جنت نے پیار بھرے لہجے میں جواب دیا۔

عامر وہاں بیٹھے تھے۔خاموش.....خاموش تماشائی.....

''وہ تو ہے۔''مراد نے پھر شرارت سے کہا جس پر عامر ہلکا سا ہنس دیے۔مراد نے ان کی طرف دیکھا۔

''ڈیڈ.....آپ کیوں چپ ہیں؟''اس نے سوال کیا۔

''نہیں.....۔ویسے ہی سوچ رہا تھا کہ تم اب کالج جا رہے ہو،وہاں ہی رہو گے۔''انہوں نے اپنی فکرمندی ظاہر کی۔

''ڈیڈ آپ پریشان نہ ہوں۔میں اپنا خیال رکھوں گا۔''مراد نے انہیں پرسکون کرنا چاہا۔

''گڈ.....اچھی بات ہے۔اپنا بھی خیال رکھنا اور اس کا بھی جس کے لئے تم وہاں جا رہے ہو۔''انہوں نے اسے سمجھایا۔

''جی ڈیڈ۔میں اپنا بیسٹ دوں گا۔''وہ ایک عزم سے بولا۔

اس کے بعد وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا اس کے جانے کے بعد جنت نے عامر سے مراد کے حوالے سے کچھ باتیں کیں۔
اتنے میں نوجوان مراد اپنے سامان سمیت واپس آیا۔ ان دونوں نے اٹھ کر اسے پیار کیا اور باتیں کرتے کرتے وہ پورچ تک آ گئے۔
مراد کی گاڑی وہاں تیار کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے اسے دیکھ کر دروازہ کھول دیا اور ملازم اس کا سامان ڈِگی میں رکھنے لگے۔
''سب سے زیادہ ضروری کام جانتے ہو؟'' جنت نے مراد سے سوال کیا۔
''صبح جلدی اٹھنا، کلاس لینا، ٹائم پر کھانا کھانا، جلدی سو جانا اور کسی سے کچھ لے کر نہیں کھانا.....'' اس نے باتوں کی ایک لمبی فہرست بیان کر دی۔ جنت اور عامر اس کے انداز پر ہنس دیے۔
''اس سے بھی زیادہ؟'' جنت نے کہا۔
''ذہن میں نہیں آ رہا ابھی.....'' اس نے سر کھجایا۔
''نماز اور قرآن۔'' جنت نے پرسکون انداز میں کہا اور مسکرا دیں۔
"جی مام۔" وہ بھی مسکرا کر بولا۔
''چاہے جو مرضی ہو ہمیشہ نماز پڑھنا اور قرآن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔'' جنت نے مراد کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اپنائیت سے کہا۔ ڈرائیور کو ہدایات دیتے عامر واپس ان دونوں کی طرف آئے اور مراد کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''نماز میں تم اللہ سے سوال کرنا اور اللہ قرآن سے تمہیں اس کا جواب دے گا۔'' جنت کہہ رہی تھی جس پر عامر اور مراد مسکرا دیئے۔ مراد ان دونوں سے ملا اور چلا گیا۔
''اللہ کی سپرد۔'' جنت اور عامر نے ایک ساتھ کہا۔ وہ دونوں گھر کے اندر آ گئے اور مراد کی گاڑی روڈ پر اپنے ٹائر گھما رہی تھی۔
وہ دونوں لاؤنج میں آ گئے۔ عامر نے جنت کی آنکھوں میں نمی تیرتی محسوس کی۔
''تم کیوں رو رہی ہو؟'' عامر نے پریشانی سے پوچھا۔
''بس ایسے ہی۔'' وہ سر جھکائے بولی۔ وہ اپنا بھیگا چہرہ عامر کو نہیں دیکھا سکتی تھی۔ عامر نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا جس پر جنت بے قابو ہو گئی۔
''جنت.....'' عامر نے اسے صوفے پر بٹھایا۔
''اب اگر اپنا خواب پورا کرنا ہے تو ہمت کرو۔'' عامر نے جنت کو کئی سال پہلے دیکھا جانے والا خواب یاد کروایا۔
''کر رہی ہوں۔'' اپنے چہرے کو ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔
''میں آتی ہوں۔'' وہ کام کا بہانا کرتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔
عامر وہیں بیٹھے بیٹھے ذہن کے خانوں میں بیتے کل کا منظر تلاش کر رہے تھے۔
رات کو اپنے عروج پر آنے کے لیے ابھی تھوڑا سفر کرنا تھا۔

اس رات وہ دونوں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ باقی گھر والے بھی اپنے اپنے کمروں میں چھوٹی سکرینوں کی زنجیروں میں قید تھے۔ ٹی وی دیکھتے دیکھتے شجاع صاحب نے اپنے ساتھ بیٹھے نوجوان عامر کو مخاطب کیا۔

''عامر تم نے کیا سوچا ہے آگے کا؟'' وہ عامر سے اس کے کریئر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

''ڈیڈ..... میں..... پائیلٹ بننا چاہتا ہوں۔'' اس نے ہمت جمع کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ شجاع صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ طیش میں آ گئے جیسے عامر نے کوئی ان ہونی بات کر دی ہو۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟'' وہ غصے سے بولے۔ عامر کا حوصلہ پست ہوا پر وہ شجاع صاحب جیسے غصیلے مرد کے سامنے مضبوط ہی رہا۔

''سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے بہت شوق ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''اپنی بکواس بند کرو تم۔ تم پائیلٹ بنو گے تو میرے اتنے بڑے بزنس کو کون سنبھالے گا؟'' وہ مزید غصے میں بولے جیسے چیخ رہے ہوں۔ ان کے اس طرح بولنے پر فائزہ بیگم کمرے سے باہر آئیں مگر وہ بھی شجاع صاحب کے سامنے کچھ نہ بول سکیں۔ وہ خاموشی سے کھڑی رہیں۔

''ڈیڈ پر.....'' عامر نے کچھ کہنا چاہا۔

''ہرگز..... ہرگز، ایک لفظ بھی مت نکالنا منہ سے اور کان کھول کر سن لو۔ آئندہ اس پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم میری دن رات کی محنت پر پانی ڈالنا چاہتے ہو؟ میرے جیتے جی یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دونگا، سنا تم نے؟ میں شیرازی امپائر (Empire) کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ تم آگے برنس پڑھو گے اور پڑھائی کے فوراً بعد آفس آؤ گے۔ فائینل۔ اب مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔'' انہوں نے عامر کی بات کاٹ کر اپنی کہی۔

''ڈیڈ.....'' عامر نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

''میں کہا نا اب اس معاملے پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔ پائیلٹ بننا ہے۔'' انہوں نے طنزاً کہا۔ عامر غم و غصے کی حالت میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فائزہ بیگم وہیں رہ گئیں۔

ماں باپ بھی بعض دفعہ زیادتی کرتے ہیں۔ اولاد کی زندگی خود جینا چاہتے ہیں۔ اپنی پسند کا کھانا، کپڑے اور اپنی پسند کی پڑھائی کرواتے ہیں۔ اس سب میں وہ یہ نہیں سوچتے کہ زبردستی کے فیصلے اولاد اور والدین کے درمیان فاصلے لے آتے ہیں۔ اولاد اپنا مان کھو دیتی ہے، اعتماد کھو دیتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ چڑنے لگ جاتی ہے۔ اسے پرواہ نہیں رہتی، وہ خودسر ہو جاتی ہے اور اس میں غلطی انہی کے خودسر والدین کی ہوتی ہے۔

''عامر..... عامر۔'' جنت کی آواز نے عامر کو دوبارہ حال میں واپس آنے کو کہا۔

''آفس نہیں جانا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''جا رہا ہوں آخر شیرازی ایمپائر کا مالک جو ہوں۔'' آخری بات اس نے تلخی سے دل میں سوچی اور جنت کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی

دوڑاتا ہوا اونچی عمارت کی پارکنگ میں لے آیا۔

بیڈ پہ بیٹھے عامر بیتے کل کو یاد کر رہے تھے جب مراد کالج گیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں عامر؟'' جنت نے گہری سوچ میں گم عامر کو مخاطب کیا۔

''کچھ نہیں۔بس وہ دن یاد آ گیا جب مراد کالج گیا تھا۔ مجھے اس دن اپنا ٹائم بھی یاد آیا تھا جب میں نیڈ یڈ سے کہا تھا کہ مجھے پائیلٹ بننا ہے اور انہوں نے اسی وقت میرے خواب کو چکنا چور کر دیا تھا۔آخر میری زندگی کہ سارے فیصلے انہوں نے کیوں کیے؟ ماں یا باپ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ اولاد سے فیصلے کا حق ہی چھین لیا جائے؟'' عامر سخت غم زدہ لگتے تھے آخر ان کا سب سے بڑا خواب ٹوٹا تھا۔

''چھوڑیں عامر۔کیا فائدہ اب یہ سب سوچنے کا؟ آپ خوش رہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ یہ نہیں کیا۔اسے اس کی زندگی کے فیصلے خود کرنے دیجیے۔''

جنت نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے عامر کو تسلی دی۔عامر نے اثبات میں سر ہلایا۔

بوجھل اور ہلکے دل کے ساتھ وہ سو گئے۔

خواب ٹوٹ جاتے ہیں

زندگی بکھر جاتی ہے

☆☆☆☆☆☆

''سر فصل جل گئی ہے۔''

''اوہو.....ایسا کرو اب کسانوں کو بھی کچھ کھلا دینا۔''

''او کے۔'' دو ممالک کے درمیان سفر کرتے سگنلز کو موبائل اسکرین پر لال بٹن دبا کر فضا میں ہی چھوڑ دیا۔ایجنٹ بلٹ اپنے کارنامے کی اطلاع کرنل وِنود کو دے رہا تھا۔پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ہونے والے دھماکے کی خبریں تمام میڈیا چینلز پر چل رہی تھیں۔

''افسوس کے ساتھ بتاتے چلیں گے کراچی کے ایک مشہور شاپنگ مال میں دہشت گردی کی ایک.....'' رپورٹر کہہ رہی تھی مگر بلٹ نے اس کی ساری بات سنے بغیر ٹی وی بند کر دیا۔وہ اس بات سے پہلے ہی باخبر تھا۔آخر اس سب کے پیچھے اسی کا ہی تو ہاتھ تھا۔

وہ کمرے میں اکیلا بیٹھا اپنی ہی ایک اور جیت کا جشن منا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

فٹ پاتھ پہ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے چل رہا تھا۔سورج کی گرمی عروج پہ تھی۔راستے میں چلتے ہوئے اس کے فون پر ہلکی سی وائبریشن ہوئی۔اس نے چلتے چلتے جیب میں سے فون نکالا اور میسج پڑھا۔میسج دیکھ کر وہ اس انداز میں مسکرایا، جیسے اس نے کمر کس لی ہو۔

''Get ready white horse'' میسج میں لکھا تھا۔

اپنی دھن میں چلتے ہوئے اسے ایک لڑکا نظر آیا۔ وہ چودہ پندرہ سال کا لڑکا تھا۔ وہ سڑک پار کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ کئی بار ناکامی کا سامنے کرنے کے بعد وہ واپس فٹ پاتھ تک آ گیا اور رش کم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچا اور اس نے فٹ پاتھ سے نیچے قدم رکھا۔ دو قدم چل کر وہ رک گیا اور بجائے اس کے کہ وہ پیچھے ہٹے، وہیں کھڑا رہا۔ تیز رفتار گاڑی زناٹے سے اس کے بالکل پاس سے گزر کر آگے چلی گئی۔ لڑکا اس سے ٹکرا جاتا اگر وہ بروقت اسے کھینچ کر پیچھے نہ کر لیتا۔ لڑکا زمین پر گرا اور ساتھ وہ بھی۔ لڑکا سہما ہوا تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' چھبیس ستائیس سالہ لڑکے نے اس سے پوچھا۔

''ہاں.....'' گرنے کے باعث اسے چوٹ آئی تھی۔ اسنے درد بھرے انداز میں کہا۔

''دھنواد (شکریہ)۔'' ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، جان بچانے والے کا شکریہ ادا کیا اور اپنے بیٹے کو اٹھانے لگا۔

''یہ میرا فرض تھا۔'' یوسف نے کہا اور ساتھ ہی ایک کراہ نکلی۔ اس نے اپنے بازو پر ہاتھ رکھا وہاں سے رگڑ کے باعث خون بہہ رہا تھا۔

''اوہ! تمہیں زیادہ چوٹ آئی ہے لڑکے۔'' ان صاحب نے اپنے بیٹے کو اٹھاتے ہوئے اس کے زخم کو دیکھا۔

''کوئی نہیں انکل، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے ہمت سے کہا۔

''نہیں، تم میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو۔'' انہوں نے اس کی خودداری کو بھانپتے ہوئے پیش کش کی جس پر وہ چہرے پر ڈھیروں تکلیف کا عنصر نمایاں کیے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''میرا نام اکاش شرما ہے۔ میں ریٹائرڈ انڈین آرمی آفیسر ہوں۔'' انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

''یہ میرا بیٹا روہن ہے۔'' انہوں نے بات جاری رکھی اور لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وائٹ ہورس نے سر ہلایا۔

''میرا نام ویوان ہے۔ میں یہاں جاب کی تلاش میں آیا ہوں۔ میں ادھے پور سے ہوں۔'' وائٹ ہورس نے بھی جواب میں اپنا تعارف کروایا چاہے جعلی ہی سہی.....

''تو جاب ملی؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''تلاش جاری ہے۔'' اس نے سرسری سا جواب دیا۔ اس کے انداز میں تھکن تھی۔

''آج کل کہاں رہ رہے ہو؟'' انہوں نے دوسرا سوال کیا۔ وہ ایسے سوال کر رہے تھے جیسے انہیں اپنا کوئی پرانا دوست مل گیا ہو اور وہ اس سے اس کے ٹھکانے کا پوچھ رہے ہوں۔

''دو دن کے لیے ایک کمرہ کرائے پر لیا ہے۔ آج دوسرا دن ہے تو آج کمرہ خالی کرنا پڑے گا۔ آگے دیکھیں کہاں جاتا ہوں۔'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

گاڑی سڑک کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

''تم نے میرے اکلوتے بیٹے کی جان بچائی ہے میں تمہیں بدلے میں کچھ دینا چاہتا ہوں۔تم میرے پاس جاب کرو اور میرے گھر میں بنی انیکسی میں رہ بھی سکتے ہو۔''انہوں نے شکر گزاری سے پیش کش کی۔

''نہیں انکل.....''اس نے ایک دو بار مروّتاً انکار کیا مگر وہ بضد تھے۔وہ مان گیا آخر وہ بھی تو یہی چاہتا تھا۔

''دھنواد۔پر آپ بس مجھے رہنے کے لئے ایک کمرہ دے دیں۔جاب میں خود تلاش کرلوں گا۔ابھی مجھے جگہ کی زیادہ ضرورت ہے۔''اس نے سر جھکایا۔اتنے میں کلینک آ گیا۔وہ سب گاڑی سے اترے اور بیس منٹ بعد وہ پٹی کروا کر باہر آ گئے تھے۔

اس کے بعد وہ اکاش شرما کے ساتھ اپنے ٹھکانے تک گیا جو بازار کے بیچ و بیچ تھا۔بازار میں رش عروج پہ تھا۔لوگ ایک دوسرے کو دھکے دے کر آگے بڑھ رہے تھے۔ایسے میں وہ بھی لوگوں کے درمیان راستہ بناتا ہوا اپنے ٹھکانے تک پہنچ گیا۔اکاش شرما اپنی گاڑی میں دو گلیاں دور بیٹھے تھے کہ مہنگی گاڑی بازار میں نہیں جا سکتی تھی۔پانچ منٹ بعد وہ سامان لے کر گاڑی تک آ گیا،اپنا سامان رکھا اور گاڑی شرما ہاؤس کی طرف جاتے راستے پر چل پڑی۔

سفید گھوڑے کو اپنا Cover (دشمن کا وہ علاقہ جہاں ایجنٹس رہتے ہیں اور وہ جگہ محفوظ ہوتی ہے) مل گیا تھا۔وہ اس طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔اب اسے وہ کام کرنے تھے جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا اور وہ یہ سب اسی وقت سے شروع کرنے والا تھا۔

وہ ایکسیڈینٹ.....وہ چوٹ.....وہ بچاو؟.....وہ انیکسی کا کمرہ.....یہ سب کچھ بنائے گئے پلان کے مطابق ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

باب سوئم

خوشبو

اسلام آباد کی ایک بلڈنگ کے ایک فل لگژری روم میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔اے سی نے کمرے کے درجہ حرارت کو خاصا کم کر دیا تھا۔وہ ایک کشادہ کمرہ تھا اور جدید تراش خراش سے سجایا گیا تھا۔کھڑکی کی مخالف سمت میں ایک بھاری ٹیبل، آفس چیئر اور مہمانوں کے لیے دو کرسیاں رکھی تھیں۔دوسری دیوار پہ لکڑی کی ایک الماری بنی تھی جو ای ڈی کے لیے بنائے گئے لکڑی کے ڈیزائن سے ملحقہ تھی۔وہاں ایل ای ڈی بھی لگی تھی۔دو صوفے بھی کمرے کے فرنیچر کا حصہ تھے۔آفس روم فرنیچر۔

ہمیشہ کی طرح بیل باٹم پر گھٹنوں تک آتا ٹاپ پہنے، گردن میں اسکارف لپیٹے، بالوں کی پونی ٹیل بنائے اور چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیے وہ کرسی پر بہت شان سے بیٹھی تھی۔سربراہی کرسی پہ بیٹھے عامر شیرازی نے فون رکھا اور ان کے سامنے بیٹھی ایمان جہانگیر سے مسکرا کر سلام کیا جس کا جواب بھی مسکراہٹ سے دیا گیا۔

''تو کیا تم نے فائنل کر لیا بیٹا؟'' عامر شیرازی نے پوچھا۔

''سر میں کنفیوز ہوں۔میں آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں مگر.....'' وہ ذرا رکی۔''میرا ابھی چھوٹا سیٹ اپ ہے، مجھے وہ بھی ہینڈل کرنا ہے۔'' اس نے پھر بات جاری کی۔

''بیٹا تم فکر مت کرو۔ہم تمہاری اس کمپنی کو اون (own) کرنے کے لیے تیار ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کام کرو۔تم اب تک مجھے سب سے سنجیدہ لڑکی لگی ہو جس کا کچھ ایم (Aim) ہے۔'' وہ کہہ رہے تھے اس دوران دروازہ کھلا اور مراد شیرازی اپنے باپ کی ''تم سب سے سنجیدہ لڑکی ہو'' پر حیران ہوتا اندر آیا۔

عامر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔کالی لائننگ والی سفید ٹی شرٹ پر بھورے رنگ کا کوٹ اور اسی رنگ کی پینٹ پہنے وہ بہت سحر انگیز لگ رہا تھا۔وہ ایمان کے ساتھ رکھی کرسی کو ذرا فاصلے پر کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ایمان نے اس پر سرسری سی نظر ڈالی اور عامر کی طرف متوجہ ہو گئی۔مراد کے ذہن میں ابھی تک ''تم سنجیدہ ہو'' کے الفاظ گونج رہے تھے۔

وہ ایک گھنٹہ پہلے ہونے والے منظر کو یاد کرنے لگا۔

''ہیلو مسٹر.....عقل وقل نہیں ہے تم میں کیا؟ جب گاڑی چلانی نہیں آتی تو سڑکوں پر کیوں لے کر آتے ہو؟'' وہ غصے سے گاڑی سے اتری اور ایک آدمی پر برس پڑی۔

''میری غلطی ہے یا تمہاری۔؟ مجھے چلانی آتی ہے اور تم خود جا کر پہلے رولز پڑھ کے آؤ کہ جب ٹرن لینا ہوتا ہے تو پہلے انڈیکیٹر لگاتے ہیں۔'' وہ بھی گاڑی سے اترا اور غصے سے بولا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھی۔

''اللہ اللہ۔ کتنی زبان چلتی ہے تمہاری؟ جب میں ایک سائیڈ پر چل رہی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ میں نے اسی طرف مڑنا ہے۔ بندہ ذرا عقل سے کام لیتا ہے۔'' وہ بھی اسی طرح غصے سے بولی۔

''واہ! نئی سائنس آئی ہے یہ تو۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تم نے سیدھا جانا ہو۔ انڈیکٹر خود نہیں لگایا اور مجھے سمجھانے آ گئی ہے۔ چلو میڈم چلتی بنو۔'' اس نے ایمان کو اس کی غلطی بتائی مگر وہ ماننے کو تیار نہیں تھی حالانکہ وہ جان گئی تھی کہ غلطی اسی کی ہے مگر وہ خود کو اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔

''تمیز نام کی چیز نہیں ہے قسم سے۔ ایک لڑکی سے ایسے بات کرتے ہیں؟'' اس نے بات کا رخ بدلا۔

''تو محترمہ خود بہت تہذیب سے بات کر رہی ہیں ناں۔ پلیز ہٹو اور مجھے جانے دو۔ میں ویسے بھی 'آپ' کی وجہ سے لیٹ ہو رہا ہوں۔'' اس نے ''آپ'' پر زور دے کر کہا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگا۔

''میری وجہ سے یا اپنی عقل استعمال نہ کرنے کی وجہ سے؟ اور میں نے تمہاری گاڑی کی چابی تو نہیں پکڑی ہوئی جو تمہاری گاڑی سٹارٹ نہیں ہو رہی اور تم جا نہیں سکتے۔ خوبصورت لڑکی دیکھ کر ویسے ہی تم جیسے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔'' اس کا غصہ اور ایٹیٹیو د ہنوز قائم تھا۔

''خوبصورت لڑکی؟ کون ہے؟ کہاں ہے؟ ویسے انسان کو اتنا بھی سیلف اوبسیشن کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ پاگل.....'' وہ کہتے ہی گاڑی میں بیٹھا اور اسے آگے اڑا لے گیا۔ ایمان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''پاگل تم ہو گے، تمہارا خاندان ہو گا اور اندھے بھی ہو۔ میری خوبصورتی نظر نہیں آ رہی.....'' وہ پیچھے سے چیخ رہی تھی اس کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھی اور شیرازی امپائر کی طرف چل پڑی۔

ان دونوں سے ذرا پیچھے مراد شیرازی اس منظر کو خوب انجوائے کر رہا تھا۔ وہ ایک بار ایمان کو پاگل سی دیکھتا اور اگلی ملاقات میں سنجیدہ۔

وہ لڑکی پراسرار تھی یہ اس کی گہری آنکھیں بتاتی تھیں۔

''بہت شکریہ آپ کا۔ میں کل سے جوائن کر لوں گی۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی کرسی گھسیٹنے کی آواز سے مراد کا ذہن واپس آیا۔ ایمان خدا حافظ کہہ کر پلٹ گئی۔

''مس ایمان۔ یور موبائل۔'' مراد نے اسے آواز دی اور موبائل اس کی طرف بڑھایا جس سے اس نے ''تھینکس'' کے ساتھ پکڑ لیا۔ مراد کی مسکراہٹ ہنوز تھی۔ عامر شیرازی سربراہی کرسی پر بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ شام دیکھنے میں تو بہت خوش نظر آتی تھی کیونکہ اس کے پیچھے چھپے رازوں سے کوئی واقف نہ تھا۔ گھر کے چھوٹے سے باغ میں سجی اس محفل نے سب کے چہروں پر خوشیاں بکھیری ہوئی تھیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا یہ چند افراد کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ باقی سب کی طرح وہ بھی.....لاعلم.....تھی۔

ایسے میں اس باغ کے وسط میں باغ کو چیرتے ہوئے ریڈ کارپٹ پر وہ سرخ جوڑے میں سجی ہوئی آ رہی تھی۔ رہبر کی نظریں اٹھیں اور اٹھی رہ گئیں۔ نرم مزاج سی شائستہ کسی پری کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔ رہبر تعریف کیے بنا رہ نہ سکا۔

''آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔''اس نے شائستہ کو پہلی بار مخاطب کیا تھا۔''میں نے اتنی حسین دلہن کبھی نہیں دیکھی۔''اس نے دھیرے سے سرگوشی کی۔ شائستہ نے مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ کہا۔

تصویریں.....خوشیاں..... چہکتے چہرے.....اپنائیت بھرے انداز.....دو خوبصورت نفوس.....وہاں سب کچھ تھا اگر کچھ نہیں تھا تو وہ''علم''تھا۔

رخصتی کا وقت قریب آ چکا تھا۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

''کیا تم لوگ اتنے غافل ہو کہ ایک بندہ آیا اور اس نے تمہارے دو ساتھی مار دیے، اپنے لئے گھر ڈھونڈ لیا اور اس میں بغیر کسی خوف کے رہ بھی رہا ہے۔''چھ لوگوں کی میٹنگ سیشن میں وہ غصے سے بولا۔ وہ سب بڑے سے میز کے گرد جمع تھے۔ یہ ان کا میٹنگ روم تھا۔

''اور اب تک اس نے اپنا آدھا کام کر بھی لیا ہوگا۔ میں تم لوگوں کو بتا رہا ہوا گر ہماری کوئی انفارمیشن لیک ہوئی نا تو تم لوگ اُس دن اپنے پیروں پر نہیں جا سکو گے۔''اس نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ سب اسی کی طرف متوجہ تھے اور ٹینشن میں بھی کہ مبادا ہماری انفارمیشن کہیں لیک نہ ہو جائے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی وہ سب سربراہی کرسی پر بیٹھے یش مہرا کو دیکھ رہے تھے جو غصے میں انگلیاں آپس میں پھنسائے دوسری جانب دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

ایک لمحے میں اسے اپنا ماضی یاد آ گیا جب وہ بھی.....اسی جگہ کھڑا تھا۔ وہ جگہ کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے پیاروں کو کھو دینا کسی انسان کے لئے عام بات نہیں ہوتی ہاں لیکن انسان اگر درندگی پر اتر آئے تو علیحدہ بات ہے۔

''تمہاری دی گئی انفارمیشن سے ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے۔ ہم نے ان کے تین جاسوس پکڑے ہیں۔ ہم ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ تم نے اپنا کام اچھے طریقے سے کیا ہے۔We are proud of you''اس نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور بلٹ کے چہرے پر خوشی کے اثرات نمایاں تھے کہ آج اس نے اپنے ملک کو اپنے دشمن کے اگلے وار سے آگاہ کیا تھا۔

لمحے بھر کے اس سفر کو اس نے سر جھٹک کے ختم کیا۔ وہ واپس آ چکا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا۔ وہ پانچ لوگ اسی طرح بیٹھے

تھے۔اس نے موبائل اٹھایا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔اس کی تائید میں وہ سب کھڑے ہو گئے۔چہرے پر ڈھیروں سنجیدگی لیے اس نے جاتے جاتے سب کو انگلی اٹھا کر وارن کیا۔''تم لوگوں سے اگر اب کچھ نہ ہوا تو دفع ہو جانا یہاں سے۔آئندہ اپنی شکلیں نہ دکھانا مجھے۔'' وہ کہہ کر چلا گیا وہ سب شرمندہ چہروں سے اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

''چلیے اماں جلدی کریں لیٹ ہو رہے ہیں پھر ٹائم زیادہ لگے گا تو پھر آپ مجھے ڈانٹیں گیں ایمان یہ،ایمان وہ حالانکہ میری.....''

''اف آپی.....کتنا بولتی ہیں آپ۔تھوڑا کم بولا کریں۔'' پیچھے بیٹھے اسد نے ایمان کی بات کاٹی جس پر ایمان طیش میں آ گئی۔

شام کے چار بج رہے تھے۔دھوپ کی شدت خاصی کم ہو گئی تھی۔آج وہ شاپنگ کرنے مارکیٹ جا رہے تھے۔ایمان کی کل سے شیرازی ایپائر میں جو ائینگ تھی تو وہ آج ہی تیاریاں مکمل کرنا چاہتی تھی۔گھر کے پورچ میں ایمان اور اسد گاڑی میں بیٹھے لڑنے کو تیار تھے۔

''بدتمیز لڑکے.....شرم نہیں آتی؟ آٹھ سال بڑی بہن کو ایسے کہہ رہے ہو۔خود کی تو جیسے زبان چلتی ہی نہیں ہے نہ اور مجھے کہہ رہے ہو کہ کم بولا کریں۔'' وہ غصے سے بولی اور تھوڑا پیچھے ہو کر اس کو ایک چپت لگائی۔

''آپی بندہ.....''اس نے بس اتنا کہا کہ سلمہ صاحبہ نے آ کر اس کی بات کاٹی۔

''اسد بس کرو۔''انہوں نے گھور کر اسد کو کہا اور اندر بیٹھ گئیں۔

''اماں آپی بھی تو اتنا بول.....''اسد نے جملہ ادھورا چھوڑا اور موبائل پر مصروف ہو گیا جس پر ایمان نے مڑ کر کر اسے ایک زوردار گھوری سے نوازہ۔اسد نے سر جھٹکا۔

''تمہیں میں آ کر بتاتی ہوں۔ابھی گاڑی چلانے دو۔'' وہ کہہ کر ڈرائیونگ کے لیے تیار ہو گئی۔گاڑی چل پڑی اور ایمان نے اس بار کوئی غلطی نہیں کی تھی جیسے انڈیکیٹر استعمال نہ کرنا.....

بیس منٹ بعد وہ ایک بڑے سے شاپنگ مال کے سامنے موجود تھے۔گاڑی پارک کر کے وہ تینوں گاڑی سے اترے اور اندر جانے لگے۔

''اسد آپی سے اتنا نہ لڑا کرو۔وہ ایک دو سالوں کی مہمان ہے ہمارے گھر۔''سلمہ نے بیٹے کو پیار سے سمجھایا جس پر ایمان نے حیرت زدہ سی نگاہیں ماں پر جمائیں۔

''کیا ہوا؟ کیا ایک دو سال میں میں مرنے لگی ہوں؟''ایمان نے حیرت سے سوال کیا۔

''اللہ سے ڈرو۔ہمیشہ اول فول بکنا ہے۔میرا مطلب تھا کہ تمہاری شادی کر دینی ہے ناں اب میں نے۔''انہوں نے پہلا جملہ خفگی سے کہا اور باقی کا جملہ نرمی سے کہا جس پر ایمان چونک ہو گئی۔

شادی کا فیصلہ بہت بڑا فیصلہ ہوتا ہے۔یہ ایک جوّا ہے یا تو آپ جیت جاتے ہیں یا سامنے والا۔اس میں جیتنے کے لیے آپ کو

قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ہے تا کہ یہ رشتہ کامیاب ہو سکے ورنہ ہارنا.....وہ تو بہت آسان ہے۔ہلکی سی کوتاہی تین لفظوں سے بنے اس مضبوط رشتے کو تین ہی لفظوں سے توڑ دیتی ہے۔یہ کانچ ہے۔

وہ شاید ابھی راضی نہیں تھی یا ذہنی طور پر تیار نہیں تھی اسی لیے وہ کچھ نہیں بولی۔

''اوہو.....آپی بلش کر رہی ہیں۔''اسد نے ایمان کو چھیڑا۔سلمہ نے مسکرا کر ایمان کو دیکھا۔

''جی نہیں۔تمہیں اتنا شوق ہے تو خود کرلو۔''وہ تنک کر بولی۔اس سے پہلے کے اسد کچھ کہتا سلمہ بول اٹھیں۔

''اچھا اچھا۔بس کرو تم دونوں۔جگہ تو دیکھ لیا کرو۔ہر جگہ شروع ہو جاتے ہیں۔''سلمہ نے خفگی سے کہا جس پر وہ دونوں چپ ہو گئے۔اتنے میں وہ اندر چلے گئے اور شاپنگ شروع کر دی۔

وہ ایک پرفیوم شاپ تھی۔

☆☆☆☆☆☆

شرماوِلا تک کا یہ سفر کچھ باتوں کے درمیان گزرا۔مین روڈ پر دوڑتی گاڑی میں بیٹھے چار لوگوں میں سے تین آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ایک دوسرے کے بارے میں جان رہے تھے۔خیر.....اتنے میں گاڑی وِلا کے اندر جا رکی اور وہ تینوں گاڑی سے اتر گئے۔

مسز شرما اپنی بنارسی ساڑھی کا پلو درست کرتی ہوئیں داخلی دروازے تک آئیں اور اپنے بیٹے کے بازو اور ماتھے پر لگی پٹی کو دیکھ کر تشویشی انداز میں اپنے شوہر کو دیکھا۔وہ ان کے کہنے سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے تو انہوں نے ساری تفصیل ادھر ہی کھڑے کھڑے انہیں بتا دی۔

وہ ویوان کے سامنے آئیں اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ویوان نے سر جھکا کر شکریہ وصول کیا اور اتنے میں مسٹر شرما نے ملازم کو انیکسی کی چابیاں لینے بھیجا۔ایک منٹ کے اندر اندر ملازم انیکسی کی چابیاں لے آیا۔وہ سب انیکسی کی طرف جا رہے تھے۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک ملازم سے کہہ دینا۔''مسز شرما نے کھلے دل سے کہا۔

''جی شکریہ۔''اس نے مختصر جواب دیا۔انیکسی آ گئی تھی اور وہ ویوان کو اس کا کمرہ دکھا رہے تھے۔وہ کمرہ بہت عالیشان تھا۔ضروری فرنیچر سے بھرا ہوا تھا۔کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

ویوان کو چابی پکڑا کر وہ چلے گئے تھے۔اب وہ کمرے کا معائنہ کر رہا تھا۔اس نے اپنا سامان اٹھایا اور اس میں سے کچھ چیزیں نکالیں۔اس نے داخلی دروازے کے اوپر لگے پردے کے راڈ میں ایک منی کیمرہ جڑ دیا جو پورے کمرے میں ہونے والے تمام کاموں کی ویڈیو با آسانی بنا سکتا تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ کیمرہ یہاں ہونے والی باتیں بھی ریکارڈ کر سکتا تھا کہ اگر کوئی اس کی غیر موجودگی میں یہاں آ کر کوئی بات کرتا تو وہ سب سن لیتا۔

اب وہ مطمئن تھا۔وہ چاہتا تھا کہ وہ گھر کے اندر بھی کیمرے لگائے مگر اس کا فائدہ نہیں تھا کیونکہ بظاہر اب اس فیملی کا کسی خفیہ ایجنسی سے تعلق نہیں تھا۔سفید گھوڑے نے بہت سوچ سمجھ کر اس فیملی کا انتخاب کیا تھا۔مگر کون جانتا تھا کہ شاید کسی کا تعلق تو

ہوگا.....کسی.....خفیہ ایجنسی سے.....جیسے RAW۔

☆☆☆☆☆☆

''کیا ہم کچھ کر رہے ہیں؟ ہمارا مشن کہاں تک پہنچا ہے؟ مجھے بے صبری سے انتظار ہے۔'' پاکستانی ایجنسی کے ہیڈ نے کرنل عاصم سے پوچھا۔

''سر ہمارا ایک جوان وہاں ہی ہے اور منزل کے بہت قریب ہے۔ امید ہے ہمیں جلد ہی خوشخبری ملے گی۔'' کرنل عاصم نے جواب دیا۔

''نائس۔ آئی ایم ویٹنگ۔'' ہیڈ نے اطمینان سے کہا۔ اتنے میں کرنل عاصم کے فون پر گھنٹی بجی۔ اسکرین کو دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''وائٹ ہارس از کالنگ۔'' انہوں نے ہیڈ کو اطلاع دی اور فون اٹھایا۔

''کور۔'' ایک لفظی اطلاع پر کان سے فون لگائے کرنل عاصم کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی اور اس سے موسم کا حال احوال پوچھ کر فون بند کر دیا۔

''سر۔ ایجنٹ وائٹ ہورس ہمیں کبھی شرمندہ نہیں کرتا۔ اس نے اپنا کور تلاش کر لیا ہے اب اس نے یونٹ تک جانا ہے بس پھر اس دہشت گرد، آدم خور، لیش مہرا کی تلاش ختم اور اس کی لاش کتوں کے آگے۔ انشائ اللہ!'' کرنل عاصم بہت خوشی سے اطلاع دے رہے تھے مگر آخری جملہ کہتے ہوئے ان کے لہجے میں کڑواہٹ نمایاں تھی۔

''بہت خوب۔ ویل ڈن۔'' ہیڈ نے تعریف کی۔

آفس روم میں بیٹھے وہ دونوں اب چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

''یہ پیک کر دیں۔'' ایمان نے ایک پرفیوم پر ہاتھ رکھا اور سیلز پرسن کو اسے پیک کرنے کا کہا۔ وہ ''یس میم'' کہتے ہوئے چلا گیا۔

''آپی یہ آپ نے اپنے لئے لیا ہے یا.....'' اسد نے پھر ایمان کو تنگ کیا اور اس کی گھوری پر جملہ چھوڑ دیا۔ ''نہیں.....وہ امی آپ کی شادی کا کہہ رہی تھی ناں تو مجھے لگا کہ آپ نے اپنے ہونے والے.....'' اور ایمان کا ایک تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور اسد کا ایک اور جملہ ادھورا رہ گیا۔

''ارے بچے کو مارتے نہیں ہیں مس ایمان۔'' اپنے عقب سے آتی جانی پہچانی مردانہ آواز پر وہ فوراً پیچھے مڑی اور سامنے مراد شیرازی آسمانی رنگ کی پولو شرٹ اور نیچے کالی جینز پہنے، ہاتھوں میں پرفیوم کا ایک باکس اٹھائے کھڑا تھا۔ چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی۔

''جب بچوں کے منہ میں موٹروے جتنی لمبی زبانیں ہوں ناں، تو انہیں مارنا ہی پڑتا ہے۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''بچوں کو پیار سے سمجھانا چاہئے۔'' مراد نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''یہ ان بچوں میں سے نہیں جو پیار سے سمجھ جائے۔''

''پیار سے سمجھا کر تو دیکھیں۔''

''ایسی شکلوں پہ پیار نہیں آتا۔''

''پھر کیسی شکلوں پر آتا ہے؟''

''وہ کوئی اور ہی شکلیں ہوتی ہیں۔''

''لڑنے کیوں لگ گئے آپ لوگ؟ سلام کیا نہیں اور لڑائی شروع کر دی۔ امی کہتی ہیں سب سے پہلے سلام کرو پھر کوئی دوسری بات۔'' اسد نے انہیں ٹوکا اور ساتھ ہی ساتھ امی کا یاد کروایا ہوا سبق بھی دھرا دیا۔ ان دونوں نے ہمہ وقت اسد کو دیکھا۔

''اسلام علیکم۔'' اسد کو ستائشی انداز میں دیکھنے کے بعد ایمان نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ ویسے سلام پہلے کرتے ہیں۔ آپ کا بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' مراد نے کہا۔

''بالکل پر بات آپ نے شروع کی تھی تو اصولاً سلام بھی پہلے آپ کو کرنا چاہیے تھا ناں۔'' ایمان نے اسے باور کروایا۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''صحیح کہا۔ سوری، میری غلطی ہے۔'' مراد نے اپنی غلطی تسلیم کی۔

''اچھی بات ہے۔ انسان کو اپنی غلطی تسلیم کرنی چاہیے۔'' ایمان ایک ادا سے بولی جس پر مراد نے بمشکل اپنے قہقہہ منہ میں ہی رہنے دیا مگر شدت کے باعث وہ پھر بھی ہلکا سا ہنس دیا۔

''آپ کیوں ہنسے؟'' ایمان نے اس کی ہنسی دیکھ کر وجہ دریافت کی۔

''کچھ نہیں۔ بس کچھ یاد آ گیا تھا۔ خیر..... آپ سنائیں کیسی ہیں؟'' اب مراد اسے کیا کہتا کہ اسے اُس دن والا واقعہ یاد آ گیا تھا جب ایمان اپنی غلطی ماننے کی بجائے الٹا اس آدمی کو کوس رہی تھی اسی لیے اس نے بات کا رخ بدلا۔

''الحمدللہ۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟'' ایمان کے منہ سے ''الحمداللہ'' کتنا پیارا لگا تھا یہ مراد ہی جانتا تھا۔

''میں بھی.....'' مختصر جواب آیا۔ ان کے پاس کھڑا اسد یہ سب دیکھ رہا تھا اور بور بھی ہو رہا تھا کیونکہ وہ دونوں اسے جیسے نظر انداز کر رہے تھے۔

''ایمان..... یہ کون ہے؟'' سلمہ ایمان کو کسی انجان لڑکے سے بات کرتے دیکھ کر فوراً یہاں آ گئیں۔

''آ..... امی یہ عامر شیرازی..... میرے باس، جو ہیں..... ان کے بیٹے ہیں..... مراد..... شیرازی۔'' وہ ٹھہر کر بولی۔ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اس سے جملہ بغیر وقفے کے کیوں نہیں بولا گیا۔

سلمہ صاحبہ سے رسمی علیک سلیک کے بعد مراد نے انہیں اپنے گھر کھانے پہ مدعو کیا۔

''بہت شکریہ بیٹا۔ ہم ضرور آئیں گے۔'' سلمہ نے حامی بھری۔ ایمان سر جھکائے کھڑی تھی۔

''ایمان..... پرفیوم لے لیا؟'' انہوں نے ایمان سے پوچھا۔

''نہیں اماں ابھی تو اپنی دوست کے لیے لیا ہے۔اب اپنے لیے لینے لگی ہوں۔'' ایمان نے نارمل لہجے میں کہا۔

''او کے تم دیکھو میں دوسری دکان پر ہوں۔'' وہ کہہ کر چلی گئیں اسد بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ایمان اور مراد اب اس بھری دکان میں اکیلے تھے۔

''میں ساتھ آؤں؟'' مراد نے ایمان سے پوچھا۔

''As you wish'' تو وہ اور کیا کہتی ہے بھلا؟ وہ دونوں ایک شوکیس کے سامنے کھڑے تھے۔

''آپ اپنے لئے پرفیوم دیکھ رہی ہیں؟'' مراد نے جانتے بوجھتے سوال کیا۔ایمان ایک پرفیوم کی خوشبو سونگھ رہی تھی۔

''جی۔'' یک لفظی جواب۔پتا نہیں آج وہ مراد کے سامنے اتنا کم کیوں بول رہی تھی ورنہ اس کی زبان تو ٹرٹر چلتی تھی۔

''مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر گھر سے نکلتی ہے وہ زانیہ عورت ہے۔'' مراد نے عام سے لہجے میں اسے حدیث مبارکہ کا مفہوم سنایا۔ایمان اس کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی اور اس کا ہاتھ پرفیوم پر جما رہ گیا۔

ایمان کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اسے اندر تک جھنجھوڑ کر یہ احساس دلایا ہو کہ وہ اتنے سال کسی اندھے کنویں میں ہی گزار آئی ہو اور ہر ایک نے اسے بے یار و مددگار دیکھ کر بھی اس کی طرف مدد کا ہاتھ نہ بڑھایا ہو۔سب اپنی ہی دھن میں اس کا تماشہ دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔کوئی اس کی مدد نہیں کر رہا تھا۔وہ مدد اسے آج ملی تھی۔

''کل آفس میں ملتے ہیں۔اللہ حافظ۔'' وہ کہہ کر چلا گیا اور ایمان اسی طرح سکتے کے عالم میں اسے جاتا دیکھ ہی تھی۔

''وہ کیا تھا؟ کون تھا؟ خود کو بہت بڑا مسلمان سمجھتا تھا؟ بہت نیک ہے؟ چہرے پر داڑھی تو تھی ہی نہیں اس کے تو وہ خود کو بہت نیک سمجھ رہا تھا اور اتنی آرام سے اتنی بڑی بات کہہ کر چلا گیا۔کیا اسے یہ نہیں پتا کہ ایسے سخت الفاظ کسی کو نہیں کہتے؟ بات کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے وہ کیسے آرام سے مجھے..... بری عورت..... کہہ کر چلا گیا تھا؟ اس نے میرا دل دکھایا ہے میں اسے کبھی معاف نہیں کرونگی۔'' یہ آواز اس کے اندر سے آئی۔یہ وہ آواز تھی جو انسان کو ہر وقت دوسروں سے بدظن رکھتی ہے۔کسی دوسرے کے بارے میں اچھا نہیں سوچنے دیتی اور اگر کوئی انسان کو اچھی بات بھی بتائے تو یہ آواز اس کے بارے میں ہمیں غلط سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

وہ خود کیا ہے؟

بہت نمازی بنتا ہے؟

بہت حاجی ہے؟

ولی اللہ ہے کیا جو اسے سب آتا ہے؟

بھلا مجھے نہیں پتا یہ سب؟

وہ یہ سب سوچ رہی تھی یا اس کے اندر کے شر نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

''ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے اسے مجھ سے زیادہ علم ہو۔ میں نے کبھی دین پر اتنی توجہ نہیں دی اسی لئے مجھے اس بارے میں نہیں پتا۔ اس نے مجھے ایک اچھی بات بتائی ہے تو اس میں کیا برا ہے؟ اور اگر اس نے داڑھی نہیں رکھی ہوئی تو میں کونسا پردہ کرتی ہوں؟ ہر انسان کے اندر کچھ اچھی باتیں ہوتی ہیں کچھ بری باتیں ہوتی ہیں۔ اس کی یہ ہی اچھی بات ہے کہ اس نے مجھے ایک اچھی بات سمجھائی ہے۔''

دوسری طرف یہ آواز بھی اس کے اندر سے آئی۔ یہ وہ آواز تھی جو انسان کو ہمیشہ مثبت رکھتی ہے۔ کسی دوسرے انسان کے بارے میں غلط نہیں سوچنے دیتی اور اگر وہ انسان کبھی غلط بھی ہو تو یہ آواز کہتی ہے کہ

شاید اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔

ہوسکتا ہے کہ اس کے حالات جو نظر آتے ہیں وہ نا ہوں۔

اس کی مجبوری ہوگی۔

اندر کی بات تو وہی جانتا ہے۔ یہ آواز..... یہ سوچ.....انسان کو بہت سے بے تکے خیالات سے دور رکھتی ہے اور انسان کا ذہن بدگمانی سے بچ جاتا ہے۔

وہ یہ سب سوچ رہی تھی یا اس کے اندر کی خیر نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

وہ گم صم کھڑی ان دونوں آوازوں کو سن رہی تھی۔

پرفیوم لینے کا ارادہ اب زمین بوس ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

رات ہونے کو تھی۔ وہ تینوں اپنی گاڑی کی طرف آ رہے تھے۔ اسد اور سلمہ باتوں میں مصروف تھے۔ ایمان خاموش تھی اور مراد کی بات پر وہ ابھی بھی دنگ تھی۔

''میں تو پہلے بھی پرفیوم لگا کر گھر سے آفس جایا کرتی تھی۔ پتہ نہیں کس کس نے اس کی جو شبو سونگھی ہوگی؟ تو کیا وہ سب مجھے بری عورت.....نہیں نہیں۔ اللہ جی، آئی ایم سوری۔ مجھے اس بارے میں پہلے نہیں پتا تھا۔ لاعلمی میں کی جانے والی خطا تو آپ معاف کر دیتے ہیں۔ میں بری لڑکی نہیں ہوں.....'' وہ اپنے اندر ہی اندر یہ سب سوچ رہی تھی۔ اللہ کے علاوہ کوئی اس کی حالت سے واقف نہ تھا۔

آج پتہ نہیں کیسے.....اس نے شاید پہلی دفعہ ہی اللہ سے بات کی تھی۔ اسے مراد کی بات بری نہیں لگی تھی اس نے ایک اچھی بات ہی کی تھی۔

''اللہ.....میں آئندہ پرفیوم نہیں لگاؤں گی۔'' اس نے جیسے اللہ سے عہد کیا۔

''ایمان بیٹے.....کیا سوچ رہی ہو؟ گاڑی کا لاک کھولو۔'' سلمہ کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔

''جی اماں۔'' اس نے گاڑی اَن لاک کر دی۔ سلمہ نے سامان اندر رکھا اور سب اندر بیٹھ گئے۔

گاڑی روڈ پر چل رہی تھی۔

''ایمان تم نے اپنے لئے پرفیوم کیوں نہیں لیا اور اپنی دوست والا بھی تم نے واپس کروا دیا؟'' فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی سلمہ نے سوال کیا۔

''ایسے ہی اماں وہ بہت شارپ تھے۔'' وہ بات گول کر گئی تھی۔ وہ آپ کبھی پرفیوم لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عقب میں براجمان اسد نے ایمان کے رویے کی تبدیلی پر غور کیا مگر اس نے اسے تھکاوٹ سمجھا۔

''ویسے مراد کتنا اچھا لڑکا ہے۔'' سلمہ صاحبہ نے مراد کی خوشدلی سے تعریف کی۔

''جی۔'' ایمان نے تھکے تھکے انداز میں ہاں میں ہاں ملائی۔ اس کے لئے تو وہ اچھا ہی تھا جو اسے ایک اچھی بات بتا کر گیا تھا۔

اگر کوئی آپ کو اچھی بات بتائے اور برے کام سے روکے تو وہ آپ کا دشمن نہیں بلکہ آپ کا خیر خواہ ہے۔ وہ آپ کو غلطی پر ڈانٹتا ہے، آپ کو برے کام سے روکتا ہے اور آپ کو اچھا کام کرنے کا کہتا ہے تو آپ کی بھلائی کے لیے ہی وہ ایسا کرتا ہے۔ ایسے لوگ خوش قسمت لوگوں کو ملتے ہیں۔

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ لوگ گھر پہنچ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

''کیا کوئی اور آرڈر نہیں ملا؟'' ایجنٹ ون نے بلٹ سے پوچھا۔

''ملا ہوتا تو بتا دیتا۔'' وہ خفگی سے بولا۔ نیم اندھیر کمرے میں وہ تین جاسوس بیٹھے تھے۔ فجر پھوٹنے میں چند منٹ ہی باقی تھے۔

''اچھا اچھا ناراض مت ہو۔ خیر تم بتاؤ تمہاری شادی کا کیا بنا، سب کچھ کنٹرول میں ہے نا؟'' اس نے دوبارہ بلٹ سے سوال کیا۔

''ہاں۔Everything is under control'' بلٹ نے دو سوالوں میں سے ایک کا جواب دیا۔

''چلو اچھی بات ہے میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا۔ دور سے آتی فجر کی اذان کی آواز پر بلٹ نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو گیا۔

وہ آواز اب قریب آ رہی تھی۔

''آخر ایسا کیا ہے اس میں جو یہ مسلمان اسے اتنے احترام سے سنتے ہیں؟ اور اسے سنتے ہی مرد مسجد اور عورتیں گھروں میں اپنے خدا کی عبادت میں لگ جاتی ہیں۔ یہ تو عربی زبان کے چند سطریں ہی ہیں مگر..... کیا سحر ہے اس میں کہ جب بھی یہ آواز آتی ہے وہ چپ کر جاتی ہے۔

وہ مجھے کہتی ہے کہ ہم اذان کے بعد بات کریں گے۔

وہ اس آواز کا جواب دیتی ہے۔

وہ اپنا سر ڈھانپ لیتی ہے۔

اور یہ آواز ختم ہوتے ہی وہ اٹھ جاتی ہے۔

وضو کرتی ہے۔

نماز پڑھتی ہے۔

مجھے بھی کہتی ہے کہ نماز پڑھ کے آئیں اور میں.....''

''بلٹ تمہارا فون بج رہا ہے۔''اس کے ساتھی ایجنٹ نے اس کا فون اسے تھمایا تو وہ سوچ سے آزاد ہوا۔

اس نے موبائل پکڑا اور اسکرین پر نظر آتا نمبر دیکھا۔اس نے کال اٹھالی۔

''ہاں میں نماز پڑھ کے آتا ہوں۔'' یہ بول کر اس نے فون رکھ دیا۔

نماز اسے کہاں آتی تھی؟ یہ تو صرف ان کو آتی ہے جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔کافر کو یہ سب نصیب نہیں ہوتا مگر.....''اللہ جسے چاہے ہدایت دے دے۔''

فجر کی اذان اب مکمل ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

سنہری صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔وہ دونوں آج جلدی اٹھ گئے تھے۔کھڑکی سے کمرے میں ہلکی ہلکی دھوپ آ رہی تھی۔ڈائیننگ روم میں وہ دونوں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ناشتہ کرنے کے بعد وہ دونوں تیار ہونے کے لئے کمرے میں آ گئے۔وہ کہیں جا رہے تھے۔

''شائستہ تم بال کرل کر لو تم پر بہت سوٹ کرتے ہیں۔''بال بناتی شائستہ کو رہبر نے مشورہ دیا۔

''ٹائم نہیں ہے ورنہ کر لیتی۔''وہ عام سے انداز میں بولی۔

''او کے۔''اب وہ جوتے پہن رہا تھا۔

''رہبر.....جب سے ہماری شادی ہوئی ہے۔ولیمے کے بعد سے آپ کے امی ابو نے چکر ہی نہیں لگایا اور فون بھی نہیں کرتے۔'' کئی دنوں سے ذہن میں آئے سوال کا آج اس نے اظہار کیا تھا۔اس کی بات پر رہبر کا ہاتھ رک گیا۔اب وہ اسے کیا جواب دیتا؟

''وہ دونوں ورکنگ پرسن ہیں اسی لیے شاید۔''اس نے شائستہ کو مطمئن کرنا چاہا۔

''مگر پھر بھی آپ کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ماؤں کو تو بڑے ارمان.....''

''چپ کر جاؤ پلیز۔اگر انہوں نے آنا ہوا تو آ جائیں گے۔تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اپنے کام سے کام رکھو تم۔''اس نے شائستہ کی بات کاٹی اور بہت غصے سے بولا۔جس پر شائستہ سٹپٹا گئی کہ''میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ یہ.....''اس نے سوچا۔وہ چپ کر گئی۔

رہبر نے آج پہلی دفعہ اس پر غصہ کیا تھا۔شائستہ حیران تھی۔وہ اب چادر لے رہی تھی۔مکمل خاموشی.....

دونوں اپنی اپنی تیاری مکمل کر رہے تھے۔

''آئی ایم سوری۔''شائستہ نے رہبر کو کہتے سنا۔

''فائن۔''یک لفظی جواب۔

''دیکھو آئندہ مجھ سے ان کے بارے میں نہ پوچھنا کبھی بھی۔ وہ جا چکے ہیں اور اب واپس نہیں آئیں گے۔'' رہبر نے شائستہ پر کچھ منکشف کیا۔ شائستہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر رہبر پہلے ہی بول اٹھا۔

''بس..... No more questions۔ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مجھ سے فضول سوالات نہیں کرنے۔ اوکے؟'' وہ کہہ باہر نکل گیا اور شائستہ وہیں رہ گئی۔ وہ اب تک شاک میں تھی۔

''اب آ بھی جاؤ۔'' باہر سے رہبر نے شائستہ کو آواز دی تو وہ دنگ چہرے کے ساتھ باہر آ گئی۔

وہ حیران تھی۔

وہ آج رہبر کا ایک نیا رخ دیکھ رہی تھی۔ وہ رخ جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ زندگی آگے اس سے بھی زیادہ مشکل ہونے والی ہے۔

وہ تو انجان تھی۔

وہ تو لاعلم تھی۔

کبھی سوچا ہے جانے انجانے میں.....

کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں

بِنا سوچے سمجھے.....

کچھ باتیں ہو جاتی ہیں

جس بات کا علم نہ ہو.....

وہ ہمیں نقصان پہنچاتی ہیں

یوں ہی اکثر دلوں میں.....

بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں

☆☆☆☆☆☆

کالج کے گراونڈ میں وہ سب پریکٹس کر رہے تھے۔ کوئی Push ups لگا رہا تھا تو کوئی Pull ups۔

اسی طرح باقی لڑکے بھی مختلف قسم کی ورزشیں کر رہے تھے۔ وہ صبح ابھی تازہ تھی۔ ابھی سورج نے صرف اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا۔ ابھی اس نے اپنا دیدار نہیں کروایا تھا۔

گراؤنڈ میں سب کسی نہ کسی ایکسرسائز میں مصروف تھے۔ ان میں ایک نوجوان وہ بھی تھا۔ وہ اپنی ایکسائز مکمل کر چکا تھا۔

''سر میں نے ایکسرسائز کر لی ہے جو جو آپ نے کہا تھا۔'' اس نے اپنے کوچ کو بتایا۔

''ویری گڈ..... اب ایسا کرو گراؤنڈ کے دو چکر لگا کر آؤ۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں اسے دیکھے بغیر بولے۔

''مگر سر.....''

''جیسا کہا ہے ویسا کرو۔''انہوں نے اس لڑکے کی بات کاٹی۔وہی لہجہ۔وہی انداز۔نظریں ہنوز دوسرے لڑکوں پر۔

''اوکیسر۔'' وہ پچھتاتے ہوئے مڑ گیا۔چہرہ جھکا لیا۔

''سنولڑکے.....تمہیں پتہ ہونا چاہئے کہ جب تک میں خود نہ بلاؤں، میرے پاس دوڑ کر کرنہ آیا کرو کہ'میں نے کام پورا کرلیا ہے'۔ مجھے اس چیز سے سخت نفرت ہے۔مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ تم نے ایکسرسائز مکمل کرلی ہے اور اگر میں نے تمہیں نہیں روکا تو اس کی کوئی وجہ ہے۔ہوسکتا ہے تم نے ٹھیک سے نہ کی ہو،اسی لیے میں نے نہیں بلایا۔مگر تم میرے پاس آگئے اور غلطی کر بیٹھے۔اسی لیے.....ہر غلطی کی.....سزا تو ملتی ہے ناں۔'' وہ کہہ کر چلے گئے۔وہ وہیں کھڑا رہا اور اسے واقعی خیال آیا کہ وہ پُش اپس صحیح سے نہیں کر رہا تھا۔وہ اپنی غلطی پر پچھتا رہا تھا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔

''سٹارٹ۔''زوردار آواز پر وہ چونکا۔یہ آواز دور کھڑے کوچ کی تھی۔وہ فوراً سیدھا ہوا اور برے موڈ سے گراؤنڈ کی سیر پر چل نکلا۔سورج بھی اپنی سیر شروع کر چکا تھا۔

صبح ایکسرسائز کرتے ہوئے اسے کالج کا یہ دن یاد آیا تو یوسف بے اختیار مسکرا دیا۔

☆☆☆☆☆☆

رات ہوچکی تھی۔وِلا میں نائٹ بلب کے علاوہ کوئی لائٹ آن نا تھی۔ایسے میں وہ وِلا کے کشادہ باغ میں واک کر رہا تھا۔نہ جانے منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔اس کی عادت تھی۔وہ ہمیشہ رات کو واک کرتا تھا اور مسلسل منہ میں کچھ پڑھتا رہتا تھا۔اس کا علم اللہ اور اسے ہی تھا۔

روزانہ کی طرح آج بھی وہ اپنی عادت سے مجبور واک کر رہا تھا۔اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور وہ رک گیا۔جو وہ پڑھ رہا تھا وہ بھی اب ختم ہوگیا تھا۔

بالکونی میں کھڑے مسٹر شرما اپنے گھر میں مقیم لڑکے کی واک دیکھ رہے تھے۔وہ واپس اپنے کمرے میں آیا اور فریش ہوکر لیٹ گیا۔

اسے صبح جلدی یہاں سے جانا تھا اور اپنی ڈیوٹی پوری کرنی تھی۔اس نے موبائل پر میسج دیکھا جس میں اس جگہ کا نام تھا جہاں اسے اپنے دوست ایجنٹ سے ملنا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔دوسری جانب وہ بھی جلدی اٹھ گیا تھا۔

وہ فریش ہونے گئی۔وہ بھی فریش ہونے گیا۔

وہ ناشتہ کرنے کے لیے بیٹھی تو وہ بھی ناشتے کیلئے بیٹھ گیا۔

اس نے ناشتہ شروع کیا۔اس نے بھی ناشتہ شروع کیا۔

وہ تیار تھی اب۔اب وہ بھی تیار تھا۔

وہ گاڑی مین روڈ پر لائی تو اس کی گاڑی بھی مین روڈ پر آ گئی۔

وہ آفس جا رہی تھی اور وہ بھی آفس ہی جا رہا تھا۔

ایمان نے آفس کی پارکنگ میں بریک لگائی اور عین اس کے برابر میں مراد نے بھی اپنی گاڑی کو پارک کیا۔

وہ بیک وقت گاڑی سے اترے۔نظروں کا تبادلہ ہوا۔

وہ چپ تھی تو اس نے بھی بولنے میں پہل نہیں کی تھی۔

دونوں نے قدم بڑھا دیے۔وہ اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔چلتے ہوئے ایمان نے مراد کے پرفیوم کی خوشبو کو اپنے اندر اترتا محسوس کیا تو اس کے ساتھ ہی مراد کو بے انتہا خوشی ہوئی کہ آج ایمان کے پرفیوم کی خوشبو اسے نہیں آئی تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

''آپ مسکراتے بہت ہیں۔'' کن اکھیوں سے اس کی بے جا مسکراہٹ دیکھتے ہوئے ایمان نے لب کھول ہی دیے۔

''مسکرانا اچھی بات ہے،انسان فریش رہتا ہے اور خوبصورت بھی لگتا ہے۔'' وہ ایمان کی طرف دیکھے بغیر بولا۔خوبصورت تو وہ بغیر مسکراہٹ کے بھی لگتا تھا۔ایمان نے سوچا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے اگنور کر رہا تھا شاید وہ جلدی میں تھا اسی لیے۔

''بے وجہ مسکراہٹ سے بھی؟'' اس نے بھی بغیر دیکھے سوال کیا۔

''مسکراہٹ،مسکراہٹ ہوتی ہے۔بوجہ یا بے وجہ تو نہیں ہوتی اور جو انسان ہمیشہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ رکھتا ہے ناں.....وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔'' وہ باتیں کر رہے تھے۔حیرت تھی کہ دونوں میں سے کسی نے ابھی تک سلام نہیں کیا تھا۔

اتنے میں Reception آ گیا۔ایمان چاہ کر بھی کچھ نہ بول سکی۔

''گڈ مارننگ سر۔گڈ مارننگ میم۔'' ریسپشنسٹ نے دونوں کو دیکھ کر کہا۔

''Thanks'' دونوں بیک وقت بولے۔

''عامر سر آپ دونوں کا ہی ویٹ کر رہے ہیں۔He is inside'' ریسپشنسٹ نے بتایا۔وہ دونوں عامر کے آفس کی طرف چل پڑے۔

ایک خاموش سفر.....

مراد نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو بے خبر ایمان نے بھی اسی غرض سے اپنا ہاتھ آگے کیا۔دونوں کے ہاتھ ٹکرائے۔مراد نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔

''سوری۔'' وہ شرمندگی اور خفگی سے بولا اور چہرے پر ڈھیروں غصہ لیے وہ اندر چلا گیا۔ایمان دروازے کے اس پار ہی تھی۔اس نے آج پہلی دفعہ مراد کو ایسے غصے میں دیکھا تھا۔وہ سوچ رہی تھی کہ ''غلطی میری تھی تو اس نے سوری کیوں کہا اور اسے غصہ کیوں آیا؟''

سوچوں کو جھٹک کر وہ اندر چلی گئی۔ایک نظر مراد کو دیکھا جو ہنوز سنجیدہ چہرے کے ساتھ ہی کرسی سنبھالے ہوئے تھا۔ایمان نے نظریں پھیر لیں۔مراد نے اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔وہ ابھی تک ویسے ہی بیٹھا تھا۔اسے اپنا اور ایمان کا ہاتھ ٹکرا جانا پسند نہیں آیا تھا۔

آج ایمان باقاعدہ شیرازی امپائر کو جوائن کر رہی تھی۔کانٹریکٹس وغیرہ بھی ڈسکس ہوئے۔میٹنگ برخاست ہوئی تو ایمان سمیت سارے لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔جاتے ہوئے بھی ایمان نے مراد کو دیکھا تھا اور وہ اسی سنجیدہ حالت میں تھا۔

''ڈیڈ میں نے مس ایمان اور ان کی فیملی کو ڈنر کی دعوت دی ہے۔ایک دو دنوں بعد وہ ہمارے ساتھ ڈنر کریں گے۔''مراد نے اپنی اس دن ہونے والی ملاقات کا بتایا تھا۔

عامر آفس چیئر پہ بیٹھے اسے سن رہے تھے۔

''اچھی بات ہے۔ایمان بہت سو برلڑکی ہے۔مجھے بہت پسند ہے۔اگر میری بیٹی کوئی ہوتی تو میں چاہتا کہ وہ ایمان جیسی ہوتی۔''انہوں نے ایمان کی کھلے دل سے تعریف کی۔مزید ایک دو باتوں کے بعد مراد اپنے روم میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

باب چہارم

اظہارِ محبت

پڑوسی ملک میں بھی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر لیٹا تھا اور سات بجے وہ اٹھ گیا تھا۔ تیار ہو کر وہ کمرے سے باہر آیا تو سامنے کچن سے رادھا باہر آ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف آ گئی اور ناشتے کے بارے میں پوچھا۔

''ہاں کروں گا۔'' اس نے کہا تو رادھا واپس کچن میں چلی گئی۔ اندر انتظار کرنے سے اچھا وہ باہر لان میں آ گیا۔ وہ فون پر کچھ لکھ رہا تھا کہ اس کی نظر لان کے ایک کونے میں کھڑی لڑکی کی طرف اٹھی۔ وہ انجان تھا۔ اس کی طرف لڑکی کی پشت تھی۔ اس کے لمبے کھلے بال کمر پر بسیرا کیے ہوئے تھے۔ وہ یک ٹک سے اسے دیکھ رہا تھا اور ذہن میں کوئی منصوبہ بنا رہا تھا۔

''ویوان ناشتہ لے آئی میں۔'' رادھا اپنے ازلی انداز میں کہتی ہوئی آئی۔ ویوان، یعنی یوسف (ایجنٹ وائٹ ہورس) نے رادھا کے ہاتھ سے ٹرے لی اور ساتھ ہی سیمنٹ کے بنے بینچ پر بیٹھ گیا۔

وہ لڑکی اسی طرح کھڑی تھی۔ اس نے ابھی تک مڑ کر نہ دیکھا تھا۔

''حیما بی بی۔ حیما بی بی۔'' ملازمہ تقریباً دوڑتی ہوئی دور سے صدا لگائی آئی تھی۔ پودوں کے پاس کھڑی حیما نامی لڑکی نے مڑ کر دیکھا تو اس دوران بینچ پر بیٹھے ویوان نے اس کے حسن کو دیکھا۔ وہ خوش شکل تھی مگر کوئی اپسرا نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟'' حیما نے ہانپتی ملازمہ سے سوال کیا۔

''وہ صاحب بلا رہے ہیں جی آپ کو۔'' ملازمہ نے اطلاع دی۔

''میں آ رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ چلتے ہوئے اس نے بینچ پر بیٹھے، ناشتہ کرتے ویوان کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔ وہ مردانہ وجاہت کا سراپا تھا۔ لمبا چوڑا قد، اچھا سا ہیئر اسٹائل بنائے، چہرے پر ہلکی ڈاڑھی رکھے اور پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ حیما کے دل کو بھا گیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں رہ گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کون ہے اور یہاں کیوں ہے مگر اب وہ اس سب سے اوپر تھا۔

چلتے چلتے اسے دیکھتے ہوئے وہ گھر کی دہلیز تک پہنچ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ سفر کبھی ختم ہی نہ ہو مگر ہر سفر ایک نا ایک دن تو ختم ہو ہی جاتا ہے۔ سفر، ذات کا ہو یا دنیا کا..... اختتام لازمی ہے۔ سفر کا اختتام یا..... بندے کا۔

وہ بھی اپنا اختتام کر چکی تھی۔ دور بینچ پر وہ اس سب سے باخبر ہو کر بھی بے خبر بنا بیٹھا تھا۔ رادھا کو بلا کر اس نے اسے ٹرے تھمایا اور خود بھی اپنے سفر پر چل پڑا۔

آدھے گھنٹے مٹر گشت کرنے کے بعد وہ مقررہ کیفے میں آ چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں نو بجانے والی تھیں۔ وہ کرسی سنبھال چکا تھا کہ

ایک آدمی آیا اور سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہیلو۔''یوسف کی سامنی کرسی پر آ کر بیٹھے شخص نے کہا۔

''ہیلو۔''یوسف نے جواب دیا۔

''آج کیا تاریخ ہے؟''اس نے یوسف سے پوچھا۔

''آج بائیس تاریخ ہے۔''یوسف نے جواب دیا۔

''مجھے لگتا ہے ہمیں اپنے کام آج ہی کر لینے چاہیے، ہمارے پاس وقت کم ہے نا۔''اس آدمی نے فکرمندی سے کہا۔

''بالکل۔چلو پھر۔''یوسف نے کہا۔وہ دونوں اپنے اصلی ہونے کا یقین ایک دوسرے کو دلا چکے تھے۔ان سب سوالوں کا مقصد ایک دوسرے کو اپنی پہچان کروانا تھا۔وہ دونوں اٹھے اور کاؤ؟نٹر تک آئے۔

''کیفے میں ایک کمرہ چاہیے۔''یوسف نے کاؤ؟نٹر پہ کھڑے لڑکے کو یہ جملہ بول کر اپنی شناخت کروائی۔وہ مسکرا دیا اور ان دونوں کو ساتھ لے کر ایک طرف چلا گیا۔چلتے چلتے وہ کیفے کی پچھلی طرف آ گئے تھے۔وہاں ایک کمرہ تھا۔وہ دونوں کمرے میں آ گئیا ور وہ کاؤ؟نٹر والا لڑکا باہر سے واپس چلا گیا۔یہ ان کا ایک سیف ہاؤ؟س تھا۔

اندر آ کر یوسف نے اس شخص کے ہاتھوں سے ایک فائل لی اور ٹیبل پر رکھ کر اسے کھولا۔وہ اب مدعے پہ آ گئے تھے۔

''جس یونٹ میں یہ ہوتا ہے.....''فائل کے اندر پہلے صفحے پر لگی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔''وہاں ہمارے دو بندے پہلے سے ہی موجود ہیں۔وہ تمہیں اندر آنے میں مدد کریں گے۔انہیں تمہارے بارے میں سب بتا دیا گیا ہے۔اس فائل میں ان کی تصویریں بھی ہیں اور کانٹیکٹ نمبر بھی۔تم رات کو ان سے رابطہ کر لو کیونکہ ابھی تو مشکل ہوگا۔رابطہ ہونے کے بعد تم مجھے اطلاع کر دینا۔میں اندر جانے کے لیے ضروری اشیاء کا انتظام کر دوں گا اور جس دن تم یہ کارِ خیر کرنے جاؤ گے میں تمہیں وہ بیگ دے دوں گا۔چاہے آج جاؤ یا کل۔اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔اللہ تمہارا حامی و ناصر۔لیش مہرا جیسے وحشی کو تم نے ہر حال میں موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔وہ ہم پر ایک عذاب ہے۔اسے ختم کر کے ہی ہم سکون میں رہیں گے۔ورنہ وہ ہر طرح سے ہمارے ملک، پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہے گا۔وہ ایک درندہ ہے.....حیوان ہے۔''اس نے بات مکمل کی اور واپس جانے کے لئے فوراً اٹھ گیا۔سفید گھوڑا اس کو خاموشی سے سن رہا تھا۔

بات ختم کر کے وہ چلا گیا۔یوسف نے وہ فائل بیگ میں رکھی اور واپس باہر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا کہ اتنے میں ایک ویٹر چلتا ہوا اس تک آیا۔

''سر آپ کچھ لیں گے؟''ویٹر نے پوچھا۔

''One Cappuccino''اس نے آرڈر دیا اور دو منٹ بعد وہ ایک کافی کا سیاہ رنگ کا مگ لے آیا۔کافی کا آخری گھونٹ لینے کے بعد اس نے کپ کے اندر جھانکا تو نیچے سطح پر سفید روشنائی سے کچھ لکھا ہوا تھا۔

''The life of a spy is to know, not to be known.''

George Herbart

وہ سمجھ گیا تھا کہ اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔اس نے نظر اٹھا کر سامنے کاؤنٹر کے پار کھڑے لڑکے کو دیکھا۔اس نے مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔وہ بھی مسکراتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

کافی والا لگ اس نے اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا۔اس نے پہلے اس ایجنٹ سے ملنا تھا جو یونٹ میں ہوتا ہے۔یہ کام اس نے صبح کرنا تھا اور ممکن تھا کہ کل رات ہی وہ یونٹ میں چلا جاتا اور قصہ ختم کر دیتا۔

اب اسے اس رات کا انتظار تھا اور یہ کام مشکل تھا۔جو بھی تھا.....کرنا تو تھا ہی۔

☆☆☆☆☆☆

رات کو جب وہ گھر پہنچے تو وہ سفر خاموشی کی نظر تھا۔دونوں میں سے کسی نے بات کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔اس نے بارہا اپنے لب کھولے مگر بے سود.....

وہ سوری کر چکا تھا مگر پھر بھی۔یوں جیسے ان کے درمیان ایک ان دیکھا فاصلہ آ گیا ہو۔وہ الجھی ہوئی تھی۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا وہ بھی شرمندہ سا ہی تھا۔

''آئس کریم کھانے چلیں؟'' بالآخر اس نے پہل کر ہی لی۔وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا۔اسے اس کی خاموشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''بلکہ چلتے ہیں۔مجھے پتا ہے تمہیں آئس کریم پسند ہے۔''اس نے خود سے ہی جواب دیا۔وہ خاموش رہی۔

''اچھا ناں شائستہ.....میں سوری کر چکا ہوں۔میں غصے میں تھا اس وقت۔سوری ونس اگین۔''شائستہ کو انتہا درجے کا خاموش پا کر وہ تڑپ گیا تھا۔

''آخر میں نے ایسا کیا.....؟''

''تم پھر ان کا ذکر کر رہی ہو۔مجھے پھر غصہ آئے گا۔میں پھر کچھ بول دوں گا۔ kindly مجھے اس ٹاپک پر بات نہیں کرنی تم سمجھو وہ لوگ ہمیں چھوڑ کر جا چکے ہیں بلکہ وہ مر چکے ہیں ہمارے لئے۔ہمارا اب ان سے کوئی تعلق نہیں رہا۔پلیز ہمارے درمیان اب ان کا کوئی ذکر نہ ہو۔''رہبر نے اس کی بات کاٹ کر اپنی بات کہی۔وہ حیران پریشان سی اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اپنے والدین کے بارے میں یہ کہہ رہا تھا۔اسے عجیب لگا تھا۔

اس نے گاڑی ایک سائڈ پر روکی اور مکمل طور پر شائستہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''مجھے پتا ہے تمہارے ذہن میں کئی سوالات آ رہے ہوں گے مگر تم صرف اتنا ذہن میں رکھو کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔میریا ور ان کے تعلقات ہمیشہ سے ہی نازک رہے ہیں۔وہ شاید.....بلکہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے تنگ ہیں۔ہم ایک دوسرے کو

سمجھ نہیں سکے اور اب ہمارے درمیان کچھ ایسی باتیں ہوئی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ میں جانتا ہوں وہ میرے پیرنٹس ہیں مگر ہماری برداشت جواب دے گئی ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور وہ بت بنی اسے سن رہی تھی۔

''تم ان کو بھول جاؤ۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں شائستہ۔'' اس نے دھیرے سے شائستہ کا ہاتھ پکڑا۔

باہر اندھیرا تھا۔ گھپ اندھیرا.....

''اگر وہ ہمارے درمیان ڈسکس ہوتے رہیں گے تو ہم خوش نہیں رہ سکیں گے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟'' اس نے آخر میں شائستہ سے ایک سوال کیا۔

''او کے ٹھیک ہے، میں آئندہ آپ سے کوئی سوال نہیں کروں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی مسکراہٹ کو باہر کی دنیا دکھائی۔

''مجھے پتا تھا تم میری بات سمجھ جاؤ گی۔ تم مجھے سمجھتی ہو۔ I really love you Shaistal'' اس نے کہتے ہوئے گاڑی آئس کریم پارلر کی طرف بڑھائی۔ شائستہ کو رہبر کا اظہارِ محبت کرنا بہت اچھا لگا تھا۔ دو دن کی ناراضگی ختم ہو چکی تھی۔

آئس کریم پارلر آ چکا تھا۔ وہ اندر آ گئے اور تھوڑی دیر بعد ویٹر آئسکریم لے آیا۔ دونوں نے کھانا شروع کر دیا۔

''مجھے آپ کو ایک بات بتانی ہے۔'' شائستہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''بولیے جناب۔ غلام سن رہا ہے۔'' وہ شرارت سے بولا جس پر شائستہ ہلکا سا ہنسی۔

''You are going to be a father soon.''

اس نے خوشی سے اعلان کیا اور رہبر کا آئسکریم کھاتا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ وہ ایک دم پریشان ہوا تھا، حیران ہوا تھا یا کچھ اور؟ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ لمحے کے سوویں حصے میں اس نے اپنی کیفیت کو خوشی کے احساس سے مالا مال کر دیا۔

مزید کچھ باتیں کرنے کے بعد وہ گھر پہنچ چکے تھے۔ شائستہ گھر آ کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی اور اپنی ایک گھنٹہ پہلے ہونے والی تمام باتوں کو خوشگوار موڈ میں سوچ رہی تھی۔

رہبر بھی لیٹ چکا تھا۔ اسے خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ تین افراد پر مشتمل وہ فیملی ڈائیننگ ٹیبل پر جمع تھی۔ لذیذ کھانے کی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔

کھانا کھاتے تین وجود.....چمچ کے پلیٹ کے ساتھ ٹکرانے کا شور.....گلاس میں پانی ڈالنے کی آواز.....اور کھانے کی خوشبو ماحول پر حاوی تھی۔

''مجھے لگتا ہے اب مجھے ساس کی کرسی سنبھال لینی چاہیے۔'' جگ میں سے جوس، گلاس میں منتقل کرتی جنت صاحبہ نے اطمینان سے کہا۔ ان کے سامنے بیٹھا مراد مسکرایا۔

''میری شادی کی بات ہورہی ہے کیا؟'' اپنا دھیان مکمل طور پر پلیٹ کی طرف رکھتے ہوئے مراد نے سرسری سا پوچھا۔انداز میں شرارت تھی۔

''لگتا ہے کوئی بہت بے صبرا ہورہا ہے؟'' عامر نے بھی مراد کے لہجے میں کہا۔

''ہونا بھی چاہیے۔اپنی شادی کر کے تو آپ لوگ زندگی انجوائے کررہے ہیں۔اب اس میں میرا کیا قصور.....؟'' معصومانہ شرارت بھرا لہجہ۔

''توبہ، میرے بیٹے۔اگر تمہیں اتنی ہی جلدی تھی تو مجھے پہلے بتا دیتے۔'' جنت نے حیرانی وفکرمندی سے کہا۔جس پر مراد نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''نہیں مام۔am just kiddingl'' مراد نے بات سنبھالی۔

''اونہو..... یہ کِڈنگ کے اندر چھپا گلہ مجھے صاف ستھرا نظر آرہا ہے۔'' عامر نے وہی شرارتی انداز اپناتے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈیڈ میں واقعی مذاق کررہا تھا۔'' مراد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔عامر اس کی شرمندگی بھانپ گئے تھے۔

''اوہو.....شرمندہ مت ہو۔تم نے کچھ غلط نہیں کہا۔ہر نوجوان کا حق ہوتا ہے شادی اور مجھے خوشی ہوئی کے تم اس چیز کے لئے تیار ہو۔ہمارے معاشرے میں بہت سی برائیوں کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم بچوں کی شادی جلدی نہیں کرتے۔جبکہ جلدی شادی کرنے سے معاشرے میں ایک اچھے ماحول کو فروغ ملتا ہے۔ہر ایک اگر ذمہ دار ہوجائے تو یہ حرام کاریاں نہ ہوں۔ہم بہترین قوم بن سکتے ہیں۔یہ سنت بھی ہے پر یہاں ہم میں سے کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آئے گی تو ہم کہیں غریب نہ ہوجائیں۔اسے بھی کھانا دینا پڑے گا۔آخر وہ کتنا کھالے گی؟ محض ایک روٹی ہی زیادہ بنے گی۔پھر ہم کہتے ہیں پہلے لڑکے کو سیٹ ہوجانے دو پھر شادی کریں گے اور اسی میں وہ چالیس سے اوپر کا ہوجاتا ہے اور بوڑھے کی شادی اکیس سالہ لڑکی سے کردی جاتی ہے توبہ.....'' عامر نے جھرجھری لی۔شدتِ جذبات میں آکر وہ سب کہہ گئے تھے۔وہ معاشرے کے ان اصولوں سے بے حد تنگ تھے۔وہ چاہتے تھے کہ مراد اب شادی کرلے۔

''ریلیکس.....ڈیڈ۔ریلیکس۔میں شادی کے لیے تیار ہوں۔پانچ سال بعد بھی کرنی ہے تو بندہ ابھی کر کے پانچ سال ضائع ہونے سے بچالے۔'' مراد نے اپنا نظریہ پیش کیا۔

''لگتا ہے بہو کی تلاش میں مجھے محنت نہیں کرنی پڑے گی۔یہ کام میرا بیٹا پہلے ہی کر چکا ہے۔'' جنت نے شرارت سے کہا جس پر مراد اور عامر دونوں ہنس پڑے۔

وہ کھانا کھا چکے تھے اور اب وہ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔

''مجھے مراد کی عقلمندی پر بہت فخر ہے۔وہ ہمیشہ ایسی بات کرتا ہے جو بہت پریکٹیکل ہو۔عام لڑکوں کی طرح افسانوی اور لاپرواہ نہیں ہے۔تم نے اس کی اچھی تربیت کی ہے جنت۔'' عامر نے مراد کے ساتھ ساتھ جنت کی بھی تعریف کردی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔'' جنت نے خوشی سے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

اگر کوئی ہماری تعریف کرتا ہے تو اس میں ہمارا ہاتھ نہیں ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ ہم سے ایسا کام کرواتا ہے۔ یہ بھی آزمائش ہوتی ہے، آیا بندہ اس میں خود پر غرور کرتا ہے یا تمام جہانوں کے رب کا شکر ادا کرتا ہے۔

''ہاں سچ..... یاد آیا۔ میں نے تمہیں ایمان جہانگیر کے بارے میں بتایا تھا ناں، جو مجھے کنسلٹ کر رہی ہے۔ اسے اور اس کی فیملی کو مراد نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔ میں انہیں کل کا کہہ دوں؟'' عامر نے یاد آنے پر ایمان کی آمد کے بارے میں بتایا۔

''جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔'' جنت نے فیصلہ عامر پر چھوڑا۔

''ٹھیک ہے پھر کل بلا لیتے ہیں۔ میں کل آفس میں اسے کہہ دوں گا۔'' عامر نے جواب دیا۔

وہ دونوں سو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ صبح بہت خوشگوار تھی۔ سورج کی تپتی کرنوں کو ٹھنڈی ہوا نے مدھم کر رکھا تھا۔ کھڑکی سے باہر نظر آتے درخت پر چڑیا اپنے گھونسلے پر پہرا دے رہی تھی۔ وہ اپنے انڈے کی حفاظت کر رہی تھی۔ ہر آفت سے، ہر طوفان سے۔ وہ اس انڈے کو اپنے پروں کے سائے میں رکھے ہوئے اسے چلتی ہوئی تیز ہوا سے بچا رہی تھی لیکن ہوا کی شدت میں اضافے کے باعث تنکوں سے بنا ہوا یہ گھونسلہ بکھرنے کے قریب تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بکھرتا..... چڑیا اپنے انڈے کو چونچ میں دبائے اڑ گئی۔

وہ کب تک وہاں ٹکی رہتی؟

وہ کب تک ہوا کا مقابلہ کر سکتی تھی؟

ایک وقت آتا جب اسے جانا ہی پڑتا مگر وہ وقت نقصان لاتا۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے وہ اڑ گئی۔ تنکوں پر مشتمل اس گھونسلے کو ہوا نے تار تار کر دیا گیا۔ چڑیا اڑ گئی تھی اور ہوا کا مقابلہ کرتی ہوئی دوسری طرف جا رہی تھی۔

کھڑکی کی دوسری سائیڈ پر وہ کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس سے بھی ہوا کے بہت زیادہ تیز ہونے سے پہلے ہی اپنے گھونسلے یعنی اپنے ملک کو بچانا تھا۔ وہ طوفان آنے سے پہلے یہ کام کر لینا چاہتا تھا مگر طوفان کی آمد کی اطلاع اسے موصول ہو چکی تھی۔

آدھا گھنٹہ قبل ایک ایجنٹ اس کے آفس میں آیا تھا۔

''سر، ہمیں اس ایجنٹ کی خبر ملی تھی اور ہم وہاں گئے تھے مگر وہ ہمارے آنے سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔'' آنے والے ایجنٹ نے سر جھکا کر اطلاع دی۔

''جب تم لوگوں کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہوتی تو میرے سامنے کیوں آتے ہو؟ کبھی تم نے کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔'' اپنے غصے کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ دھاڑا۔ ''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ میں اب کوئی بری خبر نہیں سننا چاہتا۔ کام نہیں ہوتا تو گھر بیٹھ جاؤ، اپنی بیویوں کی مدد کرو، بیچاری سارا دن کام کرتی ہیں۔ Bloody Useless'' اس نے غصے میں چیختے ہوئے ہی بات مکمل کی۔ وہ چپ چاپ الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ اب اگر وہ کچھ اور کہتا تو یش مہرا اس کا قتل کر دیتا۔

دور جاتی چڑیا کو دیکھ کر وہ یہ سب سوچ رہا تھا۔
اس صبح اسے طوفان کی آمد کی اطلاع ملی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ دن رات میں تبدیل ہوا اور.....اور پھر آدھی رات.....پھر تہجد کا وقت، وہ وقت جب اللہ کی رحمت اپنے بندوں کو اپنی طرف پکارتی ہے۔

رزق مانگو مجھ سے، میں دوں گا۔

اولاد مانگو مجھ سے، میں دوں گا۔

ہدایت مانگو مجھ سے، میں دوں گا۔

بخشش مانگو مجھ سے، میں دوں گا۔

غرض ہر چیز.....

یہ مدت ختم ہوئی اور فجر کی اذانوں نے تمام جہان میں ایک چاشنی سی بکھیر دی تھی۔ یہ مدت بھی ختم ہوئی اور سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے آ چکا تھا۔ سورج کے آتے ہی دنیا بھی اٹھ گئی تھی۔

ایجنٹ وائٹ ہورس بھی اٹھ چکا تھا۔ آج اس کے مشن کا دوسرا مرحلہ تھا۔ آج اس نے ایک دوسرے ایجنٹ سے ملنا تھا جو اسے بیس کے بارے میں تمام انفارمیشن دے گا۔

دس بجے تک تیار ہو کر وہ مقررہ جگہ پر پہنچ چکا تھا۔ وہ ایجنٹ پہلے سے وہاں موجود تھا پر وہ ابھی اس تک نہیں آیا تھا۔ وہ واش بیسن سے ہاتھ دھو رہا تھا اور اتنے میں وائٹ ہورس ایک ٹو پرسن ٹیبل منتخب کر چکا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میں ایجنٹ سلیم ہوں۔ بہت مشکل سے یہاں پہنچا ہوں۔'' ایک آدمی اس کے سامنے کرسی پہ آ بیٹھا اور فوراً اپنا تعارف کروایا اور ہاتھ آگے بڑھایا جسے وائٹ ہورس نے نہیں تھاما۔

''سوری؟'' سفید گھوڑا نا سمجھی سے بولا۔

''کم آن.....کیا ہو گیا ہے؟ ہم آئی ایس آئی کے ایجنٹس ہیں یار۔'' اس نے دوبارہ سے کہا۔ وہ اپنا اگنور شدہ ہاتھ واپس کر چکا تھا۔ وہ عجیب ایجنٹ تھا۔ بہت عجیب۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کون ایجنٹ، کیا آئی ایس آئی؟'' لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے یوسف چڑ کر بولا۔

''ایجنٹ ویوان.....یہ تم ہو نا؟'' اسلم نامی شخص نے دوبارہ سوال کیا۔ وہ عجیب مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یوسف کو اس کی مسکراہٹ سے شدید کوفت ہوئی۔

''مجھے لگتا ہے آپ کسی غلط بندے کے پاس آ گئے ہیں۔ سوری میں آپ کو نہیں جانتا۔ میں چلتا ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور

کیفے سے باہر چلا گیا۔سلیم نامی ایجنٹ کو کچھ بولنے کا موقع ہی نہ ملا۔وہ بھی اٹھ چکا تھا اور اس کا پیچھا کرنے لگا۔

سفید گھوڑا اپنے قدموں کو تیزی سے بڑھتا ہوا پہلے اس بازار سے باہر نکلا اور پھر وہ چلتا چلتا پاس بنے کھیتوں میں آ گیا۔سلیم ہنوز اس کا پیچھا کر رہا تھا۔سبز گھنے، گہرے سایہ دار درخت کی اوٹ میں وہ بیٹھ گیا تھا۔درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر اسے سکون آیا۔اس نے اپنا ہاتھ کندھے پر خارش کرنے کے سے انداز میں بڑھایا مگر پیچھے سے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے دھکیلا۔وہ ہڑبڑا کر نیچے گر گیا۔

جس کی امید تھی......وہی ہوا......سلیم نامی بے وقوف اور ناتجربہ کار شخص جو خود کو ایجنٹ سلیم کہہ رہا تھا، زمین پر گر چکا تھا۔سفید گھوڑے نے آستین میں چھپا چاقو نکالا اور......

''بھگوان کے لئے......مجھے جانے دو۔میری کوئی غلطی نہیں ہے۔'' وہ واقعی ناتجربہ کار تھا،شاید وہ ایجنٹ ہی نہیں تھا کیونکہ ایجنٹ کبھی اس طرح بات نہیں کرتا جس طرح وہ کر رہا تھا۔اپنا اصلی نام تو وہ بھول ہی جاتے ہیں جب وہ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں۔مگر یہ بندہ اپنا نام سلیم بتا رہا تھا تاکہ یوسف کو یہ تاثر دے سکے کہ وہ مسلمان ہے۔ہُنہ۔جیسے سفید گھوڑا اس کی طرح بے وقوف تھا۔اور وہ کیسے کھلم کھلا آئی ایس آئی کا نام لے رہا تھا۔ایک ایجنٹ ایسی غلطی کبھی نہیں کرتا۔

''تو پھر کس کی غلطی ہے؟'' وہ غصے سے بولا۔

''یہ RAW کی غلطی ہے۔'' وہ بولا۔

''اب RAW والے اتنے بیوقوف بھی نہیں ہیں کہ تم جیسے کو ایجنٹ بنا کر بھیجیں۔'' وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا۔

''میں سچ......'' وہ تڑپ کر بولا۔اس سے پہلے ہی سفید گھوڑے نے چاکو اس کی گردن پر رکھ دیا۔

''بتاؤ گے یا میں......؟'' سفید گھوڑے نے پھر غصے میں کہا اور چاقو کا دباؤ بڑھایا۔

''وہ تمہارے مالک ہیں نا......انہوں نے......جس گھر میں رہتے ہو۔انہیں تم پر شک ہے کہ تم پاکستانی ایجنٹ ہو۔وہ بھی ریٹائرڈ آرمی آفسر ہیں تو......انہیں خبر ملی تھی کہ ایک پاکستانی جاسوس بھارت آیا ہے تو انہیں لگا کہ وہ تم ہو۔پتا نہیں کیسے لگا انہیں، تو انہوں نے بس اپنا شک دور کرنے کے لیے مجھے یہ کرنے کو کہا۔میں بھی ان کے گھر کا ہی ملازم ہوں۔دیکھو مجھے جانے دو......میں اکیلا ہوں اس دنیا میں......میرا کوئی اور نہیں ہے۔بھگوان کے لیے مجھے جانے دو۔'' وہ تڑپ رہا تھا۔چاقو اس کی گردن پر ہی تھا۔

''کچے کھلاڑی کو بھیج دیا۔عجیب بات ہے وہ خود بھی آرمی سے تھے تو ایسی غلطی کیوں کی؟ اس عمر میں بڈھا پاگل ہو گیا ہے شاید۔'' اس نے سوچا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔خیر......اب تم ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ میں کوئی ایجنٹ نہیں ہوں جو کہ سچ ہے۔میں کراٹے کلاس لیتا تھا اسی لیے تمہارا وار پکڑ لیا اور اگر تم نے کچھ غلط کہا تو......میں اور تم تو ایک گھر میں ہی رہتے ہیں۔'' وہ مسٹیریس لہجے میں بولا۔

سلیم نامی نوکر سمجھ چکا تھا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو میں نہیں بچوں گا۔جھوٹ نہیں سچ بولا تو......

''چلو میرے آگے آگے......سیدھا گھر۔ورنہ تم ابھی میرا ایک دیکھ ہی روپ چکے ہو۔'' وہ اٹھا اور چلنے لگا۔وہ بھی اس کے پیچھے ہی

تھا۔سفید گھوڑا اگر چاہتا تو اس کا کام تمام کر دیتا لیکن سلیم اگر آج واپس نہ جاتا تو شرما کا شک پکا ہو جاتا اور پھر اسے ایک نیا cover تلاش کرنا پڑتا۔ اسی لیے وہ یہ کام خود کو شرما کی نظروں میں کلیئر کرنے کے بعد کرے گا۔

اسے امید تھی کہ اس کا ''را'' سے کوئی تعلق نہیں ہوگا مگر.....

آج کا دن ضائع ہو چکا تھا۔

?اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں

راستے میں چلتے ہوئے وہ clean phone (وہ فون جو خفیہ ایجنٹس استعمال کرتے ہیں، یہ ٹریس نہیں ہو سکتا) سے اپنے ساتھی ایجنٹ کو پیغام ارسال کر چکا تھا کہ آج مشکل ہے۔

☆☆☆☆☆☆

دن کے اجالے کو رات کے اندھیرے نے اپنے اندر سمیٹ لیا تھا اور اس رات کی خوبصورتی کو چار چاند لگانے کے لئے آسمان میں موتیوں کی صورت تارے بکھرے پڑے تھے جو اندھیرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلائے ہوئے تھے۔کھڑکی سے نظر آتے چاند نے اس ستاروں کے بکھیرے کو مزید خوبصورت بنا دیا یوں جیسے بادشاہ کے گرد تمام لوگ گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔

رات کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی بھی عروج پر تھی۔وہ بھی کسی شہزادی کی مانند لگ رہی تھی۔

میرون رنگ کے ڈریس میں موجود ہلکا سا میک اپ کیے، آف وائٹ سمپل سی ہیل پہنے، جس پر پازیب کی طرح ایک موتیوں کی لڑی جڑی تھی، کمر تک آتے بالوں کو کھلے آبشار کی طرح بہنے کے لئے چھوڑے اور صرف اوپر سے کچھ بالوں کا چھوٹا سا اسٹائل بنائے، وہ شیشے کے سامنے کھڑی خود کا معائنہ کر رہی تھی۔

''ہائے ماشائاللہ.....میں کتنی پیاری ہوں۔'' دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے کے گرد پھول کی طرح بنائے وہ مسکرا کر اپنی تعریف کر رہی تھی۔

وہ واقعی خوب صورت لگ رہی تھی۔خوب صورت پری.....

''آج تو وہ سڑیل مجھے دیکھتے ہی جلنے لگے گا۔آخر کو میں اس سے زیادہ خوبصورت ہوں۔'' وہ ایک ادا سے بولی۔پتہ نہیں کیوں اسے مراد کا خیال آ گیا تھا اور وہ دونوں کا موازنہ کرنے لگی تھی حالانکہ وہ لڑکا تھا اور یہ لڑکی مگر، خیر.....عورت ذات کو بھی کبھی کوئی سمجھ سکتا ہے کیا؟

''اُف، ایک چیز تو بھول ہی گئی۔'' بھلا ابھی بھی کسی چیز کی ضرورت ہے؟ وہ بیڈ پر پڑے، سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ لے آئی اور اسے اپنی گردن کے گرد باندھ دیا۔ہاں اسی کی کمی تھی۔وہ اب دوبارہ شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔

''اتنی خوبصورت لڑکی ڈرائیو کرے گی تو کتنا عجیب لگے گا ناں۔میں آج گاڑی منگوا لیتی ہوں۔'' اسے اپنی تیاری خراب ہونے کا ڈر تھا اسی لیے اس نے گاڑی منگوانے کا سوچا۔دروازہ کھلا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔

''آپی.....آپ تو جیسے اپنے ولیمے پر جارہی ہیں۔اتنا تیار کیوں ہورہی ہیں؟'' اسد نے آتے ہی شرارت سے کہا حالانکہ وہ ایمان کو دیکھ کر متاثر ہوا تھا پر وہ بھائی ہی کیا جو اپنی بہن کی تعریف کردے؟

''بدتمیز لڑکے.....ڈنر پر جارہی ہوں۔کوئی زیادہ تیار نہیں ہوئی۔اتنا چلتا ہے۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''امی بلا رہی ہیں 'ڈنر' پر جانا ہے ناں۔جلدی کریں۔'' لفظ 'ڈنر' پر زور دیتے ہوئے وہ بولا اور ایمان کی گھوری وصول کرتا نیچے چلا گیا۔وہ فون پر گاڑی منگوا چکی تھی۔

''امی گاڑی آنے والی ہے دو منٹ تک، جلدی کریں۔'' سلمہ گھر کی چابی لینے اپنے کمرے میں گئی تھیں۔پورچ میں وہ دونوں کھڑے تھے۔چند منٹوں بعد گاڑی آچکی تھی۔گاڑی منگوانے کے حوالے سے ایمان اماں کو پہلے ہی ٹھنڈہ کرچکی تھی۔

گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ چادر درست کرتی ہوئی باہر آگئی۔اسد اور سلمہ بھی موقع کی مناسبت سے تیار ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ بہت خوش تھی پر یہ خوشی دائمی نہیں تھی۔دائمی تو کچھ بھی نہیں ہوتا تو پھر انسان کیوں ہر چیز سے دل لگالیتا ہے؟

وہ کرسی پر بیٹھی موبائل پر ٹک ٹک کررہی تھی۔رات زیادہ ہوچکی تھی۔وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔وہ انتظار میں تھی۔چند منٹ موبائل پر لگے رہنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا۔وہ اٹھی اور الماری کھولی۔لال رنگ کا ایک جوڑا نکالا اور تیار ہونے لگی۔وہ خوشگوار موڈ میں تھی۔آج تو اس نے بال بھی کرل کرلیے تھے۔وہ جانتی تھی کہ رہبر کو یہ پسند ہے۔اسی دوران دروازہ کھلا اور وہ تھکا ہارا اندر داخل ہوا۔خوبصورت سی شائستہ کو دیکھ کر اس کی تھکاوٹ رفع دفع ہوگئی۔وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آدھے بال پکڑ کر آگے کردیے۔شائستہ شرمانے لگی۔

''آپ فریش ہولیں۔کھانا ریڈی ہے۔'' شائستہ نے کہا تو وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا چلا گیا۔وہ ڈائننگ روم میں آگئی اور کھانا لگایا۔تین چار منٹ بعد رہبر بھی تازہ دم ہوکر وہاں آگیا۔دونوں نے کھانا شروع کردیا۔

''رہبر.....آپ خوش ہیں ناں۔'' شائستہ نے دل میں آئے سوال کا اظہار کیا۔

''ہاں.....Obviously Wifey'' اس نے خوشی سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اب وہ اسے کیا کہتا ہے وہ اس سب کے لئے تو یہاں نہیں آیا تھا یا شاید وہ اس سب کے لئے تیار نہیں تھا۔عجیب کشمکش تھی۔جو اس کا مقصد تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کے درمیان.....محبت آگئی۔وہ شائستہ سے محبت کرنے لگا تھا۔اس کو دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس کو خوش رکھنا چاہتا تھا اور ہمیشہ اس کے ساتھ ہی رہنا چاہتا تھا مگر.....دوسری جانب اس کا مقصد تھا۔وہ کسی صورت اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے سے وہ مرجاتا یا.....مار دیا جاتا۔دیکھنا یہ ہے کہ مقصد پورا ہوتا ہے یا محبت.....؟

''میرا دل کرتا ہے کہ میرا بیٹا ہو اور ہم اسے فوج میں بھیجیں۔'' شائستہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''اور اگر بیٹی ہوگئی تو؟'' رہبر نے سوال کیا۔

''تو اسے بھی۔ میں چاہتی ہوں میری بیٹی بھی بہت بہادر ہو۔Strong as iron'' شائستہ پر جوش لہجے میں کہہ رہی تھی۔ رہبر اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

وہ واقعی اس کے دل کی ملکہ بن گئی تھی۔

مزید چند باتیں کرنے کے بعد وہ سو گئے۔ یہ وقت رہبر کے لیے فیصلے کا وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''اسلام علیکم۔ ویلکم ہوم۔'' جنت بہت اپنائیت سے ایمان اور اسکی فیملی ملیں۔

''وعلیکم السلام۔ شکریہ۔'' وہ مصافحہ کرنے کے بعد اندر آ گئے۔

لاؤنج میں بیٹھے وہ سب باتوں میں مشغول تھے لیکن ایمان کی نظریں آس پاس کسی وجود کی تلاش میں تھیں۔ اتنے میں عامر شیرازی لاؤنج میں آئے اور اجتماعی سلام کیا۔ ایمان اور اسد کو سر پہ پیار دیا اور جنت کے برابر، صوفے پر بیٹھ گئے۔

''مراد بیٹا نظر نہیں آ رہا.....'' چند باتوں کے بعد سلمہ نے جنت سے پوچھا۔

''ہائے امی.....آپ کتنی عقلمند ہیں۔ کتنی اچھی ہیں۔ میرے دل کا سوال پوچھا۔ وہ سڑیل، شوخا آئے تو دیکھتا ہی رہ جائے۔ پتہ نہیں کہاں رہ گیا ہے؟ آ بھی آ جاؤ۔'' ایمان نے دل میں سوچتے ہوئے امی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

''اوپر اپنے روم میں ہے بس آتا ہوگا۔'' جنت کے اتنا کہنے پر سیڑھیوں سے قدموں کی آواز آئی۔ بے ساختہ سب نے اس طرف دیکھا۔ وہ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس، شلوار جوتوں سے تھوڑی اوپر ہی رکھے، چہرے پر ہلکی داڑھی، کلائی کی گھڑی پہنے اور پاؤں میں براؤن کلر کی سینڈل پہنے چلتا آ رہا تھا۔ مراد نے آ کر سب کو سلام کیا۔ سلمہ نے اٹھ کر اسے پیار کیا۔ ایمان کو بھی اس نے سپیشل سلام کیا۔ ایمان نے بھی جواب دیا۔ وہ دوسری طرف، اس کے عین سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کو بار بار دیکھ رہے تھے۔

''اسے کیسے پتا کے بلیک میرا فیورٹ کلر ہے؟'' ایمان نے دل میں سوچا۔

''ویسے آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' ایمان کے ہاتھ میں پکڑے فون پر ہلکی سی سنسناہٹ ہوئی تو کسی unknown نمبر سے آیا میسج پڑھ کر اس نے بے اختیار سر اٹھا کر مراد شیرازی کو دیکھا۔ مراد سر نیچے رکھتے ہوئے ہی مسکرا دیا وہ سمجھ گئی کہ یہ وہی ہے۔

''آپ کے پاس میرا نمبر کہاں سے آیا؟'' ایمان نے ریپلائی کیا۔

''میرے پیشے کے لوگوں کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔'' اس نے لکھا مگر وہ آگے فارورڈ نا کر پایا۔ شاید وہ ابھی ایمان کو اس سے جڑے رازوں سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے میسج مٹا دیا۔ اب وہ کچھ اور لکھ رہا تھا۔

''وہ ڈیڈ نے آپ کا کارڈ دیا تھا تو اس پر مینشن تھا۔'' مراد کا جواب آیا۔

''اچھا.....میں بڑوں کی باتوں سے بور ہو رہی ہوں مجھے اپنا گھر ہی دکھا دیں۔'' ایمان نے پھر میسج بھیجا جس پر ہنوز اسکرین پر دیکھتا مراد بے ساختہ ہنس دیا۔ ایمان کے علاوہ کسی نے اس کی ہنسی نہیں دیکھی تھی۔ سب اپنی دنیا میں مگن تھے اور وہ دونوں اپنی۔

''اف.....میں نے ایسا کیا کہا جو آپ ہنس رہے ہیں؟'' ایمان نے میسج بھیجا۔ وہ اس کے انداز کی خفگی آگے بنی ایموجی سے سمجھ سکتا تھا۔

''مام، ڈیڈ.....آپ لوگ باتیں کریں۔ میں ایمان اور اسد کو گھر دکھا آؤں۔'' مراد نے صوفے سے اٹھ کر کہا اور وہ تینوں گھر کی سیر کو چل پڑے۔

مراد نے انہیں اپنا سارا گھر دیکھایا تھا۔ اپنا کمرہ اور اپنی اسٹڈی بھی۔

وہ دونوں دیکھ کر بہت ایمپریس ہوئے۔

دس منٹ بعد وہ واپس آ گئے اور اتنے میں کھانا لگ چکا تھا۔ مراد اور ایمان بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ شاید ان کے درمیان کوئی ایسی بات ہوئی ہو جس کا ہمیں علم نہ ہو؟ خیر.....

کھانا کھانے اور مزید ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ گھر چلے گئے۔ دونوں فیملیز ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش تھیں۔ سلمہ نے بھی جاتے ہوئے اپنے ہاں دعوت دی جسے جنت نے خوشدلی سے قبول کیا۔

مراد خود ان کو ڈراپ کرنے گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''ایجنٹ سیون بتا رہا تھا کہ تم مشکل میں ہو؟'' پاکستانی ایجنٹ ہینڈلر (کرنل) نیوسف سے پوچھا۔

''نہیں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ میں جس گھر میں رہتا ہوں اس کے مالک نے بس اپنا شک دور کرنے کے لیے ایک انتہائی بے وقوف بندے کو بھیجا تھا۔ میں اسے ٹھکانے لگانے ہی جا رہا تھا کہ آپ کا فون آ گیا۔'' یوسف نے تمام صورتحال کی اطلاع دی۔

''چلو اچھا ہے کہ سب کچھ کنٹرول میں ہے۔ اپنا خیال رکھنا وائٹ ہورس۔'' کرنل نے کہا اور فون بند ہو گیا۔ وہ اسے یوسف ہی بلاتے تھے پر جب انہیں اس کی زیادہ فکر ہوتی تو وہ اسے وائٹ ہورس کہہ کر بلاتے تھے۔

اس کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکلا اور اپنے ہدف کے کمرے کے باہر کھڑا ہو گیا۔ دروازے کے نیچے سے اسے روشنی دکھائی دے رہی تھی یعنی اندر وہ جاگ رہا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

''کون؟'' اور جواب سے پہلے ہی وائٹ ہورس نے دروازہ کھول دیا۔ کھلے دروازے کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ وہ دو قدم قریب آیا۔

''ہاں.....تو جہنم رسید ہونے کے لیے تیار ہو؟'' اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا اور اس کا ہدف خوف کے مارے اور پیچھے ہٹا۔ وہ قریب آیا۔

''نہیں.....میں نے.....'' جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ جہنم واصل ہو چکا تھا۔

گھر آ کر اس نے وائٹ ہورس کی ہدایت کے مطابق ہی شرما کو سب کچھ بتایا تھا مگر وائٹ ہورس اسے ایسے ہی نہیں چھوڑ سکتا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ وہ مستقبل میں اس کے لیے مصیبت کا باعث بنے۔اسے یہاں مزید دو یا تین دن رہنا تھا۔اس عرصے میں وہ کوئی مصیبت مول نہیں لے سکتا تھا۔رامونا می نوکر کی لاش کو پچھلے باغ میں خودی گئی قبر میں ڈال کر وہ اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔تمام ثبوت، جیسے خون کے دھبے وغیرہ، وہ صاف کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''میرا ایک بسکٹ کہاں گیا؟'' ایمان نے بسکٹ کا خالی پیکٹ دیکھتے ہوئے حیرت سے پاس بیٹھے اسد سے سوال کیا۔

''خود ہی کھایا ہے آپ نے ابھی۔'' اسد نے اپنے ہاتھ میں پکڑے بسکٹ کو چھپاتے ہوئے جھوٹ بولا۔

''نہیں۔میں نے تو نہیں کھایا..... پتہ نہیں۔مجھے یاد ہی نہیں.....'' وہ الجھ کر بولی۔

''کہاں گم ہیں آپی؟'' اب وہ بسکٹ کھا چکا تھا۔بغیر آواز کے.....

''کہیں نہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ لائٹ آف کر کے اپنے پلنگ پر آ کر لیٹ گئی۔

اسد اپنے پلنگ پہ لیٹا تھا۔اس کا سائڈ لیمپ چل رہا تھا۔

ایمان نے آنکھیں بند کیں۔اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ چکا تھا لیکن اس کے ذہن میں یہ اندھیرا، اجالے کی مانند تھا۔وہ اپنے اور مراد کے درمیان ہونے والی باتوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

''ویسے تعریف کے لئے شکریہ۔آپ اتنے بھی سڑیل نہیں ہیں جتنے بھی آپ کو سمجھتی تھی۔'' بالکونی میں کھڑے دونوں سڑک کو دیکھ رہے تھے جب ایمان بولی۔

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔''میں سڑیل تو بالکل نہیں ہوں۔میں بہت خوش اخلاق ہوں۔بس شاید کبھی کبھی ہو جاتا ہوں۔اس دن فلائٹ میں بس میرا موڈ خراب تھا تو اس کے لیے سوری۔'' مراد نے اس دن والی بات پہ معذرت کی۔

''اچھا.....چلیں چھوڑیں۔'' ذرا رکی۔''ویسے آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے اور آپ خود بھی۔'' آخری جملہ اس نے منہ میں کہا۔مراد سن چکا تھا مگر انجان بنا رہا۔مراد ایک بار پھر ہنس دیا۔

''شکریہ۔'' ہنسی پر قابو رکھتے ہوئے وہ بولا۔ایمان دوبارہ خالی سڑک کو دیکھنے لگی۔

''ویسے آپ کا شادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' مراد نے سوال کیا۔ایمان کے لیے یہ سوال تھوڑا غیر متوقع تھا۔اس نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔وہ اس کی بات کا مطلب تو سمجھ چکی تھی مگر بظاہر انجان بنی رہی۔مراد ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''کبھی سوچا نہیں۔'' ایمان نے کہا۔

اسد بالکونی سے باہر تھا اس لیے ان دونوں کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔

''اچھا تو اب سوچ لیں۔'' مراد نے جیسے تجویز پیش کی۔

''جب کوئی اچھا لڑکا ملے گا تو کرلوں گی شادی۔'' عام سے لہجے میں بولتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے۔

''ویسے مجھے سارے بہت 'اچھا' لڑکا کہتے ہیں۔'' لفظ 'اچھا' پر زور دیتے ہوئے مراد نے محظوظ لہجے میں کہا تو ایمان نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے اپنی نظروں کے احاطے میں لئے ہوئے تھا۔ ایمان کو یاد آیا کہ اس دن شاپنگ سے واپسی پہ امی نے بھی کہا تھا کہ مراد بہت اچھا لڑکا ہے۔

نظروں کا یہ ٹکراؤ چند ساعتیں چلتا رہا اور پھر ان دونوں نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا جس پر دور بیٹھے اسد نے انہیں دیکھا۔

''چلیں پھر..... میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کتنے اچھے ہیں؟'' ایمان کا لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ وہ دونوں اب خاموشی سے باہر سڑک کو دیکھ رہے تھے۔

ان کے درمیان اظہارِ محبت ہو چکا تھا۔ وہ دل کے کسی کونے میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے مگر کبھی ظاہر نہ ہونے دیا تھا یا شاید موقع ہی نہ ملا تھا۔ آج اس خوبصورت رات میں وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے کی امانت تصور کر چکے تھے کیونکہ محبت امانت ہوتی ہے۔ اس میں خیانت کرنے والوں کو یہ تباہ کر دیتی ہے۔ یہ محبت کا بدلہ ہوتا ہے اور جو اس کا خیال رکھیں، اسے پاک رکھیں تو وہ انہیں محبت کے آخری درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ محبت کا آخری درجہ نکاح ہے۔

انہیں خوبصورت پہلو کو یاد کرتے ہوئے وہ سو گئی۔

خوبصورت رات میں وہ پل

لمحہ بہ لمحہ سرکتے وہ پل

خوشبوئیں سموئے وہ پل

محبت لٹاتے وہ پل

ساتھ نبھانے کا وعدہ کرتے دو پھول

شبنم سے تر دو پھول

گواہ ہیں وہ پل

گواہ ہیں وہ پل

وہ پل.....

وہ پل.....

☆☆☆☆☆☆

باب پنجم

حیوان

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دنیا بیدار ہو کر سورج کی کرنوں کا مقابلہ کرتی ہوئی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو چکی تھی۔

''یوان بھائی؟ آپ میرے ساتھ بیڈمینٹن کھیلیں گے؟'' شرما وِلا کے لان میں روہن اپنے والد آکاش کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ انیکسی سے نکلتے ویوان پر نظر پڑی تو وہ پکار اٹھا۔ دور کھڑی حیما بھی اس طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ ویوان (ایجنٹ وائٹ ہورس) نے ایک نظر مسٹر شرما کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے اور میدان میں آ گیا۔

پندرہ بیس منٹ کھیلنے کے بعد وہ اندر جانے لگا کہ مسٹر شرما اس کے قریب آئے۔

''تم تو بہت اچھا کھیلتے ہو۔ اپنے وقت میں میں بھی بیڈمینٹن کھیلتا تھا۔ جب ہم کالج میں تھے تو میں اپنی ٹیم کا کیپٹن تھا۔ ہم نے دوسرے کالج کے خلاف میچ لڑا تھا اور ہم جیت گئے تھے۔ وہ ٹرافی میرے پاس آج بھی ہے۔ میری پہلی جیت.....'' انہوں نے بات کا آغاز کیا۔ اسے ان قصوں میں ذرا دلچسپی نہیں تھی مگر وہ سنتا گیا۔

''ویری نائیس.....'' اب وہ اور کیا کہتا؟

''خیر چھوڑو.....''

''بابا جی مجھے تو کوئی ضرورت نہیں اس سب کی۔ خود ہی بتا رہے اور مجھے کہہ رہے ہیں چھوڑ۔'' اس نے دل میں سوچا۔ وہ اب زبان سے یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا۔ دور کھڑی حیما مسلسل اسے دیکھ رہی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح انجان بنا رہا۔

''تم بتاؤ۔ تمہاری جاب کا کیا بنا؟ دو دن سے تم جا رہے ہو کیا ابھی تک نہیں ملی؟'' اسے یہاں آئے آج دوسرا دن تھا اور وہ دونوں دن ہی باہر جاتا رہا۔ سب کو تو یہی لگتا تھا کہ وہ جاب کی تلاش میں جاتا ہے پر درحقیقت وہ تو اپنے مشن پر کام کرنے جاتا ہے۔

''مل گئی ہے۔ ایک کیفے میں ملی ہے فی الحال۔ آج سے جانا ہے۔ ابھی شروع کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' اس نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

''تمہیں پتا نہیں چلا کہ کل رات کو رامو بھاگ گیا؟'' وہ نارمل لہجے میں بولے مگر یوسف کو لگا کہ شرما جیسے اس پہ طنز کا تیر چلایا ہے مگر وہ چپ رہا۔

''افسوس ہوا، مجھے خبر نہیں ہوئی۔'' انداز میں سنجیدگی تھی۔ وہ لان کی ہری ہری گھاس کو دیکھ رہا تھا۔ ''پھر ملتے ہیں۔ گڈ ڈے۔'' وہ

کہہ کر چلا گیا۔

اکاش شرما کا شک تقریباً ختم ہو چکا تھا مگر وہ ایک آرمی آفیسر رہ چکے تھے اسی لیے اتنی آسانی سے وہ کسی پر مکمل طور پر بھروسہ نہیں کر سکتے تھے لیکن جب وہ راموکا سوچتے تو انہیں اپنا شک درست لگتا پر جب وہ ویوان سے ملتے تو ان کا شک دور ہو جاتا۔ وہ انہی دونوں کیفیتوں کے درمیان تھے۔

وہ اسی کیفے میں جاب کرنے لگا تھا جہاں اس کا دوست پہلے سے ہی تھا۔ وہ کیفے ایسے علاقے میں تھا جہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ وہاں پہنچا اور پہلے سے موجود اپنے ساتھی ایجنٹ کے ہمراہ ایک پرائیویٹ روم میں چلا گیا۔

''رات تک تمہیں وہاں جانا ہوگا۔ مجھے لگتا ہے آج رات ٹھیک ہے۔'' اب وہ یوسف کو یونٹ کا نقشہ سمجھا رہا تھا۔

''کیا قتل بھی آج ہی کرنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تم پر منحصر ہے۔'' اس نے فیصلہ سفید گھوڑے پر چھوڑا۔

''او کے میں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے کہا۔

''یہ تمہارا سامان ہے۔ اس میں ہونٹ کا یونیفارم تمہیں وہیں سے ملے گا۔'' ایجنٹ نے کہا اور یوسف اس کی بات کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ یعنی اسے وہاں ہی کسی گارڈ وغیرہ کا کام تمام کر کے اس کے کپڑے لینے تھے۔

تمام تفصیلات سے آگاہ کر کے وہ چلا گیا۔

وہ اٹھا اور کیفے کاؤنٹر کی سیٹ پر براجمان ہو گیا۔ یہ اس کے ناٹک کا حصہ تھا۔

دور کہیں سڑک پر کھڑا ایک شخص اسے ہی دیکھ رہا تھا اس شخص کو پہچاننے میں یوسف کو کوئی دقت نہیں ہوئی مگر اس نے اس بندے پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اسے دیکھ چکا ہے۔ وہ اس کے گھر کا مالک تھا۔ وہ مسٹر شرما تھا۔

وہ اپنا شک دور کرنے کے لئے آیا تھا اور شاید اس کا شک دور ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''آپ کو ایمان کیسی لگی؟'' جنت نے عامر کو کوٹ پہناتے ہوئے سوال کیا۔ وہ آفس کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

''خدا کا خوف کرو بیگم..... میری بیٹیوں کی طرح ہے وہ اور ویسے بھی اب میری شادی کی عمر تھوڑی ہے؟'' اپنے ازلی شرارتی انداز میں عامر نے کہا جس پر جنت اُف کر کے رہ گئیں۔ عامر نے قہقہے کو فضا میں چھوڑا۔

''ایک تو آپ بھی ناں..... میں مراد کے حوالے سے بات کر رہی ہوں۔'' جنت نے لہجے کی خفگی دور کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... ماشاءاللہ۔ بہت اچھی ہے، صوبر اور پڑھی لکھی ہے۔ دونوں ساتھ اچھے لگیں گے۔'' عامر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وہ کوٹ پہن چکے تھے۔

''کل چلیں پھر اس کے گھر؟'' جنت نے دراز کھولتے ہوئے کہا۔

''مراد سے تو پوچھ لو بیگم۔'' عامر نے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔

''اسے کیا اعتراض ہوگا؟'' جنت اب دراز میں کف لنکس ڈھونڈ رہی تھیں۔

''پھر بھی۔'' عامر نے کہا۔ کف لنکس مل گئے تھے۔

''اچھا ڈنر پر بات کریں گے۔'' جنت نے عامر کو کف لنکس پکڑاتے ہوئے کہا۔

''او کے۔'' وہ اپنے کف لنکس لگاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔ انہیں کسی کے قدموں کی آواز آئی تھی جیسے کوئی ابھی وہاں سے پلٹا ہو۔ بلاشبہ وہ مراد ہی تھا۔ وہ سب سن چکا تھا۔ عامر ہنس دیے۔

اپنے کمرے میں آ کر مراد نے اللہ کا ڈھیروں شکر ادا کیا۔

''اے میرے پروردگار! تو مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔ میرے دل کے خیال کو تو نے میرے والدین کے دل میں ڈالا۔ میں اس کے لئے بہت شکر گزار ہوں۔ واقعی اللہ..... محبت میں پاکیزگی ہو تو آپ راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کر دیتے ہیں۔ الحمدللہ۔'' وہ تہہ دل سے اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''اس کے بعد کیا کیا تم نے؟'' غصے سے دھاڑتے ہوئے اس نے اپنا ایک پیر کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص کے گھٹنے پر رکھا۔ اس آدمی کی کنپٹی سے خون رِس رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کرسی کے ہتھے سے بندھے ہوئے تھے۔ پاؤں بھی زنجیروں کی زد میں تھے۔

غرضیکہ وہ ایک قیدی تھا۔

''میں نے اس سے شادی کی اور مجھے اس سے محبت ہوگئی۔ میں چاہ کر بھی ایسا کرنے سے خود کو روک نہیں پایا.....'' وہ کہتے کہتے رو پڑا۔ ایک ٹانگ پر کھڑا وہ اس شخص کی کتھا سن رہا تھا۔

کمرے میں جلتا ایک واحد بلب اس سارے منظر کا گواہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ سب روزانہ کی طرح ڈنر کے لئے ڈائننگ روم میں موجود تھے۔ بریانی اور کوفتوں کی خوشبو سارے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی۔ سب کھانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''مراد تمہیں ایمان پسند ہے ناں؟'' عامر نے یہ سوال اچھالا۔ وہ تینوں کچھ دیر کے لیے کھانا چھوڑ چکے تھے۔

مراد کو اتنے کلیئر سوال کی توقع نہیں تھی اور ان کے سوال کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ جانتے تھے کہ مراد کو ایمان واقعی پسند ہے۔ اور ایسا ہی تھا۔

ہم اپنے بچوں سے ایسے سوال کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں۔ شرم کیوں آتی ہے بھلا؟ کیا کسی کو پسند کرنا بری بات ہے کیا یا اپنی پسند کا اظہار کرنا غلط ہے؟

''جی۔''اس نے نارمل انداز میں کہا۔

''تو ہم کل اس کے لیے تمہارا پروپوزل لے کر جا رہے ہیں۔''جنت نے خوشدلی سے کہا۔

''اوکے۔''وہ اسی انداز میں بولا۔شاید ایک حیا تھی جو وہ اپنی خوشی کا اظہار نہ کر سکا۔

وہ اب ڈنر کرنے میں مصروف ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

رات کے گھپ اندھیرے.....میں وہ ایک گاڑی میں بیٹھا.....انتظار کی گھڑیاں طے کر رہا تھا۔اتنے میں ایک باوردی شخص سامنے نمودار ہوا اور چلتا چلتا اس کے قریب آ گیا۔

''گاڑی اندر لے کر جانی ہے۔پہلے تم سارے حالات کو دیکھو اور پھر کچھ کرنا۔ویسے بھی وہ آج کل تمہاری تلاش میں مگن ہیں۔''وہ اسے حالیہ خبروں سے مطلع کر رہا تھا۔وائٹ ہورس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔''میں نے راستہ صاف تو کر دیا ہے اب دیکھو۔''یوسف کے ساتھی ایجنٹ نے بات جاری رکھی۔

وائٹ ہورس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

کچھ دیر بعد وہ یونٹ کے اندر تھے۔

''تمہیں اپنا نام وغیرہ تو یاد ہے ناں؟''فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ایجنٹ بل نے سوال کیا۔

''ظاہر ہے۔''یوسف نرم لہجے میں بولا۔

گاڑی مقررہ جگہ پر پارک کر کے وہ دونوں اندر چلے آئے۔شناختی کارڈ دکھا کر وہ دونوں اندرون حصے میں داخل ہو چکے تھے۔ایک کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے انہوں نے کچھ آوازیں سنیں۔وہ دونوں رک کر باتیں سننے لگے۔

اور چونکہ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا تو اندر دیکھنا آسان تھا۔اس نے لیش مہرا کو دیکھ لیا تھا اور وہ سکتے میں آ گیا تھا۔اس نے آدھی آستین کی شرٹ پہن رکھی تھی جس سے اس کے بازو نظر آ رہے تھے۔اس کے ہاتھ پر ایک نشان تھا۔وہ نشان دیکھ کر حیران ہو گیا۔ہو بہو ایسا ہی ایک نشان اس کے ہاتھ پر بھی تھا۔اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔آخر دونوں کے ہاتھ پر ایک جیسا نشان کیوں تھا؟اسے ابھی یہ سب نہیں سوچنا تھا۔اسے ابھی بس اپنے مشن پر فوکس کرنا تھا۔

لمحے میں وہ خود کو قابو کر چکا تھا۔

''سر ہم نے اس جیسا ایک شخص ایک کیفے میں دیکھا ہے۔معلوم نہیں اب وہ وہی ہے یا کوئی اور.....؟''اندر ایک آدمی بول رہا تھا۔

''تو پتہ کرو۔''ہمیشہ کی طرح وہ تلخی سے بولا۔

''یس سر۔''سلیوٹ کرتا ہوا وہ کمرے سے باہر جانے لگا۔قدموں کی آواز قریب آتی سنائی دی تو وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔اسی فلور پر ایجنٹ بل کا کمرہ تھا۔

وہ اندر آ گئے۔

''کیا وہ میری بات کر رہے تھے؟'' یوسف نے پوچھا۔

''نہیں.....کٹرینہ کیف کی۔'' ایجنٹ بل نے تلخی سے کہا تو وہ دونوں ہنس دیے۔

وائٹ ہورس کا دماغ ہنوز اس نشان پر اڑا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

دروازہ زناٹے سے کھلا۔ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔

''ایجنٹ وائٹ ہورس پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں۔اس کو شک ہو گیا ہے کہ آپ بیس میں ہیں۔آپ کی جان کو خطرہ ہے۔پلیز آپ یہاں چلے جائیں۔ہمارے پاکستانی ایجنٹ ہینڈلر (کرنل) سے ہماری بات ہو گئی ہے۔وہ بھی آپ کو واپس آنے کا کہہ رہے ہیں۔پلیز گو۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔وہ ابھی پاکستانی ایجنٹ تھا۔اتنے میں اس کی جیب میں رکھے فون پر وائبریشن ہوئی۔اس نے فون باہر نکالا۔

''Agent White Horse, leave the unit asap''

اتنا پڑھتے ہی وہ اپنے ساتھی ایجنٹ بل کی طرف دیکھنے لگا۔

''ان کو شک کیسے ہوا؟'' وائٹ ہورس نے حیرت سے کہا۔

''ہر جگہ غدّار موجود ہیں میرے بھائی۔'' بل نے نرم لہجے میں کہا۔وہ ایسی صورتحال کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔یہ ان کے لیے ایک عام بات تھی۔

''اب.....؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''فکر مت کرو۔بیڈ کے نیچے ایک سرنگ ہے۔تم وہاں سے نکل سکتے ہو۔آؤٹ آف دا بلڈنگ۔'' بل نے بتایا اور بیڈ کا گدا اٹھایا۔وہاں ایک ڈھکن سا تھا۔اس کے نیچے لوہے کی سیڑھیاں دیوار کے اندر چسپاں تھیں۔وہ ان کی مدد سے نیچے اتر گیا۔ٹارچ اس کے پاس تھی لہذا دیکھنے میں آسانی ہوئی۔وہ سرنگ کافی لمبی تھی۔وہ تیز تیز چلتا ہوا اس یونٹ میں سے باہر نکل آیا۔باہر وہی کیفے والا ایجنٹ موجود تھا۔اس نے سفید گھوڑے کی باہر آنے میں مدد کی۔سانس بحال ہونے کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھا۔

دوسرے ایجنٹ نے فوراً گاڑی چلا دی۔وہ واپس اپنے کورتک آ چکا تھا۔باہر رات مزید گہری ہو گئی تھی۔دورا کا دکا لائیٹیں جلتی نظر آ رہی تھیں۔

''تم آدھی رات کو یہاں، کہاں گئے تھے تم؟'' آکاش شرما وہیں لان میں بیٹھے تھے۔اسے آتا دیکھ کر چونک گئے۔

''کچھ نہیں۔بس ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔'' اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا۔

''دوست سے.....اور اب تم واپس یہ لینے آئے ہو؟'' اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل کو ہوا میں لہراتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

سفید گھوڑے کی پشت اس کی طرف تھی۔ وہ آگے بڑھا اور سفید گھوڑے کے دونوں ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے پیچھے کر کے ایک ہاتھ میں اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے اور اس پر بندوق تان لی۔ آخر وہ آرمی میں تھے یہ ٹرکس تو وہ جانتے ہی تھے۔

''میں نے ہی تمہاری خبر ان کو دی گئی ہے کہ تم کیفے میں کام کرتے ہو اور اب وہ تمہیں تلاش کر رہے ہونگے۔ میں نے تمہارے کمرے میں پسٹل دیکھی تھی اور مجھے پتہ چل گیا کہ وہ پاکستانی پسٹل ہے اور مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ رامو بھاگا نہیں ہے بلکہ تم نے اسے مارا ہے۔ بتاؤ کون ہو تم؟'' وہ غصے میں بولے تو سفید گھوڑا ہنس دیا۔

''تمہیں واقعی لگتا ہے میں سب بول دوں گا؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے آکاش کے گھٹنے پر پیر سے وار کیا۔ وہ درد سے کراہ اٹھا اور گرفت چھوٹی.....پسٹل نیچے گر گئی۔ وہ خود بھی نیچے گر گیا اور درد سے کراہ رہا تھا۔

آکاش کو یوں زمین پر گرا دیکھ کر حیما بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی اور باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ تو لان میں واک کرنے آئی تھی پر یہاں منظر ہی اور تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے دیوان۔'' اس نے اپنے باپ کا سر ہاتھ میں اٹھایا اور یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ اس کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ غصے کے عالم میں اٹھ کر ایجنٹ وائٹ ہورس تک آئی اور اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''میں نے تم سے محبت کی اور تم نے میرے باپ کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ کیوں ایسے مارا تم نے باو؟ جی کو؟'' اس نے روتے ہوئے کہا تو وائٹ ہورس نے اسے دھکا دے کر پیچھے کیا۔ حیما کا سر پاس رکھے گملے سے ٹکرایا اور وہ نیم بے ہوش سی ہو گئی۔

سفید گھوڑے نے فوراً نیچے گری بندوق اٹھائی۔

''میں دہشت گردوں کے لیے ریڈ سگنل ہوں۔ خطرے کا ریڈ سگنل۔'' وہ غصے سے دیکھتے ہوئے بولا۔

بوڑھا آکاش اسی طرح زمین پر گرا پڑا تھا۔ اپنی بیٹی کو بے ہوش دیکھ کر بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

''تم دہشتگردوں کو جہنم رسید کرنے کے لیے اللہ نے مجھے یہ ذمہ داری دی ہے۔

جب تک میں زندہ ہوں میرے ملک کو کوئی ہاتھ نہیں لگا پائے گا۔

میں ایک جاسوس ہوں۔

تم سب کی موت کا پروانہ ہوں۔

میں پاکستان کا رکھوالا ہوں۔'' وہ کہہ کر ایک اور جوتا اس کی ٹانگ پر مارتا ہوا باہر جانے لگا۔

''میں نے ہی وہ پسٹل سامنے رکھی تھی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے اس گھر سے نکال دو۔ مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم راسے کا نٹیکٹ میں ہو۔ میں اب یہاں محفوظ نہیں تھا۔ خیر..... مجھے فرق نہیں پڑتا لیکن یاد رکھنا۔ میں.....واپس ضرور.....آؤں گا اور تم سب کو جہنم واصل کر کے ہی جاؤں گا۔'' وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولا اور باہر نکل گیا۔

اسے اپنے سامان سے بس یہی چیز چاہیے تھی باقی تو صرف کپڑے ہی تھے۔

لان میں اکاش شرما کا وجود بے سُدھ پڑھا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے چلنے کا اشارہ کیا۔گاڑی آگے بڑھ گئی۔سڑک کو چیرتی ہوئی وہ اس جگہ تک جانے کے لئے تیار تھی جہاں سے ایجنٹ وائٹ ہاؤس نے اس سرزمین ہندوستان پر قدم رکھا تھا۔

سورج نکلنے سے قبل یہ سفر تمام ہوا ہونا چاہیے تھا۔

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔اس کے ذہن میں وہ نشان ابھی تک گردش کر رہا تھا۔ویسا ہی ایک نشان اس کے بازو پر بھی تھا۔وہی جگہ.....اور وہی..... چھاپ۔وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

جدا رہتی ہیں
ان کی پشتیں
اپنی آرام گاہوں سے
وہ پکارتے ہیں
اپنے رب کو
خوف سے اور خوشی سے
اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے
اس میں سے خرچ کرتے ہیں
پس نہیں کوئی نفس جانتا
جو چھپایا گیا ہے ان کے لیے
ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے
جزا ہے
اس کی جو وہ عمل کرتے ہیں
کیا جو شخص مومن ہے
مانند فاسق کے ہوسکتا ہے؟
وہ (دونوں) برابر
نہیں ہوسکتے o (سورۃ السجدہ:18-16)

وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔نیند سے بیدار ہوتے ہوئے اس نے موبائل پر ٹائم دیکھا۔فجر پھوٹنے میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔وہ اٹھا اور وضو

کرنے چلا گیا۔ وضو کر کے اس نے جائے نماز بچھایا اور تہجد کے دو نفل پڑھنے کے لئیا اللہ اکبر کہا۔

ذہن سے ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے اس نے نماز میں اپنے رب سے باتیں شروع کر دیں اور سورۃ فاتحہ کے پہلے حصّے میں اپنے رب کی تعریف بیان کر رہا تھا اور دوسرے حصے میں اپنے لئے مدد کا طالب تھا۔

اس کے بعد قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر وہ رکوع میں گیا اور ایسے ہی دو سجدے کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو چکا تھا۔

سلام کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اللہ کی حمد و ثنا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج کر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

''الحمدللہ.....اللہ نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہے۔ مجھے جو چاہیے ہوتا ہے اللہ اسے میرے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ میں صرف اور صرف اللہ پر ہی انحصار کرتا ہوں۔ صرف اسی سے مانگتا ہوں۔ کسی اور سے نہیں مانگتا۔ صرف اس کی ذات پر ہی کامل یقین رکھتا ہوں۔'' وہ اپنے اور اللہ کے درمیان یقین کے رشتے کا اظہار کر رہا تھا۔

''آپ سے میری یہ دعا ہے کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے حق میں بہتر کرنا۔ ہمارے درمیان پاک رشتہ رہے ہمیشہ.....اور ہم آپ کے بتائے ہوئے طریقے سے زندگی بسر کریں۔ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، ڈائریکٹ..... مجھے دو سال حرام ریلیشن شپ میں نہیں رہنا اللہ۔ مجھ سے وہ بے ہودہ باتیں نہیں ہوتیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اپنے اور ایمان کے درمیان ایک مضبوط حقیقی راستہ چاہتا ہوں۔ بس آپ سب کے دل نرم کر دیں اور ہمارا نکاح کرا دیں۔'' وہ شاید پہلا مرد تھا جو منگنی سے زیادہ نکاح کو اہمیت دے رہا تھا ورنہ آج کل تو ہم نے تین سال منگنی رکھنی ہے۔ اس میں ہم ایک دوسرے کو سمجھ لیں پھر شادی کریں گے۔ اور اس دوران کتنی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں.....غیر حقیقی وعدے اور کتنی ہی حرام ملاقاتیں.....اعوذ باللہ۔ اللہ ہمیں حرام تعلقات سے نجات دے۔ آمین۔

دعا مکمل کرنے کے بعد اس نے فجر کی اذانیں سنیں اور پھر مسجد کا رخ کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

''تم منہ میں کیا پڑھ رہے تھے؟'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے ایجنٹ نے وائٹ ہورس سے استفسار کیا۔

''کب؟'' یوسف نے کھوجی لہجے میں پوچھا۔

''ابھی گھنٹے پہلے ہی جب تم سیٹ سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔ پہلے مجھے لگا تم سو رہے ہو مگر مسلسل تمہارا منہ ہل رہا تھا کیا کچھ پڑھ رہے تھے؟'' اس نے دوبارہ پوچھا تو یوسف مسکرایا۔

''میں روزانہ رات کو کچھ پڑھتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے رک گیا۔

یوسف کے موبائل پر وائبریشن ہوئی۔ اس نے میسج دیکھا۔

''White horse, are you safe'' میسج آیا۔

''یس۔ الحمدللہ۔'' میسج گیا۔

''کیا پڑھتے ہو؟'' ایجنٹ نے دوبارہ پوچھا۔

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزانہ رات کو وہ سورتیں پڑھ کر سویا کرو جس کی تیس آیات ہیں۔ایک آپ کو قیامت والے دن سوا نیزے اوپر آئے سورج کی تپتی کرنوں سے بچائے گی یعنی اللہ کے عرش کا سایہ کرے گی اور دوسری آپ کو قبر کے عذاب سے بچائے گی۔'' یوسف نے حدیث بیان کی۔وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

''اور وہ سورتیں کون سی ہیں؟ نام بھی بتا دو تا کہ میں بھی پڑھ سکوں۔'' ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بولا۔

''ایک سورتہ ملک ہے اور دوسری سورتہ سجدہ۔'' یوسف اپنی بات کہہ چکا تھا۔

''او کے۔انشائاللہ، میں بھی کوشش کروں گا۔'' اس نے کہا۔

''کوشش کرنے سے اچھا اگر تم نیت کرو تو دیکھنا کہ اللہ تم سے یہ کام آج ہی کروا دے گا۔'' اس نے ایک اور حل بتایا۔وہ اب بھی سامنے اسکرین پر ہی دیکھ رہا تھا۔

اب دونوں خاموش تھے۔رات کے اندھیرے کو آہستہ آہستہ سورج کی نامحسوس ہوتی روشنی نے نیلا رنگ دے دیا تھا۔وہ اپنی منزل کے بہت قریب تھے۔

☆☆☆☆☆☆

دوپہر شام میں بدل رہی تھی۔گرمی کم ہوگئی تھی اور آفس سے چھٹی بھی ہو چکی تھی۔سب اپنے اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے۔کوئی اپنی گاڑی میں تو کوئی لوکل۔ایسے میں وہ بھی سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔آفس بیگ ہاتھ میں پکڑے، بالوں کو جوڑے میں سمیٹے، پنک رنگ کا سوٹ پہنے وہ بہت پروفیشنل لیڈی معلوم ہوتی تھی۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دوں؟'' مراد سڑک پر رکشے کا انتظار کرتی ایمان کو دیکھ کر اس تک آیا۔گہرے ہرے رنگ کی چیک والی شرٹ کے نیچے کالے رنگ کی پینٹ پہنے، کلائی کی گھڑی پہنے، ایک ہاتھ میں فون اور گاڑی کی چابی، دوسرے ہاتھ سے والٹ کو جیب میں رکھتے وہ اس تک آیا۔

''نہیں.....میں خود چلی جاؤ گی۔'' ایمان نے انکار کر دیا۔اس کی گاڑی ورکشاپ پر تھی اس لئے وہ آج لوکل آئی تھی۔

''مگر.....'' مراد نے بولنا چاہا۔

''مراد.....میں آپ کے ساتھ اکیلی نہیں جا سکتی۔یہ مناسب نہیں ہے۔'' ایمان نے اس کی بات کاٹ کر وجہ بتائی۔اس کے منہ سے مراد نے آج پہلی دفعہ اپنا نام سنا تھا۔آج اسے اپنا نام بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔

''کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' مراد نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

ایمان نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی۔آس پاس ٹریفک کا شور بہت زیادہ تھا۔

''ہمارے درمیان فی الحال کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر میں آپ پر اعتبار کروں۔جب ہوگا تو کر لوں گی۔'' یہ کل والی

ایمان نہیں تھی۔ یہ کوئی اور تھی۔

آخر کیوں..... کیوں وہ ایک بار اسے چلبلی سی ملتی تھی اور اگلی بار سنجیدگی کی ایک سنجیدہ قسم.....

وہ یہ سب آخر مینیج کیسے کرتی تھی؟ یہ بات تو وہی جانتی تھی۔

''ویری گڈ۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی۔'' وہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

مراد کو بے حد خوشی ہوئی تھی کہ اس کا انتخاب بہت اچھا تھا۔ باحیا تھا۔ وہ کسی ایرے غیرے پر اعتبار نہیں کرتی تھی۔ یہ ایک اچھی لڑکی کی صفت ہوتی ہے۔ منہ اٹھا کر کسی غیر آدمی کے ساتھ چلے جانا اور پھر عزت کا جنازہ نکال دینا۔ وہ ان لڑکیوں میں شامل نہیں تھی۔

اگلے پانچ منٹ میں اسے رکشہ مل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''پلیز آپ مائینڈ مت کیجئے گا کہ ہم اتنی جلدی آ گئے ڈنر پر۔ دو دن بعد ہی..... دراصل ہم سے انتظار نہیں ہوا۔'' جنت پرجوش اور ذرا شرمندہ لہجے میں گویا ہوئیں۔ عامر اور جنت کسی خاص مقصد کے لیے جہانگیر ہاؤس آئے تھے۔

''ارے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ لوگ آئے۔'' سلمہ نے بھی خوشی سے کہا۔ جنت اور عامر شیرازی ایک ٹو سیٹر صوفے پر بیٹھے تھے۔ سلمہ اور ایمان ان کے سامنے والے صوفے پر براجمان تھیں۔ اسد اپنے کمرے میں تھا۔

رات ابھی گہری نہیں ہوئی تھی۔ وہ ڈنر کر کے ہی جائیں گے۔

''شکریہ۔ ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' جنت کی بات کا مطلب وہ سمجھ چکی تھیں اسی لیے انہوں نے ایمان کو کچن میں بھیج دیا۔ وہ کچن میں چلی گئی۔ اسد پہلے ہی اپنے کمرے میں تھا۔

''مجھے اور عامر کو ہمارے بیٹے مراد کے لئے ایمان کا ہاتھ چاہیے۔ ہماری بہت خواہش ہے کہ ایمان ہمارے بیٹے کی دلہن بنے۔ ان شاءاللہ آپ کو ہمارے بیٹے سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ایمان بہت سمجھدار ہے، ماشاءاللہ۔ ہم اسی مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں۔ امید ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' جنت نے بغیر کسی تمہید کے بات کہہ دی۔

''میں ایمان سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ ویسے مجھے اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مراد بیٹا مجھے خود بہت پسند ہے اور میری بھی یہی خواہش تھی۔ آج آپ نے بھی اس کا اظہار کیا۔ مجھے خوشی ہوئی۔'' سلمہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''امی کھانا لگ گیا ہے۔'' ایمان نے آ کر اطلاع دی۔

''ایمان بیٹا ادھر آؤ..... میں تمہارے لئے کچھ لائی ہوں۔'' جنت کے کہنے پر ایمان ذرا حیران سی ان کے پاس گئی اور اس کی حیرانی میں مزید اضافہ کرنے کے لئے جنت نے ایمان کے ہاتھوں میں ایک بڑا کنگن رکھ دیا۔ ایمان کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اس وقت کیا کرے۔ وہ حیران ہونے کے علاوہ کیا کر سکتی تھی؟

''میں تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟ اگر نہیں ہے تو یہ کنگن پہن لو اور اگر ہے تو پھر بھی تم ہماری بیٹی

ہو۔اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔'' جنت نے انتہائی شائستگی سے ایمان سے پوچھا۔ایمان نے ایک سوالیہ نظر اپنی ماں پر ڈالی تو سلمہ نے گردن ہلا کر ہاں کہا تو ایمان نے بخوشی وہ کنگن اپنے خوبصورت ہاتھوں میں پہن لیے۔

''بہت مبارک ہو۔'' جنت نے ایمان کو گلے لگایا۔عامر نے بھی آگے ہو کر ایمان کے سر پر پیار دیا۔ایمان شرماتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

''مراد سے تو آپ واقف ہی ہیں۔دراصل ہمیں ذرا جلدی ہے تو اگلے ماہ کے آخری جمعے میں ان دونوں کا نکاح رکھ دیتے ہیں۔انشائاللہ۔'' جنت نے مٹھائی کھاتے ہوئے ڈیٹ بھی فکس کر دی تھی۔

''جیسے مناسب لگے۔'' سلمہ نے میٹھائی کھاتے ہوئے کہا۔

سب بہت خوش تھے۔وہ رات بھی.....

☆☆☆☆☆☆

شائستہ اور رہبر کی زندگی میں ایک فرد کا اضافہ ہو چکا تھا۔وہ بہت خوش تھے۔ہسپتال کے کمرے میں وہ سب موجود تھے۔شائستہ کے والد نے اس بچے کے کان میں اذان دے کر اسے یہ یقین دلایا کہ وہ ایک مسلمان فیملی میں پیدا ہوا ہے۔دو دن بعد شائستہ گھر آ گئی تھی۔

''رہبر اس کا نام کیا رکھیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''تمہاری مرضی.....جو چاہے رکھو۔'' وہ نارمل انداز میں بولا جیسے اسے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

''مجھے میرا بھائی بہت یاد آتا ہے۔اللہ اسے جنت میں جگہ دے آمین۔میں اپنے بیٹے کا نام اس کے نام پر رکھ دیتی ہوں۔'' شائستہ نے اداس لہجے میں کہا۔رہبر خاموش تھا۔

''رہبر.....آئیں ناں ایک تصویر لیتے ہیں ہم ساتھ میں۔ہماری فیملی مکمل ہو گئی ہے۔'' شائستہ نے اسے بلایا۔وہ موبائل استعمال کر رہا تھا۔

''اچھا جناب۔'' وہ فوراً بیڈ پہ ذرا آگے ہو کے شائستہ کے قریب آ گیا۔وہ شائستہ کی ہر بات مانتا تھا۔

بچہ شائستہ کی گود میں تھا۔رہبر ساتھ بیٹھ گیا تو شائستہ نے کیمرہ کھولا۔وہ تینوں سکرین میں ایڈجسٹ ہو گئے تھے۔

''چلو اب کلک کر بھی دو۔'' سکرین کو دیکھتے ہوئے رہبر نے کہا۔

''یار.....میں اچھی نہیں لگ رہی؟'' شائستہ نے خود کو کیمرے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار شائستہ،اچھی تو لگ رہی ہو تم اتنی۔اب اور کتنی اچھی لگنا ہے؟'' رہبر نے کہتے ہوئے اس کے بال پکڑ کر آدھے آگے کر دیے۔شائستہ ہنوز کیمرے میں دیکھ رہی تھی۔

''اب ٹھیک ہے۔ویسے رہبر،آپ کو میرے بال بہت پسند ہیں؟ آپ ہمیشہ انہیں کھلے رکھنے کا کہتے ہیں۔'' شائستہ نے اب چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں۔نو ڈاوٹ۔'' رہبر نے تعریفی انداز میں کہا۔شائستہ مسکرادی۔

''اچھا اب تصویر لے لو۔میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں۔'' وہ مصنوعی ناراضی ہے بولا۔

''اچھا۔اچھا۔'' شائستہ نے فوراً کیمرہ سامنے کیا۔کیمرے میں وہ تینوں بہت اچھے لگ رہے تھے۔شائستہ نے کلک کیا اور تصویر بن گئی۔

ان تینوں کی پہلی اور.....آخری تصویر۔

''اچھی آ گئی ہے۔میں آپ کو بھی شیئر کر دیتی ہوں۔ہم دونوں اپنا وال پیپر لگاتے ہیں۔'' شائستہ نے تصویر دیکھتے ہوئے کہا اور شیئر کر دی۔

دونوں نے اسی وقت اپنے اپنے فون کے وال پیپر پر یہ تصویر لگا دی۔

''پرفیکٹ۔'' شائستہ نے کہا۔

وہ تو لاعلم تھی کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔

رہبر نے اس کی بات کا جواب نہ دیا اور دوسری طرف کروٹ لے کر سو گیا۔

شائستہ بچے کے ساتھ مصروف تھی۔

☆☆☆☆☆☆

دیکھو کہ.....

کیسے بادل روتے ہیں.....

وہ بچھڑے ہوئے بادل.....

ملنے پر.....

خوشی سے آنسو بہاتے ہیں.....

اور دنیا کو سیراب کرتے ہیں.....

اے خدا.....

بنا دے انسانوں کو بھی ایسا ہی.....

کہ خیر بانٹے.....

اپنے پیاروں میں.....

روٹھنے کے بعد.....

ملنے پر.....

وہ عمارت چاروں اطراف سے دیواروں اوران پر لگی تاروں سے گھری ہوئی تھی۔کوئی اسے عبور نہیں کرسکتا تھا۔اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرتا تو ان تاروں میں موجود کرنٹ سے وہ اگلے جہاں کو کوچ کر جاتا۔ان دیواروں میں کہیں کہیں وقفے وقفے سے بڑے بڑے گیٹ لگے ہوئے تھے۔ان دروازوں کو پار کرنا بھی آسان نہیں تھا۔صرف وہی پار کرسکتا تھا جو اس خوفناک یونٹ کا حصہ ہو۔

عمارت کے اندر بنے ایک کمرے میں وہ آج بھی غصے سے دھاڑ رہا تھا۔آج تو اس کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا کیونکہ آج .....دشمن اس کے گھر آ کر.....اس کو دیکھ کر.....اس کی آنکھوں کے سامنے فرار ہوا تھا اور اسے علم بھی نہ ہوسکا۔

''میں آج واقعی ہار گیا ہوں۔مجھے لگا تھا میں کبھی بھی ہار نہیں سکتا مگر اس نے میرے ہی گھر میں گھس کر مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں غلط تھا۔اس نے یہ احساس دلایا کہ میں بھی ہار سکتا ہوں۔''یش کہتے ہوئے کرسی پر گر سا گیا اور ماتھے پر شرمندگی اور تھکاوٹ سے ہاتھ رکھا۔

''چلے جاؤ میری نظروں کے سامنے سے.....''ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو دفع ہونے کا کہا۔وہ سب چلے گئے۔کمرے میں اسے،خاموشی اور شرمندگی کو ایک دوسرے کے سپرد کر گئے تھے۔

''شاید میں نے اسے مار کر غلط کیا۔یہ احساس مجھے آج تک اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے ہے۔میں نے غلط کیا۔مجھے اسے چھوڑ دینا چاہیے تھا۔مجھے اس کی زندگی نہیں چھیننی چاہیے تھی۔آخر.....کوئی اپنی.....محبت کو کیسے.....موت.....کے گھاٹ اتار سکتا ہے؟''اس کے دماغ میں گہری سوچیں سیر کر رہی تھیں۔وہ ان سوچوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا۔

اس نے اپنے والٹ سے ایک تصویر نکالی۔وہ تصویر اتنے سالوں بعد بھی نئی تھی۔وہ اس کی بہت حفاظت کرتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے مجھے اس کی آہ لگی ہے۔میں نے اس پر ظلم کیا۔میں نے کتنے ہی لوگوں کو قتل کیا ہے پر آج تک.....مجھے بس یہی قتل یاد ہے۔مجھے بس وہ یاد ہے۔میں چاہ کر بھی خود کو.....میں.....''وہ سوچتے سوچتے واپس ماضی میں چلا گیا۔سرخ،بہتی آنکھیں جو اس تصویر کو بہت رنج سے دیکھ رہی تھیں۔

انسان خود کو تو تکلیف میں ڈال دیتا ہے مگر اپنے پیاروں پر ذرا سی تپتی دھوپ برداشت نہیں کرسکتا۔وہ کیسے یہ قدم اٹھایا گیا تھا؟

آخر ایسی کیا مجبوری تھی اس کی؟

ایسا کیا ہوا تھا جو اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کو ایسے خون آلود کرنا پڑا؟

''مجھے لگتا ہے کہ میں انسان سے حیوان بنتا جا رہا ہوں بلکہ میں تو اسی دن سے حیوان بن گیا تھا جب میں نے اسے مارا تھا۔مجھے اس دوسری جان کا بھی احساس نہ رہا اور میں.....''وہ سوچتے سوچتے رک گیا۔اس کی آنکھوں میں ضبط کے باعث سرخ لکیریں دور رہی تھیں۔گرم قطرے اس کے چیرے کو بھگو گئے۔

''میں اپنے فرض میں اس قدر اندھا ہو گیا تھا کہ انسانیت ہی چھوڑ دی۔میں انسان نہیں بلکہ درندہ بن گیا تھا جو بھوک سے بے حال ہو کر انسان کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔میں حیوان بن گیا تھا۔میں واقعی حیوان....."اس نے پھر سے سوچنا شروع کیا کہ دماغ کے گوشوں کو چین و

سکون نہیں تھا۔

اس کے پاس دو راستے تھے۔اس نے انسان بننے سے زیادہ درندگی کو ترجیح دی۔

اللہ انسان کو ہمیشہ دو راستے دیتا ہے۔ایک وہ راستہ جو نیکی کا ہے، کامیابی اور عزت کا ہے اور دوسری طرف ایک اور راستہ بھی ہوتا ہے جو بدی کا ہے، ناکامی اور ذلت کا ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے؟

لیش کو اچھا موقع ملا تھا پر اس نے حیوان بننے کو چنا جس کا دکھ اور تکلیف ساری زندگی اس کے ساتھ ہی رہی۔

''کرنل۔کرنل، ہمیں خبر ملی ہے کہ پاکستان میں ایک دھماکے کی تیاری چل رہی ہے؟'' کسی دوسرے ایجنٹ نے آ کر دھماکے کے متعلق پوچھا۔اس کی انکھوں کے اوپر اس کا ہاتھ تھا اسی لیے وہ اس کی کیفیت نہ دیکھ سکا۔

''ہاں۔'' س نے خود کو کمپوز کر کے جواب دیا۔انداز میں ہنوز تلخی تھی۔شاید یہ تلخی اب اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔

سوچوں کا ٹھاٹے مارتا سمندر کچھ دیر کے لئے تھم گیا تھا۔اس نے وہ تصویر واپس اپنے والٹ میں رکھ لی۔

وہ ایجنٹ کہہ کر مڑ گیا اور فون پر کچھ ٹائپ کرنے لگا۔

''Get ready to save the world.''

ان الفاظ نے چند سیکنڈ میں ہی دوسرے ملک کا سفر طے کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

باب ششم

لاعلم

''یہ پارٹی ایمان اور مراد کے نام.....'' سافٹ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے عامر شیرازی نے کہا۔

آج آفس میں ہلکی سی پارٹی ارینج کروائی تھی اور سب اپیملائیز اس میں شریک ہوئے تھے۔

''آج سے ٹھیک ایک مہینے بعد ان دونوں کی شادی کا فنکشن ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ لوگ آئیں گے۔'' عامر شیرازی بے حد خوش تھے۔انہوں نے اپنے تمام عملے کو دعوت دی۔

ان کی دائیں طرف کھڑی ایمان جہانگیر کاسنی رنگ کے سوٹ میں ملبوس، بالوں کو جوڑے میں قید کیے، اپنے ازلی انداز میں سٹالر کو گردن کے گرد لپیٹے خوشی اور شرم کے ملے جلے جذبات سے بھیگی ہوئی تھی اور دوسری طرف گہرے نیلے رنگ تھری پیس سوٹ اور پاو?ں میں براو?ن ڈریس شوز پہنے، مراد شیرازی چہرے پر مسکراہٹ سمیٹے سب دیکھ رہا تھا۔

باری باری سب آ کر انہیں مبارکباد دے رہے تھے جسے وہ شکریہ کے ساتھ وصول کر رہے تھے۔

''مجھے شرم آ رہی ہے۔'' عامر اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو وہ دونوں ذرا قریب آئے۔ایمان نے جھجکتے ہوئے مراد سے کہا۔ایمان اس کے کندھے تک آتی تھی۔

''کیوں؟'' مراد انجان بنتے ہوئے بولا۔

''آپ کو نہیں آ رہی؟'' جواب دینے کی بجائے اس نے الٹا سوال کیا۔

''نہیں۔'' وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

''آپ تو بہت بے شرم ہے ہیں۔'' ایمان کے منہ میں جو آیا اس نے کہہ دیا حالانکہ یہ بات نہ سمجھی میں کی تھی اور اسے جلد ہی احساس ہو گیا تھا کیونکہ اس کے پہلو میں کھڑا مراد ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا اور ایمان اپنی انتہائی تیز چلتی زبان کو دل ہی دل میں کوسنے لگی۔

''بندہ دیکھ کر ہی بول لیتا ہے۔ جو منہ میں آتا ہے فرما دینا ہوتا ہے بس.....اف۔'' وہ خود کو ڈانٹ رہی تھی۔مراد سنجیدہ چہرہ لیے کھڑا تھا۔لوگ اب مبارکباد دے چکے تھے۔

''مراد.....'' ایمان نے پکارا اور یہ لہجہ..... یہ تو..... یہ تو محبت کا لہجہ تھا۔مراد اس لہجے سے واقف تھا کیونکہ اس کا لہجہ بھی محبت سموئے ہوئے تھا اور اس کے اس طرح بلانے پر اپنی ساری سنجیدگی کو ہوا کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

''ایمان.....''اس نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا اور ایمان اس لہجے کے اندر چھپا عشق نظر انداز نہ کر سکی اور شرما کر اپنے آفس روم میں چلی گئی۔

سوری کہنے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی جبکہ مراد سمجھ چکا تھا کہ وہ معذرت کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے ناراض ہوتا تو ہی معاف کرتا ناں۔ وہ اس سے ناراض نہیں ہوسکتا تھا ہاں ناراض ہونے کی ایکٹنگ ضرور کرسکتا تھا جو وہ ابھی کر رہا تھا۔

دور جاتی ایمان کو وہ دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے روم میں چلی گئی۔ وہ خوشی سے مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆

''مجھے بہت خوشی ہوئی ہے تمہیں ادھر دیکھ کر۔ میں جانتا ہوں کہ تم وہ کام پورا کر کے ہی واپس آنا چاہتے تھے مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم پہلے اس کے کارندوں کو پکڑیں تا کہ اس کی کمر ٹوٹ جائے جیسے کسی نے تمہارے بارے میں اسے بتایا تھا اور تمہیں یہاں بلانے کا مقصد یہی ہے کہ ہم پہلے یہاں کا کام نمٹا لیں تو ہی اس کا کام تمام کریں گے۔ ویسے بھی ادھر ابھی ہمارے بندے موجود ہیں۔'' کرنل عاصم وائٹ ہورس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

''لیکن کرنل، آپ مجھے واپس بلائے بغیر بھی یہ کام کر سکتے تھے اور میں وہاں اس فساد کی جڑ کو کاٹ دیتا۔'' وہ ذرا خفگی بولا۔ اسے ان کا یہ فیصلہ زیادہ پسند نہیں آیا تھا۔

''یوسف، اب وہ سب تمہیں پاگلوں کی طرح تلاش کرنے لگ گئے ہیں اور تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ ایسے میں تم اپنی جان کی حفاظت کرتے یا اس کو مارنے کے لیے پلاننگ.....؟'' کرنل نے بھی اب ذرا خفگی سے کہا۔''اور ویسے بھی ہم تم سے بہتر جانتے ہیں کہ ہمیں کب کیا کرنا ہے۔'' لہجے میں اب تلخی بھی شامل تھی جس پر وائٹ ہورس ششدر رہ گیا کہ پہلے تو انہوں نے کبھی اس طرح بات نہیں کی۔

''سوری کرنل۔''اس نے معذرت کی۔

''جاؤ تم آرام کرو۔ کل سے کام شروع کرنا ہے اور ہمیں ایک خبر ملی ہے کہ وہ ایک شاپنگ مال میں حملہ کروانے لگا ہے۔''انہوں نے اطلاع دی۔

''ان شائاللہ۔ اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا۔'' وائٹ ہورس نے کہا۔

''ان شائاللہ۔''انہوں نے بھی تائید کی۔

ایجنٹ یوسف اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

دوپہر میں گرمی عروج پر تھی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ کاغذ کی آواز سے کمرے میں شور سا برپا ہوتا جو انتہائی خاموشی کی وجہ سے زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔

ہاتھ میں پین پکڑے وہ جگہ جگہ نشان لگاتا جا رہا تھا۔ ٹیبل پر جھکنے سے وہ تھک گیا تھا تو صوفے کی نرم پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں

موندلیں۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ سیدھا ہوا اور پین پکڑ کر دوبارہ سے اس بڑے سے کاغذ پر نشان لگانے لگا۔

چہرے پہ ٹینشن اس قدر تھی کہ جیسے یہ کام اگر نہ کیا تو بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ ماتھے پہ کئی بل نظر آ رہے تھے اور مسلسل چلتا ہاتھ تھک چکا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے وہ پین چھوڑ کر اپنے ہاتھ کو آرام دینے لگا اور جب ذرا سا آرام مل جاتا تو وہ پھر سے اس بڑے سے کاغذ کو نیلی سیاہی سے رنگنے لگ جاتا۔ کہیں نقطہ اور کہیں بڑے دائرے، اس کاغذ پر بکھرے پڑے تھے اور وہ بھی ہنوز پریشانی کے عالم میں تھا کہ اتنے میں ٹیبل پہ پڑا اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے نمبر دیکھتے ہوئے اپنے ماتھے پر پڑے بلوں کو دور کیا اور کال ریسیو کر لی۔

''ہاں، کر رہا ہوں۔ رات تک مل جائے گا۔'' اس نے اطلاع دی۔

''نہیں یار۔ اس سے پہلے نہیں دے سکتا میں۔ رات میں خود دینے آوں گا یا تم آ جانا۔ بس تھوڑا سا کام رہتا ہے۔'' وہ اس کی بات کے جواب میں کہہ رہا تھا۔

''او کے۔ ٹھیک ہے۔ ابھی ذرا کام رہتا ہے۔ میں ختم کر کے بتا دوں گا۔'' اس نے کہتے ساتھ ہی فون بند کر دیا اور دوبارہ سے اس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کام کرتے کرتے چار بج گئے۔ موسم کی گرمی اب ٹھنڈی ہوا میں تبدیل ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بارش ہو گی کیونکہ سرمئی بادل آسمان پر برسنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

اتنے میں اسے ایک اور فون کال آئی اس نے نمبر دیکھا اور فون او کے کر کے کان سے لگایا۔

''ہاں۔ ساری تیاری ہو گئی ہے۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''تم دیکھنا۔ اس دھماکے سے تو ان کی روحیں بھی نہیں بچیں گی اور تم لاشوں کی بات کرتے ہو۔'' وہ نفرت سے کہہ رہا تھا اور اگلے بندے کی بات سننے کے لیے خاموش ہوا۔

''ان غافلوں کو کیا خبر ہو گی؟ وہ عیاش قوم ہے۔ ہم اس دھماکے کو ایسا یادگار بنائیں گے کہ ان کی ساری عیاشی دھواں دھواں ہو جائے گی۔'' وہ اب ایکسائٹڈ تھا۔

''ہاں، ہاں۔ کل یہ کام کر لیں گے ہم۔ میں بس کام ختم کر کے نکل ہی رہا ہوں۔ تمہیں کل کا پلان سمجھا دوں گا۔'' اس نے اطلاع دی۔

''او کے پھر ملتے ہیں۔ بگھوان کریسب پلان کے مطابق ہو جائے پھر ہم اپنے دیش، بھارت واپس چلے جائیں۔ پتہ نہیں ہیڈ کوارٹر آگے کیا حکم دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور کمرے کی دہلیز پر چائے کی ٹرے پکڑے شائستہ، کھڑی کی کھڑی رہ گئی گی اب اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ اس کا محبوب.....اس کا شوہر.....ایک دہشت گرد ہے۔ ایک کافر ہے۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔

''کیا میں نے ایک کافر سے شادی کی؟ کیا میں ایک ناجائز رشتے میں ہوں اور میرے اللہ.....'' وہ سکتے کے عالم میں یہی سوچ رہی تھی۔ ''میری ساری زندگی ایک جھوٹ تھی؟ میں.....میں ایک.....کافر کے ساتھ.....'' اس کی سوچوں کے الفاظ بھی بے ربط ہو گئے تھے اور اس کے ہاتھ سے ٹرے زمین پر گری اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گی۔ چائے کے چھینٹے دیوار اور اس کے پاؤں پر بھی آ گرے تھے۔

ٹرے گرنے کی آواز سے اس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ ہکا بکا سی شائستہ دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور سمجھ گیا تھا کہ وہ ساری باتیں سن چکی ہے۔

''شائستہ۔'' اس نے پکارا۔ شائستہ کنفیوز اور ششدر سی شائستہ وہیں کی وہیں کھڑی رہی۔ وہ صوفے سے اٹھ کر اس تک آیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے انتہائی نارمل انداز میں پوچھا۔

''نہیں.....وہ.....کچھ نہیں۔ میں دوبارہ.....چائے بنا دیتی ہوں۔'' وہ ابھی تک کنفیوز تھی۔ وہ رہبر کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی بلکہ ادھر ادھر دیکھ کر بے ربط الفاظ میں بات کر رہی تھی۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم میرے پاس بیٹھو۔'' رہبر نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا تھا اور شائستہ اس کے اس طرح چھونے پر جیسے کرنٹ کھا کر، خود کو چھڑاتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹی۔

''نہیں۔ وہ.....میں.....اچھا آپ اپنا کام کریں۔ میں چلتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑنے ہی لگی تو رہبر بول اٹھا۔

''کہاں.....؟ پولیس اسٹیشن؟'' رہبر کے لہجے کا اطمینان اسی طرح قائم تھا۔

''ہاں۔ نہیں.....کمرے میں.....'' وہ ابھی تک اسی حالت میں تھی۔

''اچھی بات ہے۔ پولیس سٹیشن ویسے بھی تم نہیں جا سکتی۔'' اطمینان.....در اطمینان۔ ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

''میں کمرے میں جا رہی ہوں۔'' یہ وہ پہلا فقرہ تھا جو اس نے روانی سے بولا تھا۔

وہ کمرے میں آ گئی۔ دروازہ لاک کیا اور اپنی سانسیں بحال کیں۔

باہر بادل برسنا شروع ہو چکے تھے۔

پریشانی کے عالم میں اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا جو پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں کے چھوٹے سے تالاب میں تیر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کے چہرے پر لڑکھڑا گئے اور اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے اس کی گردن تک پہنچ گئے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس نے اپنی چیخ کا گلا گھونٹنے کے لیے اپنے منہ پر زور سے ہاتھ رکھا وہ بے آواز رو رہی تھی۔

اس نے اپنے بچے کو دیکھا۔ وہ سو رہا تھا۔ بے حد سکون سے۔ اسے اس بچے پر ترس آیا تھا۔ وہ اپنے ٹیبل تک آئی اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ جلدی سے اس نے قلم اور کاغذ پکڑا اور فوراً سے لکھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلتا گیا اور وہ اندر آ گیا۔

''وہ میرے پاس ماسٹر کی (key) تھی تو میں نے دروازہ کھول لیا۔'' وہی اطمینان سے بھرپور لہجہ۔

شائستہ اپنے بچے کے کپڑوں میں کوئی کاغذ رکھ رہی تھی۔ رہبر نے اس بات کو نظر انداز کر دیا۔ ہمت مجتمع کرتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی، آنسو صاف کیے اور اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''تم نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟ آخر میں نے کیا بگاڑا تھا تمہارا؟ کیا پورے جہان میں تمہیں میں ہی ملی تھی۔ تم انسان بن کر ہی سوچ لیتے۔'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تڑپ کی چھاپ نمایاں تھی۔ رہبر استہزائیہ ہنسی ہنسا بلکہ اس نے قہقہہ لگایا اور اس

قہقہے کو اس نے فوراً سے پہلے ایک سخت نظر سے بدلا اور آگے بڑھ کر اس نے شائستہ کے بال پیچھے سے دبوچ لیے۔

''یہ بات تم اپنے بھائی سے پوچھ لینا۔'' وہ غصے سے بولا اور شائستہ درد سہتی گئی۔''پر افسوس، وہ تو اس دنیا میں نہیں ہے۔کوئی نہیں.....''اس نے ایک توقف کیا۔''تم بھی اس کے پاس جا کر پوچھ لینا۔''

وہ غصے سے بولا اور شائستہ درد سے کراہ اٹھی۔اس کی گرفت مضبوط تھی۔وہ اپنے بال نہ چھڑوا سکی۔آنسو مسلسل اس کے چہرے کو بھیگوئے ہوئے تھے۔

''کیا، کیا تھا اس نے؟ وہ تو خود شہید ہو گیا تھا۔وہ معصوم ہے۔'' شائستہ نے اپنے مرے ہوئے بھائی کی حمایت کی۔

''ہاں واقعی وہ معصوم تھا اور لعنت ایسی معصومیت پر۔'' وہ تلخی سے سر جھکتے ہوئے بولا۔

''پر اس نے کیا کیا تھا؟'' وہ اب بھی اسی عالم میں پوچھ رہی تھی۔اس کے بال ابھی تک رہبر کے شکنجے میں تھے۔

''میرے باپ کا قتل.....تمہارے بھائی میجر یوسف منصور نے کیا تھا۔اس کا بدلہ میں آج تم سے لے لوں گا۔'' رہبر نے غصے سے کہتے ہوئے اس کو ایک جھٹکے سے چھوڑا اور شائستہ تین چار قدم پیچھے ہوئی۔وہ گرتے گرتے بچی تھی۔رہبر دو قدم آگے بڑھا۔

''میرا باپ ایجنٹ ہینڈلر تھا۔تمہارا بھائی آئی ایس آئی میں تھا۔تب میں کالج میں تھا جب ہمارے گھر میں خبر ملی کہ میرے باپ کا قتل ہو گیا ہے۔جب میں نے راجوائن کی تو مجھے پتا چلا کہ ایک پاکستانی یوسف منصور نامی درندے نے میرے باپ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور کچھ عرصہ بعد جب میں پاکستان میں ایک جاسوس بن کر آیا تو میں نے تمہاری فیملی کا پتا کروایا اور مجھے وہ با آسانی مل گیا۔وہ تین لوگ جو میرے ساتھ تمہارا رشتہ لینے آئے تھے وہ بھی یہاں جاسوس ہی ہیں۔تم لوگ مان گئے اور ہماری شادی ہو گئی۔پھر یہ غلطی.....''اس نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ معصوم، دنیا سے لاعلم بچہ سو رہا تھا۔

''خیر.....مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔میں تم دونوں غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔''اس نے اپنی شرٹ اٹھا کر سائیلنسر لگی پستول نکالی اور شائستہ کو ہدف بنایا۔وہ حیران پریشان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے ساتھ ہونے والے اس عجیب منظر کو دیکھ رہی تھی۔وہ چپ ہو گئی، بالکل چپ۔کچھ بول نہ سکی۔وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔وہ پوری طرح سے اس کے حوالے تھی۔

''پلیز.....رہبر، تم مجھے مت مارو۔میرا بھائی خود اب اس دنیا میں نہیں ہے۔تمہارا بدلہ پورا ہو گیا۔میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔میں کسی کو تمہاری حقیقت نہیں بتاؤں گی۔میں کہوں گی کہ میں نے تمہیں خود چھوڑا ہے۔خدا کا واسطہ۔میرا نہیں تو اس بچے کا ہی خیال کر لو۔ماں کے بغیر یہ بچہ رہ لے گا؟'' وہ التجا کر رہی تھی۔رہبر نے سر جھٹکا۔

''خدا کا.....'' کلک کی آواز.....اور اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

''آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔میں نے اتنی حسین دلہن کبھی نہیں دیکھی۔'' رہبر نے اپنی شادی پر شائستہ کو پہلی بار مخاطب کیا تھا۔

''مجھے پتا ہے تمہیں آئس کریم پسند ہے۔'' وہ شائستہ کی پسند سے واقف تھا۔

''really love you Shaistal'' اس نے کار میں شائستہ سے اظہارِ محبت کیا تھا۔

''تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں۔نو ڈاو؟ ٹ۔'' اسے شائستہ کے بالوں سے عشق تھا۔

شائستہ کی نظروں میں یہ سارے منظر لہرا رہے تھے۔

پیٹ میں گولی لگی تو شائستہ نیچے گرتی چلی گئی۔اپنا ہاتھ اس نے پیٹ پہ رکھا تو ہاتھ خون آلود ہو گیا۔آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔جس انسان سے اس نے محبت کی تھی.....اسی نے اسیموت کے گھاٹ اتار دیا۔شائستہ کی محبت ہار گئی تھی۔

رہبر سرخ ونم آنکھوں سے خون میں لپٹی،آخری سانسیں لیتی،اپنی محبت کے ہار جانے کا ملال آنکھوں میں لیے شائستہ کو دیکھ رہا تھا۔اسے اپنی زندگی کا یہ سال بہت خوبصورت لگا تھا۔وہ ایک ایسی عورت کے ساتھ تھا جس سے اسے محبت ہو گئی تھی۔وہ خوش تھا اس کے ساتھ۔وہ یہ سب کبھی بھلا نہیں سکے گا،یہ بات وہ جانتا تھا۔

''حسین دلہن.....آئس کریم پالر کی گفتگو.....وہ اس کا اظہارِ محبت کرنا.....کرل بال.....'' اسیسب یاد تھا۔وہ کچھ بھی بھولا نہیں تھا۔

رہبر نے سر جھٹک کر اپنے ذہن میں آئی تمام سوچوں کو دور کیا۔وہ اس وقت ایسے کمزور نہیں بن سکتا تھا۔اسے اپنی کارگردگی کے سارے ثبوت بھی مٹانے تھے۔پر.....بلاشبہ،اسے دکھ تھا۔وہ شائستہ سے بہت محبت کرتا تھا۔اس نے زندگی میں پہلی بار محبت کی تھی اور اس نے خود اپنی محبت کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اس کا دھیان اب اس بچے کی طرف تھا جو گولی چلنے کی آواز سے ڈر کر اٹھ گیا اور خوف سے رونے لگا تھا۔شاید اسے اپنی ماں پر ٹوٹی قیامت کا علم ہو چکا تھا۔وہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔

''اسے.....کچھ.....م.....مت.....'' گولی لگنے کی شدید درد کے باوجود وہ اپنی اولاد کے لیے بہت مشکل سے بولی اور اتنا کہنا بہت تھا کہ.....کلک.....اور اس عورت کی چیخوں سے پورا گھر کانپ گیا۔وہ اپنی آخری تین چار سانسیں لینے کے بعد اس درندے کو وہیں چھوڑ کر دنیا سے چلی گئی تھی اور اس کی کہانی ختم.....

آج موسم خاصا خراب تھا۔بارش متواتر ہو رہی تھی جیسے شائستہ کے حال پر آسمان بھی رو پڑا ہو۔

شائستہ کو اپنی لاعلمی کی بہت بھاری سزا ملی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

شام ہو چکی تھی۔وہ کچن میں کھانا بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔محض کوشش۔اس کو سمجھاتی سلمہ اس کے ساتھ کھڑی تھیں۔

''آہ.....ہائے اللہ۔'' ایمان نے کراہ بھری کیونکہ گرم کُکر اس کے ہاتھ سے مَس ہوا تھا اور وہ دو قدم پیچھے ہٹتی اپنا ہاتھ ہوا میں تیزی لہرانے لگی۔

''اللہ امی۔بہت جلن ہو رہی ہے اف۔'' وہ درد سے بولی۔ہاتھ ہنوز ہوا میں لہرا رہی تھی۔

''میں کیا کروں تمہارا؟ اتنی بڑی ہوگئی ہو ابھی تک ککر کھولنا نہیں آیا۔ ہاتھ جلا لیا۔ سسرال جا کر میری ناک ہی کٹواؤ گی۔'' سلمہ صاحبہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتی ہوئی بولیں اور پھر کیبنٹ میں سے کریم نکال کر ایمان کو لیے صوفے تک آئیں۔

''ہزار دفعہ بتایا ہے ایسے کھلتا ہے مگر مجال ہو جو اس لڑکی کو ذرا سمجھ میں آتا ہو کچھ۔ میں تو تھک گئی ہوں سمجھا سمجھا کر۔ شادی سر پر ہے اور یہ جنابِ عالیہ کو کوئی گھر داری نہیں آتی۔ ان کا اتنا بڑا گھر کیسے سنبھالے گی؟ اللہ ہی خیر کرے۔ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی بےعزت کروائے گی کہ ماں نے کچھ سکھایا ہی نہیں۔'' وہ بولتے جا رہی تھیں اور ایمان اپنی درد بھول کر چپ چاپ ٹکٹکی باندھے اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ طعنے دینے کی کوالٹی ہر پاکستانی ماں کے اندر قدرتی پائی جاتی ہے یا بعد میں ڈاؤن لوڈ کرتی ہیں؟

''ہاں......تو کچھ غلط کہا؟'' سلمہ ذرا جھینپ کر بولیں۔

''اور کچھ......؟'' ایمان نے مختصراً کہا۔

''تمہیں کون سا اثر ہو جانا ہے؟ میں ہی فضول بولتی رہتی ہوں۔ کیا کروں مجبور ہوں ناں۔ ماں ہوں، بولنا پڑتا ہے پر یہاں کسی کو پرواہ ہی نہیں۔ جب چلی جاؤں گی تو بیٹھ کر یاد کرنا پر......'' وہ مسلسل بولتے ہوئے چپ کر گئیں۔

''اتنی تعریف کا شکریہ۔'' ایمان نے خفگی سے کہا اور کریم لگے ہاتھ پر احتیاط سے پھونک مارنے لگی۔ اسے ٹھنڈک میں راحت مل رہی تھی۔

''ڈھیٹ اولاد۔'' وہ کہہ کر اٹھ گئیں۔

''اماں۔ آپا کی غلطی ہے تو مجھے کیوں ساتھ ذلیل کیا جا رہا ہے؟'' ہوم ورک کرتا اسد ڈھیٹ اولاد کا لقب سن کر کمرے سے باہر آ گیا اور منہ بسور کر بولا۔

''ہاں تو تم تو جیسے بڑے فرمانبردار ہو میرے۔ میری جیسے ایک آواز پر آ جاتے ہو ناں اور ہر کام کر دیتے ہو میرا۔ کونے والی دکان سے دہی تو تم لا کر نہیں دیتے۔ مجھے خود جانا پڑتا ہے۔'' ایمان سے فارغ ہو کر سلمہ اب اسد پر شروع ہو گئیں تھیں۔

''چلو جی میں تو ایویں باہر آ گیا۔ امی آپ آپی کو ہی ڈانٹیں۔'' وہ ناراضی سے بولا اور اندر چلا گیا۔

''اماں......آئندہ مرنے کی بات مت کرنا۔'' ایمان سنجیدہ چہرہ لیے ان کے سامنے کچن میں آ گئی تھی۔

''ہاں......جیسے تم لوگوں کو بڑی پرواہ......'' وہ ابھی جملہ مکمل کر رہیں تھیں کہ ایمان کی رونے کی آواز سنتے ہی وہ چپ کر گئیں۔ ''ایمان......''

انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔ وہ خود بھی رونے لگی تھی۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''اچھا ناں، میری بچی چپ کر جاؤ۔ میں سوری کرتی ہوں۔'' خود سے الگ کر کے وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''آپ کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ کے علاوہ ہمارا ہے ہی کون؟'' ایمان نے گیلے لہجے میں کہا۔

''آپ کو نہیں پتہ جن گھروں میں مائیں نہیں ہوتی ان کا کیا حال ہوتا ہے؟ وہ گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔ کرچی کرچی ہو جاتے ہیں۔

ایک ماں ہی ہوتی ہے جو لاکھ تکلیفوں اور مشکلوں کے باوجود اپنے گھر کو جوڑے رکھتی ہے۔اسے بکھرنے نہیں دیتی۔یہ حوصلہ صرف ماں میں ہوتا ہے،اور کسی میں نہیں.....'' وہ بول رہی تھی اور سلمہ سن رہی تھیں۔اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا اسد بھی یہ دیکھ رہا تھا۔

''ماں کے جانے کے بعد سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔اس کی اولاد تنہا رہ جاتی ہے۔سگا باپ بھی ماں نہیں بن سکتا۔وہ بچوں کو پال نہیں سکتا لیکن.....جو مرضی کرلو،کبھی بھی.....بچوں کو ماں نہیں ملتی۔ماؤں کے بغیر گھر قبرستان بن جاتیہیں۔'' ایمان نے اب دوبارہ رونا شروع کر دیا تھا۔سلمہ نے اسے دوبارہ گلے سے لگالیا۔اسد وہاں سے چلتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔وہ بھی رو رہا تھا۔

''اماں مجھے بھی پیار کرلیا کریں ورنہ مجھے آپی کی بات سچ لگنے لگتی ہے۔'' وہ بھی گیلے لہجے میں بولا۔

''کون سی بات؟'' سلمہ نے حیرانی سے پوچھا۔ایمان آہستہ سے وہاں سے کھسک گئی کہ اب شامت آنے والی تھی۔

''وہی کہ آپ نے مجھے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا ہے۔'' وہ کہتے کہتے رو پڑا اور سلمہ سے لپٹ گیا۔

''ایمان.....'' سلمہ اپنے پرانے موڈ میں آ چکی تھی۔انہوں نے غصے سے ایمان کو آواز دی۔وہ ان سے ذرا دور کھڑی تھی۔''قسم سے بڑی لمبی زبان ہے۔اگر اتنے زیادہ ہاتھ چلنے لگے ناں تو مجھے ذرا سکون آئے۔'' سلمہ نے پھر سے وہ انداز اپنا لیا تھا اور ایمان اس پار کھڑی مسلسل ہنس رہی تھی۔

یہ ہنسی مذاق ہی تو گھر کو گھر بناتا ہے ورنہ آج کل سکرینوں میں جڑی لاشوں کو تو کوئی ہوش ہی نہیں ہوتی۔غم اور خوشیاں تو زندگی کا ایک حصہ ہے۔ان کے بغیر تو زندگی نامکمل ہے۔

قرآن میں اللہ فرماتا ہے کہ''ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔''(سورۃ البلد:؟)

اور ان مشکلات کا سامنا کرنے والا ہی اشرف المخلوقات ہے۔

؟وہی ہے پورے مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

☆☆☆☆☆☆

سنہری صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ہر طرف سورج نے انصاف کے ساتھ ہی اپنی کرنوں کو تقسیم کیا تھا۔سورج اگر گرم ہوتا ہے تو وہ زیادتی نہیں کرتا۔سب کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔جو زیادہ دھوپ کا حق دار ہوتا ہے اسے زیادہ دھوپ دیتا ہے اور جو کم کا حق دار ہوتا ہے اسے کم دیتا ہے کیونکہ سورج اللہ کی مخلوق ہے وہ ناانصافی کیسے کرسکتا ہے؟ہم انسان بھی اسی کی مخلوق ہیں پھر ہم کیوں ناانصافی کر جاتے ہیں؟ آخر کیوں.....؟

کھڑکی سے اندر آتی شعاؤں کو دیکھتے ہوئے وہ انسانوں کی ناانصافی کے بارے سوچ رہا تھا۔

چائے کا کپ لیے وہ بار اسٹول پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا جب اس کے استاد نے چٹکی بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''یوسف،مائی بوائے۔کہاں کھوئے ہوئے ہو؟'' انہوں نے فریش موڈ میں پوچھا۔

''کرنل! وہ جو آدمی ہے.....لیش، کیا وہ کبھی پاکستان بھی آیا تھا؟'' وائٹ ہورس نے سوال کیا۔

''ہاں۔ وہ یہاں کافی عرصہ رہا۔ اس نے یہاں شادی بھی کی تھی اور میں نے سنا تھا کہ اس کا ایک بیٹا بھی تھا لیکن جب وہ واپس گیا تو اس کے بعد شاید اس کی بیوی اپنے گھر چلی گئی ہو۔ اس بات کا علم نہیں مجھے۔ ویسے تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟'' تفصیل بتانے کے بعد انہوں نے وجہ پوچھی۔

''نہیں، کچھ نہیں۔'' وہ ابھی تک الجھا ہوا تھا۔

''روم میں اس کی فائل پڑی ہوئی ہے۔ تم اسے اسٹڈی کرلو۔ اس کی ساری انفارمیشن ہے اس میں۔'' کرنل نے اسے بتایا وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

چائے پینے کے بعد وہ روم میں آیا اور کچھ دیر کی تلاشی کے بعد اس نے اپنی مطلوبہ فائل کھوج نکالی۔

اس فائل میں لیش مہرا سے متعلق ساری معلومات تھی۔ اس کا اصلی نام.....تصویریں.....اس کے مشن.....کامیاب اور ناکام مشن.....اس کی میڈیکل رپورٹس اور اس کے ہاتھ پر ایک پیدائشی نشان بھی۔ وہی نشان جو یوسف کو الجھائے ہوئے تھا۔

وہ قدرت کے اس انکشاف پر خاموش ہوگیا۔

''وائٹ ہورس ہمیں ڈیوٹی پر جانا ہے اور اپنے پیارے لوگوں کو بچانا ہے۔ جلدی چلو'' ایک ایجنٹ نے آکر اطلاع دی۔

''آرہا ہوں۔'' یوسف نے اپنی خاموشی توڑ کر کہا۔

☆☆☆☆☆☆

''ناظرین ہم آپ کو اہم خبر سے مطلع کریں گے کراچی کے مشہور شاپنگ مال میں دہشتگری کا ایک نیا کارنامہ سامنے آیا ہے۔ دہشت گردوں نے بلڈنگ میں بم بلاسٹ کردیا ہے۔ بلڈنگ تباہ.....متعدد لوگ جاں بحق.....اور کئی زخمی۔ ابھی متاثرین کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ پولیس اور باقی اہلکار معاملے کی جانچ پڑتال کررہے ہیں۔ رینجرز بھی جائے وقوعہ پر موجود ہیں جنہوں نے عوام کو بلڈنگ سے نکالنے میں مدد دی۔ جی ہاں.....ہم آپ کو اہم خبر سے مطلع.....'' ٹی وی رپورٹر نے دوبارہ سے خبر پڑھنا شروع کردی اور ساتھ ساتھ متاثرہ بلڈنگ کے تصاویر بھی ٹی وی پر نظر آرہی تھیں۔

اور اسی رات ایک ہوٹل کی بیسمنٹ میں وہ باتیں کررہے تھے۔

''ہمارا مشن تو کامیاب ہوا۔ وہاں ایک بم بلاسٹ کرکے ہم نے اپنا آدھا کام تو کر ہی دیا ہے۔ پتہ نہیں دوسرا حملہ کیسے ناکام ہوا۔ کوئی گھر کا بھیدی ہے جس نے خبر دی ہے ان کو ورنہ ہمارا کام تو پلان کے مطابق ہی ہوا تھا۔ خیر.....اب ہمیں چھپنا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ ہم پر کوئی شک کرے۔ ہمیں اپنا حلیہ بدل لینا چاہیے۔'' ایجنٹ بلٹ نے اپنے ساتھیوں کو انفارم کیا۔

''لیکن ہم اب کیا کریں؟'' دوسرے نے پوچھا۔

''ہمیں کسی ایسی جگہ جانا چاہئے جہاں ہم محفوظ بھی ہوں اور ہم پر کوئی شک نہ کرے۔ ہم ہمیں اپنے قدم مضبوط کرنے ہوں

گے۔ہم کچھ دنوں کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو جاتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کیونکہ ہم جس کام کے لیے یہاں آئے ہیں وہ بہت آگے تک کا ہے۔اس لیے ہمیں اپنی پوزیشن اسٹرانگ کرنی ہوگی۔'' اس نے اپنا پلین بتایا۔

''اب تم پھر کسے رہبر بن کے دھوکہ دو گے؟'' ایک نے استہزائیہ انداز میں کہا تو وہ سب ہنس پڑے۔ لمحے کے اندر اس نے بہت کرب محسوس کیا تھا.....مگر اس نے اپنے آپ کو کمپوز رکھا۔

''بس تم دیکھتے جاؤ۔ میں اب خود کو دوبارہ کیسے محفوظ کرتا ہوں۔'' رہبر نے جیسے فیصلہ سنایا۔

رات کے دوسرے پہر ہوٹل کی بیسمنٹ میں وہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک اس کے فون پر گھنٹی بجی۔اس نے میسج کو decode کیا اور اگلے مرحلے کے لیے لائحہ عمل بنانے کے لیے وہ لوگ چلے گئے۔

وہ تصویر.....وہ اسی طرح اپنے اندر ایک داستان لیے، ایک راز سموئے وال پیپر پر لگی تھی۔ پر کسی کو کیا پتا تھا کہ یہ سب ایسے ختم نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

اس آدمی نے پانی کے ایک گلاس کی بجائے ٹھنڈے پانی کی پوری بالٹی ہی اس پر انڈیل دی۔

''ہاہ.....ہاہ.....ہاہ ہاہ.....'' پانی پڑتے ہی وہ ہانپنے لگا۔ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ٹھنڈہ پانی ایک دم پڑنے سے وہ سانس بحال نہ کر سکا۔

چند اونچی سانسیں لینے کے بعد وہ قدرے نارمل ہوا۔

''اور پانی چاہیے؟'' اس نے سوال کیا۔

''نہیں.....نہیں۔'' کرسی پر بیٹھا بلکہ جکڑا ہوا شخص بولا۔ بولتے ہوئے ابھی بھی وہ ہانپ رہا تھا۔

''اور پھر کیا ہوا؟'' اس آدمی نے پوچھا۔

''وہ مر گئی۔'' کرسی پر بیٹھے قیدی نے کہا۔

''جھوٹ.....'' وہ غصے سے چیخا اور ایک زوردار تھپڑ اس قیدی کو مارا۔اس کی گردن دوسری جانب گھومی اور چہرے پر انگلیوں کا نشان ثبت ہو چکا تھا۔''تمہیں اب بھی سمجھ نہیں آئی کہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا۔ مجھے ایک ایک بات سچ سچ بتاؤ۔'' اس کا غصہ عروج پر تھا۔

''بت.....بتا رہا.....ہوں۔ بتا.....رہا ہوں۔'' قیدی نے کہا اور چند مزید گہری سانسیں لیں، اپنا سانس بحال کیا۔

دیوار پر لگا بلب ہنوز چل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

رات کو وہ سب اکٹھے ہوئے۔سب خوش بھی تھے اور اداس بھی.....

''کاش ہمیں دوسرے دھماکے کی بھی خبر ملتی تو وہ لوگ بھی بچ جاتے۔اللہ ان کے درجات بلند کرے۔'' ایجنٹ وائٹ ہورس نے

بات کا آغاز کیا۔

''آمین۔انہیں ہمارے بندوں پر شک تو نہیں ہو گیا جو ہم تک ایک ہی خبر پہنچی ہے؟'' دوسرے ایجنٹ نے کہا۔

''خدا جانے۔'' وہ اداس تھا۔کل سے تو وہ ویسے ہی الجھا پڑا تھا۔پہلے وہ نشان اور اب یہ.....وہ کس کے ساتھ اپنی پریشانی شیئر کرتا؟ کس کو اپنا راز دار بناتا؟ ان سب سوالوں نے اسے الجھا دیا تھا تو اسے اللہ کے علاوہ کوئی آس امید نظر نہ آئی۔

وہ فوراً حاجت کے دو نفل ادا کرنے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

جب پہلی دفعہ دیکھا تو لگا

ایک چمکتے ستارے کو دیکھا ہے

جو مجھ میں بس گیا ہے

جو میرا ہو گیا ہے

ایک پھول.....

جو سب سے مختلف ہے

جو سب سے پیارا ہے

مجھے اس پھول سے محبت ہے

اس چمکتے ستارے سے محبت ہے

میں یہ نہیں جانتا.....

یہ رات کتنی لمبی ہو گی

مگر سب سے خوبصورت ہے

خواہش ہے کہ آنے والی سب راتیں

وہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہوں

کیونکہ.....

تم میرے ساتھ ہو گی

تم میرے ساتھ ہو گی

مراد نے شاعری پڑھ کر سنائی اور سرخ عروسی لباس میں ملبوس اس اپسرا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ان کی نظروں کا تصادم ہوا اور دل کے سمندر میں ایک دوسرے سے محبت کی لہروں کی تعداد زیادہ ہو گی۔ان لہروں میں اب تیزی آ گئی تھی۔

''بہت خوبصورت ہے۔'' ایمان نے کالی شیروانی میں ملبوس مراد، جو اس وقت اس کی زندگی کا شریک بن چکا تھا اور اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت مرد تھا، کو نہایت پیار سے کہا۔

''اس پل، اس لمحے اور تم سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہے۔'' مراد نے کہا۔ ہمیشہ سنجیدہ یا صرف مسکرانے والا مراد تو آج ذرا مختلف نظر آتا تھا۔ کمرے میں تازہ گلابوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

ایمان نے اس کا یہ روپ آج پہلی بار دیکھا تھا۔ جب وہ ایک دوسرے کے لئے کھلی کتاب بن چکے تھے۔

''آپ تو بہت رومانٹک نکلے۔'' ایمان نے شرماتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو کیا اب میں پھر سے وہی سنجیدہ سا مراد بن جاؤں تو تمہیں قبول ہے؟'' مراد نے ذرا خفگی سے کہا۔

''ارے، ارے۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا میں یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے نہیں پتہ تھا ناں.....'' ایمان نے اپنی بات کی تفصیل بیان کی۔

''تو بیگم صاحبہ اگر میں یہ روپ شادی سے پہلے دکھاتا تو آپ کہتی تم تو ٹھرکی ہو۔ بھلا پھر آپ مجھ سے شادی کرتیں؟'' مراد نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

''اچھا.....اچھا۔ بس کریں۔ بات کو کہاں سے کہاں لے گئے آپ۔'' وہ جھنجھلا کر بولی تو مراد نے قہقہہ لگایا۔

''ویسے میرے اور بھی بہت سے روپ ہیں۔'' مراد نے مسٹریس انداز میں کہا۔

''مثلاً؟'' ایمان نے پوچھا۔

''کبھی تمہیں اپنی کہانیاں سناؤں گا۔'' مراد نے کہا۔

''کہانیاں تو فرضی ہوتی ہیں۔'' ایمان نے کندھے اچکائے۔

''اوہ بیگم، مطلب قصے..... قصے تو حقیقت ہوتے ہیں ناں؟'' وہ ایمان کو کلیئر کر رہا تھا۔

''اچھا، اچھا۔'' مراد ہنس دیا تو وہ بھی ہنس دی۔

''بڑے وہ ہیں آپ۔'' ایمان نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''ہاں پتا ہے۔ اور تمہیں پتا ہے کہ تم کیا ہو؟'' اس نے سوالیہ انداز اپنایا۔

''کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''میری بیوی ہو تم۔ میری شریک حیات ہو۔ میرے دکھ سکھ کی ساتھی ہو۔ آج سے مراد تمہارا ہوا اور ایمان مراد کی۔'' مراد نے اس کا مہندی سے بھرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا اور ایمان نے شرماتے ہوئے سر جھکا لیا۔

''ویسے شرماتے ہوئے تم پیاری لگتی ہو۔'' مراد نے ایک بار پھر اس کی تعریف کی۔

''میں ہوں ہی پیاری.....'' وہ ایک ادا سے بولی۔

''بیوی کس کی ہو؟'' وہ جتاتے ہوئے بولا۔

''چلو جی.....سارا کریڈٹ خود لے لیں اب۔'' وہ ناراضی سے بولی۔مراد کا قہقہہ ایک بار پھر بلند ہوا۔

ایمان ویسے ہی بیٹھی تھی کہ مراد نے اس کا ہاتھ دبایا تو اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

مراد ذرا آگے ہوا اور ایمان نے اپنے ماتھے پر مراد کے ہونٹوں کا محبت بھرا لمس محسوس کیا۔

کمرے میں سرخ، تازہ گلابوں کی مہک ہنوز پھیلی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

شائستہ کی موت ایک بہت افسوسناک موت تھی۔اس کی زندگی بچپن سے ہی ذرا مشکلات میں گزری تھی۔پہلے اس کے گھر والوں کے مالی حالات ٹھیک نہیں تھے اور جب اس کے ابو باہر سے ملک گئے تو وہ ذرا سیٹل ہوئے۔

وہ چار لوگوں پر مشتمل ایک گھرانہ تھا۔امی، ابو، بہن اور بھائی.....

شائستہ کا بھائی یوسف ہمیشہ سے بہت ہوشیار تھا، عقلمند تھا اور اس کی یہ صفت دیکھتے ہوئے اس کے ایک استاد نے کہا۔

''تم فوج میں جانا۔ہمارے ملک کو تم جیسے عقلمند نوجوانوں کی ضرورت ہے۔''

اس نے گھر آ کر امی ابو سے بات کی تو انہوں نے یوسف کو اجازت دے دی۔وہ اپنے استاد سے وقتاً فوقتاً معلومات لیتا رہتا تھا۔اس کا ایڈمیشن ہو گیا اور پڑھائی مکمل کرنے کے بعد وہ فوج میں بھرتی ہو گیا۔وہ جاسوس بن گیا یہ اس کا اپنا شوق بھی تھا۔

مختلف مشنز سے کامیاب لوٹنے کی وجہ سے اسے انڈیا میں ایک بڑے مشن پر بھیجا گیا۔وہاں اس نے ایک ایجنٹ ہینڈلر (کرنل) کو قتل کر دیا جو دوسرے ممالک میں دہشت گردی کو فروغ دیتا تھا۔کچھ سالوں بعد کسی نے اسے بھی شہید کر دیا۔

شائستہ کے لیے اس کا بھائی ہی نہیں بلکہ دوست بھی اس سے جدا ہو گیا تھا۔وہ افسردہ رہنے لگی تھی۔اپنی پڑھائی سے بھی فارغ ہو گئی تھی۔ایسے میں اس کے والدین نے سوچا کہ اب اس کی شادی کر دی جائے تاکہ وہ زندگی میں خوش رہا کرے پر.....انہیں کیا پتا تھا کہ وہ صرف ڈیڑھ سال ہی خوش رہ پائے گی اور دنیا فانی سے رخصت ہو کر اپنے ماں باپ کو بے اولاد چھوڑ کر چلی جائے گی۔

رہبر سے شادی ہو جانے کے بعد وہ جب بھی اپنے میکے آتی تو بہت خوش و خرم نظر آتی۔ہاں.....بحیثیت شوہر تو رہبر اچھا ہی تھا پر وہ ایک دہشت گرد بھی تو تھا۔

اس کے ماں باپ شائستہ کی طرف سے بہت مطمئن تھے۔ان کی تو وہ ایک ہی اولاد تھی جسے دیکھ دیکھ کر وہ جیتے تھے۔مگر ڈیڑھ سال بعد ان کی دوسری اولاد بھی دارِ فانی سے کوچ کر گئی تھی۔

کل من علیہا فان ؟ (سورۃ الرحمٰن: ؟؟)

''ہر ایک نے فنا ہو جانا ہے۔''

رہبر نے سب کو یہ بتایا تھا کہ کوئی باہر سے آ کر شائستہ کو قتل کر کے چلا گیا۔شائستہ کی موت کی خبر اس کے ماں باپ کو شائستہ کے قاتل نے ہی دی تھی اور اپنی اولاد کا جنازہ دیکھ کر اس کی ماں کو دل کا دورہ پڑ گیا۔اس کا باپ انہیں لے کر ہاسپٹل پہنچ گیا اور پیچھے سے شائستہ

کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

دو دن تک مسلسل ہوش میں نہ آنے کی وجہ سے وہ لوگ ہاسپٹل سے واپس نہیں آئے تھے۔ کسی کا دھیان بچے کی طرف نہیں گیا تھا کہ وہ کہیں نظر نہیں آ رہا؟ وہ بھلا کیسے نظر آتا.....؟

رہبر اپنا سارا مال و متاع سمیٹ کر جا چکا تھا۔ کہاں؟ یہ ان کو خبر نہ ہوئی۔

شائستہ کے والد اپنی اولاد کے ساتھ ہونے والے ظلم پر بہت افسردہ تھے۔ اس کی ماں اس صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے دنیا سے چلی گئیں اور شائستہ کے والد نے کسی دارالامان میں رہنا شروع کر دیا۔

شائستہ جیسے لاعلم لوگ نیک ہوتے ہیں، معصوم ہوتے ہیں کہ اللہ ان کو شہادت کا رتبہ دیتا ہے۔

اپنی پوری شادی شدہ زندگی کی حقیقت جاننے کے بعد بھی اس نے اللہ سے گلہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ شہادت پانے پر خوش تھی۔

ایک مسلمان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دے اور شہادت جیسے عظیم ترین رتبے کا حقدار بن جائے۔ وہ بے شک منہ سے بیان نہ کرے مگر دل کے کسی کونے میں یہ خواہش ہمیشہ پائی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

''ایمان چلی گئی ہے تو رونق ہی ختم ہو گئی ہے گھر سے۔'' سلمہ نے اداس لہجے میں کہا۔

''ہاں جی۔ یہ تو ہے۔ آپی کتنا بولتی تھیں پر وہ اچھی لگتی تھیں بولتے ہوئے۔'' اسد نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''اللہ اسے خوش رکھے۔'' سلمہ نے دعا دی۔

''آمین۔ ویسے امی کچھ سالوں کی ہی تو بات ہے۔'' اس نے دوسری بات کہی۔

''کس چیز میں؟'' سلمہ نے گردن موڑ کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''گھر کی رونق واپس آ جائے گی ناں۔'' اسد نے نارمل لہجے میں کہا۔

''وہ کیسے؟'' سلمہ کا انداز سوال ہی تھا۔

''ارے اماں..... کچھ سالوں بعد آپ میری شادی کر دی گیں تو میری بیوی گھر آ جائے گی پھر ہمارے بچے ہوں گے تو گھر میں رونق ہو جائے گی ناں۔ آپ اتنا تو انتظار کر ہی سکتی ہیں۔'' اسد نے عجیب سے انداز میں یہ بات کہی اور سلمہ اس کی بات پر حیران رہ گئی۔

''تم سے یہ سب کس نے کہا؟'' یہ سلمہ کا تیسرا سوال تھا۔

''آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں؟'' اسد ذرا ناراضی سے بولا۔

''ہاں..... نہیں۔ میرا بیٹا تو بہت سمجھدار ہے۔ ہر بات کا پتا ہے کہ گھر میں رونق کیسے لگاتے ہیں۔ ادھر آؤ میرے پاس۔'' سلمہ نے پیار سے اسے اپنے پاس بلایا۔

''Thanks اماں۔'' اسد شرماتے ہوئے آگے آیا۔

''اریمیرا بچہ۔''سلمہ نے کہتے ہوئے اس کے گالوں پر پہلے پیار کیا اور پھر انہیں گالوں کو طمانچہ سے نوازہ۔

''بڑی زبانیں چلتی ہیں تمہاری۔کوئی شرم وحیا ہے ہی نہیں۔ماں کے سامنے کیسے آرام سے اپنی شادی کی بات کر رہا ہے۔اپنی عمر تو دیکھو تم پہلے۔کچھ شرم کرلو پندرہ سال عمر ہے ابھی اور باتیں پچیس سال والی۔ہم تو اس عمر میں اتنے معصوم ہوتے تھے اور آج کل کے بچے.....توبہ۔اتنا دماغ اگر پڑھائی پر لگایا ہوتا ناں تو آج کہاں ہوتے تم، پر نہیں اپنی دوسری ماں، موبائل کے ساتھ ہی لگے رہتے ہو۔ پڑھائی کا کیا ہے، موبائل زیادہ ضروری ہے۔وہیں سے یہ سب سیکھتے ہو ناں تم؟ آئندہ تم موبائل کو ہاتھ تو لگا کر دیکھاؤ میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گی۔''سلمہ کہتی گئیں اور اس دوران ذرا اسد کی ٹھکائی بھی کرتی رہیں۔

ہمیشہ کی طرح بات کہیں اور سے شروع ہوتی لیکن ختم تو پڑھائی اور موبائل پر ہی ہونی تھی۔یہ تو ہر ماں کا پیدائشی اسٹائل ہے کہ بات جہاں سے مرضی شروع ہوئی ہو لیکن جو مرضی کرلو ختم تو پڑھائی اور موبائل پر ہی ہوگی۔

اسد سلمہ سے اپنی عزت افضائی کروانے کے بعد کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

باب ہفتم

تکبر

وہ دن ان دونوں کے لئے بہت خوبصورت دن تھا۔ان دونوں کی زندگی کا اہم ترین دن، جو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا کیونکہ وہ دن، وہ جگہ، وہ لمحہ ایسا نہیں تھا جو آسانی سے بھلایا جاسکے۔دن کے اجالے نے ہر سو روشنی کر رکھی تھی اور سورج کی تپتی دھوپ نے وہاں موجود ہر شخص کو شدید گرمی کا احساس دلایا ہوا تھا لیکن وہ اس گرمی کی پرواہ کیے بغیر اس خوبصورت منظر کو دیکھ رہے تھے۔

دل کی اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دنیا و مافیہا سے اوپر کی خوشی ہے۔کوئی خوشی اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔وہ منظر ایسا تھا کہ اس کو دیکھتے ہوئے انسان ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے۔بس یک ٹک اس خوبصورت منظر کو دیکھتا رہتا ہے۔

کچھ مناظر ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ان میں ڈوب جاتا ہے. اندر کسی گہرائی میں پہنچ جاتا ہے اور اس گہرائی میں جا کر بھی اسے احساس نہیں ہوتا کہ آگے کچھ نہیں ہے۔یہی حد ہے۔

وہ منظر بھی ایسا ہی تھا کیونکہ وہ کعبۃ اللہ کا منظر تھا۔

وہ دونوں اسی طرح کھڑے آنکھوں میں نمی لئے اس گھر کو دیکھ رہے تھے جو دنیا کا پہلا گھر ہے۔آج بھی تروتازہ ہے۔یہ وہ جگہ تھی جو کبھی پرانی نہیں ہوسکتی کیونکہ ہمہ وقت لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔اس گھر کا طواف کرتے ہیں اور یہ طواف سوائے نماز کے اوقات میں کبھی نہیں رکا۔

''میں نے جب تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا، تب مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ کبھی ہم دوبارہ ملیں گے لیکن جب میں نے تمہیں آفس میں دیکھا تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ایسے جیسے دل کو سکون مل گیا ہو۔پھر اسی لمحے میرے دل میں خواہش جاگی کہ ایک دن میں تمہارے ساتھ یہاں آؤں۔تمہیں اپنی محرم بنا کر تو میں نے اللہ سے بہت دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں کو محرم بنا دے اور الحمدللہ کہ اس نے میری دعا سن لی اور آج ہم ادھر ہیں، اس پاک ذات کے گھر کے سامنے.....'' آنکھوں میں خوشی کے آنسو لیے وہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے ایمان سے کہہ رہا تھا۔

''اور مجھے بھی آپ پسند تھے مگر شاید دل نے کبھی اعتراف نہیں کیا۔مجھے تو آپ بن مانگے ہی مل گئے۔میں بھی اللہ کا بہت شکر ادا کرتی ہوں۔'' ایمان بھی اسی انداز میں بولی۔

عمرہ کے لئے احرام باندھے وہ دونوں ایک دوسرے کے محرم.....زندگی کے ساتھی اور.....اور ایک حلال رشتے میں وہ وہاں اپنے رب کے دربار میں عبادت کرنے آئے تھے۔

یہ سفر ایک ہفتے کا تھا۔

عمرہ کرنیکے بعد وہ ہوٹل چلے گئے۔

مراد نہانے چلا گیا۔ مکہ میں تو بہت گرمی ہوتی ہے۔

چند منٹ بعد مراد غسل خانے سے باہر آیا تو ایمان نے کھانا منگوالیا تھا۔

''آجائیں۔'' ایمان نے مراد سے کہا۔ ایمان بیڈ پہ بیٹھی تھی۔

''نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔ مجھے ابھی اتنی بھوک نہیں ہے۔ میں واپس آ کر کھالوں گا۔'' اس نے کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ نیچے جھک کر وہ اپنی پینٹ موڑنے لگا۔

ایمان کھانا شروع کر چکی تھی۔

''آپ اپنی پینٹ ہمیشہ فولڈ کیوں رکھتے ہیں؟ میں نے بہت نوٹ کیا ہے۔ یا تو آپ پینٹ ہی تھوڑی سی اونچی پہنتے ہیں اور اگر جینز وغیرہ ہو تو ہمیشہ فولڈ کر کے رکھتے ہیں۔'' ایمان نے ذہن میں آیا سوال کیا۔ مراد اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا ہنسا۔ وہ اب پینٹ فولڈ کر چکا تھا۔

''کیونکہ میں مغرور نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کیا۔

''ہیں؟ یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ الجھ گئی جیسے اسے سمجھ نہ آیا ہو۔

''ہاں۔ میں مغرور نہیں۔'' مراد نے اپنی بات دہرائی۔

''میں آپ سے کیا پوچھ رہی ہوں اور آپ کہہ رہے کہ میں مغرور نہیں.....'' وہ مزید الجھ گئی۔

''جو مرد اپنی شلوار یا پینٹ اپنے ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے وہ مغرور ہے۔'' مراد نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''غرور کرنا انسان کی صفت نہیں اور نا ہی یہ اس پہ جچتا ہے۔ آخر انسان کس قابل ہے؟ یہ تو اللہ کی صفت ہے اور اسی پر جچتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جس شخص نے اپنا کپڑا (شلوار یا پینٹ) ٹخنوں سے نیچے رکھا اس نے اللہ کی چادر کو کھینچ کر اپنا ٹخنا ڈھکا۔ اس نے اللہ کی صفت میں مداخلت کی۔ اس نے غرور کیا۔ غرور اللہ کی چادر ہے۔ انسان کیونکر غرور کرتا ہے جب کہ وہ بے بس ہے؟ میں اپنی شلوار یا پینٹ ہمیشہ اپنے ٹخنوں سے اوپر رکھتا ہوں کیونکہ میں اس قابل نہیں کہ اللہ کی چادر کھینچ کر غرور کروں۔ میں تو بہت ادنی سا انسان ہوں۔'' مراد نے نارمل لہجے میں یہ بات کہی۔

غرور اللہ کی چادر ہے۔ مرد کیوں اپنے ٹخنے ڈھکتے ہیں اور عورتیں کیوں ان کی نمائش کرتی ہیں؟ کیا ان سب کو اس کے عذاب کی خبر نہیں؟ جس عورت کا ٹخنا ننگا ہے اور کوئی غیر مرد اسے دیکھ لیتا ہے اور جس مرد کا ٹخنا ڈھکا ہوا ہے تو ایسے مردوں اور عورتوں کے ٹخنے جہنم کی دیواروں سے لگائے جائیں گے۔ ایک اور حدیث ہے کہ ''جو مرد دنیا میں اپنا ٹخنا ڈھکتا ہے، قیامت والے دن اللہ رب العزت اس 'مغرور' مرد کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔'' اور بے پردہ عورت کے لیے بھی سخت عذاب ہے۔ ہمیں عذاب کی پرواہ نہیں پر فیشن کی بہت پرواہ ہے۔

''اب میں نماز پڑھنے جارہا ہوں۔ بائے بائے۔'' وہ پیار سے کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ ایمان ہکا بکا سی بیٹھی رہ گئی۔ اسنے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی اتنی بڑی اور شدید سزائیں ہیں۔

ہم بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے جب وہی ہماری تباہی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

وہ پھر سے کھانا کھانے لگی اور اب سے اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ بھی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی احتیاط کرے گی جیسے اب وہ پرفیوم نہیں لگاتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

''تمہیں پاکستان میں ہی رہنا ہے کچھ عرصہ اور یہاں ایک جاسوس ہے ہمارے اندر، اسے پکڑنا ہے۔'' وائٹ ہورس نے کرنل کو کہتے سنا۔ وہ دونوں آفس نما ایک کمرے میں کوئی کام کر رہے تھے۔ کمرہ برقی قمقموں سے روشن تھا۔ سورج نکلنے سے قبل آسمان ہلکا نیلا تھا۔ یوسف کچھ دنوں سے مسلسل پریشان لگ رہا تھا۔ وہ نشان اسے الجھائے ہوئے تھا۔

''آپ کو کسی پر شک ہے کرنل؟'' وائٹ ہورس نے پوچھا۔

''ہاں اکبر نامی ایک بندہ ہے۔ مجھے اس کی حرکتیں کچھ عجیب لگ رہی ہیں اب۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ ہندو ہے۔ تم اس کے سامان کی تلاشی لو اور پتہ لگاؤ۔ آج کل وہ ذرا پریشان لگ رہا ہے شاید.....تو اسے Grab کرنا آسان ہوگا۔'' کرنل نے تفصیل بتائی۔

''میں یہ کام ابھی سے شروع کر دیتا ہوں۔'' وائٹ ہورس نے کہا۔

''گڈ۔ اوکے بوائے۔ Have fun'' وہ کہہ کر پلٹنے ہی لگے تھے کہ وائٹ ہورس بول اٹھا۔

''کرنل.....وہ ی لیش مہرا والا مشن میں ہی کروں گا۔ پلیز آپ کسی اور کو مت دیجیے گا۔'' وائٹ ہورس نے جیسے درخواست کی۔

''اوکے۔ وقت آنے پر دیکھتے ہیں۔ Relax'' وہ اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے مڑ گئے۔

وائٹ ہورس کے لئے یہ مشن صرف ایک مشن ہی نہیں تھا، اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا راز بھی اس مشن میں پوشیدہ تھا۔ وہ شک میں تھا کہ اس کا خیال ٹھیک ہے یا نہیں؟ اس لیے وہ یہ مشن خود کرنا چاہتا تھا۔

جس چیز میں ذرا سا بھی شک آجاتا ہے تو انسان اس کی طرف نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو جاتا ہے اور جب تک اس شک کی حقیقت معلوم نہیں ہو جاتی وہ یہ راستہ چھوڑتا نہیں۔ تجسس بہت بری چیز ہے۔ یہ انسان کو چین نہیں لینے دیتی ہے۔

وہ وہیں کا وہیں الجھا ہوا کھڑا تھا۔

سورج پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے تیار تھا۔

☆☆☆☆☆☆

بڑی بڑی دیواروں اور ان پر جگہ جگہ لگے دروازوں سے گھری وہ عمارت آج بھی ویسی ہی تھی۔ اس کے اندر کا ماحول بھی ویسا ہی

تھا۔

''کیا تم لوگوں کو واقعی لگتا ہے کہ وہ انڈیا سے چلا گیا ہے؟''اس نے اپنے وہی غصیلے انداز میں پوچھا۔

''یس کرنل۔بی ایس ایف (باڈر سیکیورٹی فورسز) سے خبر ملی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو بارڈر کراس کرتے دیکھا ہے مگر وہ اسے پکڑ نہیں سکے۔''اس کے ماتحت نے بتایا۔

''سب ہی نکمے ہیں۔تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ وائٹ ہورس ہی تھا؟''اس نے تصدیق چاہی۔

''کرنل،اگر ہمارا کوئی بندہ ہوتا تو ہمیں انفارمیشن تو ضرور ہوتی۔اسی لئے ہمیں یہ لگ رہا ہے کہ وہ وائٹ ہورس ہی تھا۔''اس نے اس بار ذرا تفصیل سے بتایا۔

''اچھا پھر بھی تم اپنے بندوں سے پوچھو جو پاکستان میں ہیں کہ کیا واقعی وہ وائٹ ہورس ہی تھا یا کوئی اور.....؟''اس نے حکماً کہا جسے وہ سر ہلا کر سنتا گیا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔

''ایک لڑکا پکڑنا مشکل ہو گیا ہے میرے لئے۔کیا بلا ہے وہ آخر؟ وہ سفید گھوڑا میری صلاحیتوں کو چیلنج کر رہا ہے۔اس وقت اگر میں خود ایجنٹ ہوتا تو وہ میرے قدموں میں ہوتا۔ان سے تو وہ ایک نئی مچھلی پکڑنا مشکل ہو گئی ہے۔''وہ بیٹھا ایک ہاتھ کی مٹھی بنائے سوچ رہا تھا۔

بڑے سے کمرے میں وہ اکیلا ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ایک ہفتے بعد وہ دونوں واپس آ چکے تھے۔یہ ان کی زندگی کا حسین ترین سفر تھا۔اپنے محرم کے ساتھ کسی ایسی جگہ جانا جو دل کے بہت قریب ہو،ہر سفر پر فوقیت رکھتا ہے۔ایسے سفر بہت خاص ہوتے ہیں جو اپنی من پسند جگہ اور من پسند شخص کے ساتھ ہوں۔

''بہت مبارک ہو تم دونوں کو۔اللہ قبول کرے۔''ان دونوں نے اپنے اپنے والدین سے مبارکباد وصول کیں۔آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ ائیر پورٹ سے گھر پہنچ گئے اور پھر رات کو سلمہ اور اسد ڈرائیور کے ساتھ گھر چلے گئے تھے۔

''مراد آپ نے وہاں سب سے زیادہ کیا دعا کی؟''ایمان نے اپنے بالوں کو پونی کی قید سے آزاد کرتے ہوئے پوچھا۔وہ دونوں اپنے کمرے میں تھے۔وہ تھک چکے تھے۔اب سونا چاہتے تھے۔کل سے پھر سے وہی روٹین شروع ہو جانی تھی۔

''اپنی دعائیں کسی کو نہیں بتاتے۔''مراد نارمل لہجے میں بولا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

''کیا میں اب کسی ہو گئی ہوں؟''وہ ناراضی سے بولی۔

''ارے یار.....میرا وہ مطلب نہیں تھا۔اچھا بتاتا ہوں۔''مراد معذرت کرنے کے بعد حامی بھری۔

''میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں جنت میں بھی ساتھ رکھنا۔اس کے علاوہ بھی بہت سی دعائیں کیں کہ ہمیں یہاں دوبارہ بھی بلانا۔''مراد اسے اپنی دعاؤں سے آگاہ کر رہا تھا۔ایمان مسکرا کر اپنے شریک حیات کو دیکھ رہی تھی۔

''اب خوش ہیں آپ؟'' مراد نے پوچھا۔

''جی خوش ہوں۔'' ایمان نے سر اثبات میں ہلایا۔

''شکر ہے ورنہ میری شامت آجانی تھی۔'' مراد نے ڈرنے والے انداز میں کہا اور ایمان نے پاس رکھا کشن اسے دے مارا۔

مراد نے پہلے ہی اس کا وار روک دیا تھا۔ ''نو، نو.....ایک ایکسپرٹ کے ساتھ اتنی چھوٹی چھوٹی ٹرکس نہیں کرتے۔ ہم تو چلتی گولی کو روک لیتے ہیں یہ تو صرف ایک کشن ہے۔'' ایمان خفا نظر آتی تھی پر وہ مراد کی بات پہ حیران ضرور ہوئی تھی۔

''اتنے آپ۔'' ذرا طنز سے کہتی ایمان سونے کے لئے لیٹ گی۔

چند منٹ درمیان میں خاموشی حائل رہی۔

''ایم.....خفا ہو؟'' مراد نے ذرا آگے ہو کر پوچھا۔

''دفع ہو۔'' ایمان بے ساختہ بول اٹھی اور دوسرے پل وہ سیدھی ہوئی۔

''سوری، سوری۔ آئی ایم سوری۔ میرے منہ سے نکل گیا۔ وہ میں بس ایک جگہ پڑھا تھا تو.....بس منہ سے نکل گیا۔ امی کو نہ بتانا پلیز، ورنہ مجھے بہت ڈانٹ پڑے گی۔'' ایمان پریشانی میں معذرت کر رہی تھی۔ مراد پہلے حیران ہوا مگر وہ اب اس کی پریشانی سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''کل جاتا ہوں بتانے ذرا آنٹی کو۔ ذرا لحاظ نہیں ہے شوہر کا۔'' وہ خفا ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔ غصے میں وہ سونے کے لئے لیٹ گیا۔ ایمان اس کا کندھا پکڑ کر کہہ رہی تھی۔ مراد نے کچھ نہ کہا۔

''سوری کر تو رہی ہوں۔ اللہ.....اماں بہت ڈانٹیں گی مجھے۔'' ایمان کو مراد سے زیادہ ماں کی ڈانٹ کی فکر تھی۔ ''اچھا سوری مراد۔ بس میرے منہ سے نکل گیا۔'' وہ ابھی تک معذرت کر رہی تھی مگر مراد جیسے سنی ان سنی کر رہا تھا۔

''سوری.....'' وہ کہتے کہتے رونے ہی لگ گئی۔

''یار رونے کیوں لگ گئی ہو؟ میں تو بس مذاق کیا ہے۔'' مراد نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔ وہ چپ کر گئی۔

''حد ہے، کتنے برے ہیں آپ۔ میں کل آنٹی کو بتاؤں گی۔'' ایمان نے اسے دھمکی دی۔

''اچھا ایک ڈیل کرتے ہیں۔''

''میں آنٹی کے ساتھ ساتھ انکل کو بھی بتاؤں گی۔''

''ڈیل تو سن لو۔''

''رشوت دے رہے ہیں آپ، یہ بھی بتاؤں گی۔''

''سنو تو صحیح۔''

''اور رشوت لینے پر ضد بھی کر رہے ہیں۔''

''پاستہ کھانے چلوگی؟''

''ہاں چلوں گی۔'' وہ ناراضی بھول کر جھٹ سے بول اٹھی اور مراد قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''ایمان مجھے حیرت ہوتی ہے تم بزنس میں اتنی اچھی کیسے ہو؟ یعنی تمہیں ایسے دیکھو تو تم بہت معصوم ہو مگر بزنس ڈیلز ایسے کرتی ہو جیسے بہت تجربہ کار ہو کیا۔ وہ واقعی تم ہوتی ہو؟'' مراد نے ہنستے ہنستے کہا۔

''ہاں، میں خود بھی یہی سوچتی ہوں کہ میں کبھی کبھی کیسے اتنی بیوقوف بن جاتی ہوں؟ مگر بزنس میں تو میں بہت اچھی ہوں۔ الحمدللہ۔''

وہ سوچنے والے انداز میں بولی۔

وہ واقعی بزنس میں اچھی تھی۔ عامر شیرازی اسے اپنی ہر میٹنگ کا ایک اہم ممبر کہتے تھے اور اس سے مشورے بھی کرتے تھے اور ایمان کے مشورے پر عمل کر کے وہ فائدے میں ہی رہتے تھے۔

دوسری طرف وہ بہت بھولی بھی تھی اور علقمند بھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی تھی اور بعض دفعہ مذاق بھی نہیں سمجھتی تھی لیکن وہ ایک اچھی بزنس لیڈی تھی۔ اس سب کے باوجود بھی مراد کو اس کے دونوں رنگ اچھے لگتے تھے۔ وہ اس کا دل فتح کر چکی تھی۔

گھر والوں کو بتائے بغیر وہ دونوں پاستے سے لطف اندوز ہونے کے لیے کسی ریسٹورنٹ چلے گئے۔

''ڈیڈ کہہ رہے تھے کہ ایمان کو اب کمپنی کی CEO بنایا جائے؟'' مراد نے ایمان کے سر پر ایک بم پھوڑا۔

''واقعی میں.....؟'' ایمان نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے؟'' مراد نے خفگی سے پوچھا۔

''حیران ہو رہی ہوں اب میں اور حیرانی میں ایسے ہی کہتے ہیں اب؟'' ایمان نے ناسمجھی سے کندھے اچکائے۔

''اچھا ویسے تم کیا کہتی ہو اس بارے میں؟'' مراد نے اسے جانچنا چاہا۔

''انکل ساتھ کام کریں گے تو مجھے کیا پرابلم؟ ایٹ لیسٹ کچھ عرصہ تو ساتھ کام کریں۔'' ایمان نے اپنی رائے دی۔

''جب ڈیڈ تم سے بات کریں تو تم انہیں کہہ دینا۔'' مراد نے اسے مسئلے کا حل بتایا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی پاستے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ پاستہ کھانے کے بعد وہ گھر چلے گئے۔ سفر کی تھکاوٹ ہنوز تھی۔

☆☆☆☆☆☆

ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی تو آفس کے میٹنگ روم میں وہ سب چوکنا ہو گئے۔ سب نے اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں اور لیپ ٹاپس کھول لیے۔ ٹک ٹک قریب آتی جا رہی تھی۔

پیون (peon) نے دروازہ کھولا تو وہ حسین چہرہ لئے کندھے تک آتے بالوں کو نیچے سے کرل کیئے، وائٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس، سرخ ہیل کی طرح ہونٹوں پہ بھی سرخ لپ سٹک لگائے اور ہاتھ میں ایک میڈیم سائز کا سرخ رنگ کا خوبصورت سا ہینڈ بیگ پکڑے، درمیانے

قدم اٹھاتی ہوئی سربراہی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سرخ ہینڈ بیگ اس نے اپنے پاس زمین پر رکھ دیا۔

دروازے سے لے کر سربراہی کرسی تک ہر ایک نے سراہتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اس کی بارعب شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ ہر ایک کے دل میں اس سحر انگیز شخصیت کے لئے رعب اور عزت میں اضافہ ہوا تھا۔

''جی بگّا صاحب، کیا رپورٹس ہیں؟'' سربراہی کرسی سنبھالے اس نے رعب دار لہجے میں سوال اچھالا۔

''مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہماری مارکیٹ ویلیو میں کافی حد تک کمی آئی ہے۔ ہمارے شیئرز بھی گر گئے ہیں۔ ہمیں کافی نقصان ہوا ہے۔'' بگا صاحب نے دکھ سے تمام حالات اس سحر انگیز شخصیت کے سامنے رکھے۔

''آخر ایسا کیوں ہوا؟'' اس نے پریشانی سے سوال کیا۔

''میم جب سے آپ آئیں ہیں ہمیں نقصان ہی ہو رہا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ میں یہ کمپنی چھوڑ رہی ہوں۔ کل آپ کو Resignation letter (استعفی) مل جائے گا۔'' اس کے دائیں طرف بیٹھی ثروت نے نیم غصے میں کہتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔ سربراہی کرسی پر بیٹھی اس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا۔

''سوری میم..... میں بھی اب نہیں کروں گا۔''

''میں بھی نہیں۔''

''میم میں بھی۔''

''Same here'' کمرے میں موجود متعدد لوگوں نے اسے اپنی جاب چھوڑنے کی خبر سنائی۔ وہ حیران پریشان ہوگئی۔

''آخر کیا وجہ ہے؟'' اس نے دریافت کیا۔

''وجہ..... اب 'وجہ' ہی پوچھ رہی ہے کہ وجہ کیا ہے؟'' ثروت نے اس کی سحر انگیز شخصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے طنزاً کہا۔ ''سارا پیسہ تو تم خود کھا جاتی ہو۔ گوچی سے نیچے تو تم بیگ نہیں لیتی۔ یہ گھڑی بھی تم نے گوچی سے ہی لی ہے۔ ملازم تمہارے باہر کے ملک پھر رہے ہوتے ہیں تمہارے ساتھ۔ کروڑوں روپے والی تو تم نے گاڑی رکھی ہوئی ہے۔ سیر سپاٹوں سے فرصت ملے تو کمپنی پر دھیان دو ناں تم..... اور ہاں، ہماری تنخواہیں بھی کم کر دی ہیں تم نے۔'' ثروت پھٹ پڑی تھی اور سربراہی کرسی پر بیٹھی وہ بے یقین نظروں سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔

''نہ..... نہ..... نہیں، میں نے..... کچھ نہیں کیا۔'' وہ بول رہی تھی اور اس بار ثروت کا ساتھ دینے کے لیے باقی لوگ بھی بول رہے تھے۔

''فضول خرچ ہو تم۔''

''سیریں کرو جا کر۔''

''کیا ضرورت ہے کام کرنے کی؟''

''کمپنی تباہ کردی تم نے۔'' ایسے کئی فقرے اس کی سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔

''میں..... بے قصور ہوں۔ میں نے..... کچھ نہیں کیا..... کچھ بھی نہیں..... پلیز۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ کہتے کہتے رونے لگی گئی۔ وہ لوگ ابھی تک بول رہے تھے۔

''ایمان۔ ایمان..... اٹھو ایمان۔ اٹھو.....'' مراد اس کے گالوں کو تھپتھپا کر اسے بلا رہا تھا۔ وہ نیند میں بول رہی تھی۔ اس دوران وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

''پلیز، پلیز..... میں نے کچھ نہیں کیا۔ پلیز، میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ ہنوز پریشانی کے عالم میں بولی جا رہی تھی۔

''ریلیکس کرو۔ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔'' مراد نے اسے ہوش دلائی۔ اس نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا جیسے سمجھنا چاہ رہی ہو کہ وہ کہاں ہے؟ چند سیکنڈز بعد وہ ہوش میں آئی۔

''اف، شکر..... وہ خواب ہی تھا۔'' ایمان نے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، چلو اب بتاؤ کیا دیکھا ہے؟'' مراد کے استفسار پر ایمان نے اسے الف تا یے خواب سنا دیا۔ خواب سن کر مراد کے قہقہے کو باہر آنے سے کوئی نہ روک سکا۔ اس کے بعد ایمان بھی ہنس پڑی۔

اس خواب سے یہ سبق ملا تھا کہ اگر وہ سی ای او بن گئی تو اسے بہت سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے ہوں گے۔

کچھ دیر بعد وہ سو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

''میں اسے یتیم خانے چھوڑ آیا۔ اس کے بعد وہ کہاں ہے، زندہ بھی ہے یا نہیں؟ مجھے کچھ بھی علم نہیں ہے۔'' زنجیروں میں قید اس شخص نے پھر سے بتانا شروع کیا۔

''جب تم نے اس کا یہی حال کرنا تھا تو پیدا ہی کیوں کیا؟'' وہ لکڑی کے ٹیبل پر بیٹھا ایک ٹانگ اس قیدی کہ گھٹنے پر رکھے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں..... انسان ہوں میں بھی..... غلطی ہو جاتی ہے۔'' اس نے افسوس سے کہا۔

''ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں۔ تم اتنے ٹرینڈ ہو کر بھی پھسل گئے؟'' اس شخص نے غصے سے کہا۔

''کہا ناں کہ انسان ہوں اور عورت تو ویسے ہی فتنہ ہے۔ وہ خود یہ کہتی تھی یہ بات۔'' قیدی نے کہا۔

''بے شک۔ اس کے بعد تم کہاں گئے؟'' وہ شخص اسی طرح ٹیبل پر بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

''کچھ عرصہ میں وہاں ہی رہا مگر پھر میری پوسٹنگ ہو گئی۔'' قیدی بتا رہا تھا اور وہ اس کی رام کتھا سن رہا تھا۔ اسے قیدی سے بہت ہی اہم باتیں ابھی پوچھنی تھیں اور بہت سی باتیں اسے بتانی تھیں۔

بلب کی روشنی میں وہ دونوں واضح نظر آ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

صبح کا سورج طلوع ہوا تو تمام جہاں بیدار ہو گیا تھا ہاں وہ نہیں ہوئے جو راتوں کو اسکرینوں کی زنجیروں میں قید ہو کر دیر سے سوتے ہیں اور دیر سے ہی اٹھتے ہیں۔ان کے لیے تو سورج پانچ بجے کی بجائے دوپہر دو بجے طلوع ہوتا ہے۔

آفس کے میٹنگ روم میں موجود وہ تمام لوگ ہمہ تن گوش عامر شیرازی کی بات سن رہے تھے۔

''آج سے ایمان میرے ساتھ والے آفس میں بیٹھا کرے گی اور میں نے اپنے آفس کے تمام اختیارات ایمان شیرازی کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ایمان اب شیرازی ایمپائر کی CEO ہے۔تمام اہم معاملات میں اب ایمان میرے ساتھ ہوگی۔میں اب تھک جاتا ہوں اسی لئے اب میری بیٹی میرا ساتھ دے گی۔کیا کسی کو کوئی پرابلم ہے؟''ایمان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''نو سر۔''سب نے کہا اور ایمان کو مبارک باد دینے لگ گئے۔

''میٹنگ شروع کریں؟''عامر نے کہا۔وہ سب متوجہ ہو چکے تھے۔اپنے اپنے لیپ ٹاپس سامنے کیے وہ رپورٹس دینے کے لیے تیار تھے۔

''سر ہمارے نیو پروڈکٹس کی سیل زیادہ نہیں ہو رہی ہے آج کل اور مجھے ڈر ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ بالکل ختم ہی نہ ہو جائے۔''مسٹر سلمان نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''اگر ہم اپنی پراڈکٹس کے ساتھ کوئی ڈیل رکھ دیں تو لوگ ایٹریکٹ ہوں گے۔اس طرح ہماری سیلز میں اضافہ ہوگا۔''ایمان نے کہنا شروع کیا اور اس دوران اس نے بہت سے مزید مفید مشورے بھی دیے جسے سب نے خوب سراہا۔

میٹنگ ختم ہونے کے بعد اس نے اپنے کمرے کے لئے کچھ ضروری سامان کا آرڈر دیا اور خود کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کے لیے تیار کیا۔

وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنا بیسٹ دے اسی لیے اس نے آج اپنے شوہر کی طرح ہر کام کرنے سے پہلے دو حاجت کے نفل پڑھنے کا ارادہ کیا۔

گھر آ کر اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا۔

مراد آج کل گھر نہیں تھا۔وہ کسی کام کے سلسلے میں دوسرے ملک گیا ہوا تھا۔اسی لئے ایمان اس کی چیزوں کی تلاشی لیتی تھی۔وہ شاید مراد کو مزید جاننا چاہتی تھی۔وہ اوپر اس کے اسٹڈی روم میں آ گئی اور اس کی کتابوں کا جائزہ لینے لگی۔اردو اور انگلش کی بے تحاشہ کتابیں ان ریکس کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ایمان ان کتابوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ایک جوان، پروفیشنل لڑکا کتابیں بھی پڑھ سکتا ہے؟ وہ بھی آج کل کے دور میں؟ جب لڑکوں کو آوارہ گردی سے ہی فرصت نہیں ملتی ہے وہ کتابیں کیسے پڑھیں؟

ایمان اس کی کلیکشن کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی تھی۔

''مراد بالکل بھی عام لڑکوں کی طرح نہیں ہیں۔''ایمان نے اعتراف کیا۔''میں خود کہتی ہوں کہ لڑکوں کو بھی کتابیں پڑھنی

چاہیے۔ان سے ذہن کھلتا ہے۔ ہماری سوچنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو باتیں ہمیں ماں باپ نہیں سکھا سکتے وہ ہمیں کتابوں میں لکھی گئی کہانیوں کے کردار سکھا دیتے ہیں۔ کتابیں انسان کی سب سے اچھی دوست ہوتی ہیں۔ کتابیں مرد اور عورت دونوں کو پڑھنی چاہیے۔'' ایمان خود کلامی کر رہی تھی کہ ٹیبل پر رکھا فون بجا۔اس نے کال اٹھالی اور رسمی سلام دعا کی۔

''جی امی کیسی ہیں آپ؟ ہاں میں آو?ں گی۔ میں ابھی نماز پڑھ لوں۔'' وہ کہتے ہوئے اسٹڈی روم سے باہر نکل آئی۔

وہ جب سے عمرہ کر کے آئے تھے ایمان کی نمازیں ٹھیک ہوگئی تھیں۔ مراد نے اسے سمجھایا تھا کہ نماز کے بغیر زندگی کچھ نہیں ہے۔ وہ اب پانچ وقت کی نمازی تھی۔

بعض دفعہ یہ سوچ آتی ہے کہ حج عمرہ کرنے کے بعد ہی ہمیں یہ احساس کیوں آتا ہے کہ ہم صراط مستقیم پر نہیں ہیں؟ کیا اس سے قبل ہمیں نہیں پتا ہوتا کہ ہم غلط راہ پر چل رہے ہیں؟ ظاہر ہے ہمیں پتا ہوتا ہے پر احساس نہیں ہوتا۔ صرف احساس دلوانے کے لیے حج و عمرے پر نہیں جانا چاہیے بلکہ حج عمرہ بعد میں آتا ہے پہلے نماز آتی ہے۔ ہمیں پہلے نماز کا پابند ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ کمرہ بکھرا پڑا تھا جیسے کسی نے تلاشی لی ہو اور ہر چیز اٹھا کر جہاں دل کیا وہاں رکھ دی ہو۔ وہ ابھی تک کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھا جو اس کے شک کو دور کر سکے مگر تقریباً سارے کمرے کا سامان بکھیرنے کے بعد بھی اسے کچھ نہ ملا۔

وہ مایوس ہونے لگا مگر دل کے کسی کونے میں امید کی کرن ابھی بھی زندہ تھی۔

اس نے ازسرِ نو کمرے پہ نگاہ دوڑائی مگر اس بار بھی اس کی نظر خالی واپس آئی۔ وہ کمرے کو ویسی ہی حالت میں چھوڑ کر باہر جانے لگا کہ اس کی نگاہ بیٹھ کے ساتھ ٹیبل پر رکھے نائٹ لیمپ پر رک گئی۔ وہ کسی امید کے ساتھ اس تک آیا۔ اس کا کور اٹھایا تو اندر بلب کی جگہ ایک موبائل فون پڑا ہوا تھا۔ اسے اسی چیز کی تو تلاش تھی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے اور چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ لئے وہ کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ اس کمرے کا مکین دروازہ کھولے اندر داخل ہوا۔ اندر کا حال دیکھ کر اسے ٹھٹھکا کہ کچھ غلط ہے۔ اپنے اردگرد اسے خطرے کے اونچے اونچے سائرن بجتے سنائی دیے۔

''ایجنٹ وائٹ ہورس؟'' اس نے سوالیہ انداز میں اس کا نام پکارا۔ آواز دھیمی تھی اور خوف سے بھرپور بھی۔

''یس۔ ایجنٹ جیت۔'' فاتحانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس نے اس کا اصلی نام لیا۔

وہ ایک قدم آگے ہوا تو اس غدار نے اپنی جیب میں سیا یک ٹافی نکالی (جاسوس اپنے ساتھ زہر کی گولیاں رکھتے ہیں کہ اگر وہ پکڑے جائیں تو یہ کھالیں اور مر جائیں تا کہ دشمن کو پھر بھی ان کا کوئی راز یا پلان پتا نا چل سکے) اور جیسے ہی وہ اسے اپنے منہ کے قریب لایا، پیچھے سے کسی نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔ اس کے ہاتھ اب پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ وہ مزاحمت کے باوجود کچھ نہ کر سکا۔ اس کی یہ حرکت دیکھ کر وہ دونوں سمجھ گئے تھے کہ یہی وہی غدار ہے۔ ان دونوں نے اسے رسیوں سے باندھ دیا۔ وہ اب اس کی خدمت کر رہے تھے۔ کتنی ہی دیر وہ مار کھاتا رہا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکالا مگر کافی زیادہ تشدد کے بعد اس کی حالت خراب ہونے لگی۔

''بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔'' رسیوں سے باندھ کر اسے الٹا لٹکایا گیا تھا۔ اتنے تشدد کے بعد بتانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

''کیا کیا انفارمیشن لیک کی ہے تم نے؟'' ایجنٹ وائٹ ہورس نے غصے سے پوچھا۔

''بس یہ کہ تم لیش مہرا کو مارنے انڈیا جا رہے ہو۔ تمہارے اوپر بارڈر پر حملہ ہم نے ہی کروایا تھا اور جب تم بیس میں داخل ہوئے تو میں نے ہی بتایا تھا انہیں۔ مجھ سے ایک غلطی ہوئی کہ میں تمہارے Cover کی تفصیلات نہیں دے سکا کیونکہ وہ تمہارے اور کرنل کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں تھی۔'' وہ نفرت سے اسے تمام باتیں بتا رہا تھا۔ ''تمھاری قسمت اچھی ہے کہ تم بچ گئے ورنہ اگر تم پکڑے جاتے تو آج یہاں نہ ہوتے بلکہ نرخ (جہنم) میں جل رہے ہوتے۔'' اکبر نامی غدار نے بات جاری رکھی۔ اس کے سامنے وہ دونوں استہزائیہ ہنسی ہنسے۔

''تمہیں اگر نرخ اتنا ہی یاد آ رہا ہے تو تمہاری یہ آخری خواہش بھی پوری کر دیتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وائٹ ہورس نے اسے جہنم واصل کر دیا تھا۔

گولیوں کی آواز سن کر پرندے ہڑبڑا کر اڑ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

''بس میرے بارے میں ہی بتایا ہے اس نے۔'' وائٹ ہورس نے کمپنی ہیڈ کو بتایا۔ وہ ان کے آفس میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔ کرنل عاصم اس کے دائیں طرف کھڑے تھے۔ ہیڈ اور ان دونوں کے درمیان ٹیبل حائل تھا۔

''چلو اچھا ہے۔ ہمارا زیادہ نقصان نہیں ہوا۔'' کمپنی ہیڈ اس کے سامنے آئے اور اس کے کندھا تھپکتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

''گڈ جاب یوسف، مائی بوائے۔'' کرنل نے اسے شاباشی دیتے ہوئے کہا۔

''Credit goes to your training.''

وائٹ ہورس نے جواباً کریڈٹ دیا۔ کرنل عاصم مسکرا دیئے۔ وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔

اپنے شاگردوں کی کی کامیابی پر استاد کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ جب آپ کسی کو کوئی چیز سیکھاتے ہیں اور وہ اس پر عمل کر کے کامیاب ہوتا ہے تو سب سے زیادہ خوشی کا احساس آپ کو ہی ہوتا ہے۔

ایجنٹ وائٹ ہورس اس ایجنسی کا بہت تربیت یافتہ ایجنٹ تھا اور ہمیشہ ہی کامیابی کے جھنڈے گاڑھ کر ہی واپس لوٹتا تھا۔

لیش مہرا مشن سے پہلے بھی وہ دو بار انڈیا جا چکا تھا اور وہاں موجود غداروں کا سر کچل چکا تھا مگر جب ہم کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو ہمارے راستے میں بہت سے غدار آتے ہیں۔ بہت سے کانٹے آتے ہیں، پتھر آتے ہیں اور ان سب رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں، وائٹ ہورس جتنے قابل ایجنٹ ہمیں بہت کم ہی ملتے ہیں۔ میں نے اسے آج صبح بتایا تھا کہ مجھے اکبر پر شک ہے اور شام ہونے سے قبل اس نے میرا شک یقین میں بدل کر حقیقت واضح کر دی۔'' تھوڑی دیر بعد وہ واپس کمپنی ہیڈ کے

آفس میں ان کے ساتھ تھے۔کرنل عاصم نے فخر سے کمپنی ہیڈ کو بتایا۔

''ویل ڈن۔ایسے اور قابل جوانوں کی ہمیں ضرورت ہے۔'' کمپنی ہیڈ نے کہا۔

''جی ضرور۔آنے والی نسل بہت ہوشیار ہے،ہم ان کی اچھی تربیت کریں گے۔'' کرنل عاصم نے جواباً کہا۔

''لیکن یہ مت بھولنا کہ دشمن کی نسل بھی کمزور نہیں ہے۔ہمیں اس سے زیادہ محنت کرنی ہے۔تم جانتے ہو کہ انڈین ایجنسی 'را' کے لیے سب سے زیادہ سازگار زمین پاکستان ہی ہے اور وہ اس خطے کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔نا جانے کتنے ہی را ایجنٹس اس زمین پر موجود ہیں۔ہمیں چوکنا رہنا پڑے گا۔'' کمپنی ہیڈ نے اپنی فکر عیاں کرتے ہوئے کہا۔

''جی انشائ اللہ۔ہم پاکستان پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔'' جنرل عاصم نے ایک عزم سے کہا۔

دونوں کے درمیان مزید معاملات پر بات ہوئی اور پھر محفل برخاست.....

☆☆☆☆☆☆

''مجھے لگتا ہے کہ ہمارا بندہ پکڑا گیا ہے اسی لئے اس کا کل سے کوئی میسج نہیں آیا۔'' بڑی دیواروں کے اندر بنی بلڈنگ کے ایک کمرے میں سامنے کرسی پر بیٹھے کرنل لیش کو ایک ایجنٹ نے آ کر اطلاع دی۔''اور ہمارا ایک دھما کا بھی ناکام ہو گیا۔'' اس نے ایک لمحے کے توقف کے بعد کہا۔

''تمہاری منحوس شکل ہمیشہ میرے پاس منحوس خبریں ہی لاتی ہے۔'' کرنل لیش نے تلخی سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔''اب کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ جا کر اس ناکام دھما کے کو دوبارہ سے پلان کرو اور اس بار یہ ناکام نہ ہو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' کرنل لیش نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کا کہا۔

''کرنل، ون مور تھنگ۔'' اس نے جاتے جاتے پلٹ کر کچھ کہنے کے لیے اجازت مانگی۔

''بکو۔'' وہ اسی طرح تلخ انداز میں بول رہا تھا۔

''Agent white horse is in Pakistan'' اس نے ذرا ٹھہر کر خبر سنائی مبادا کہ لیش پھر اس نمانے (معصوم) پر برس پڑے۔

''اچھا لیکن مجھے ہمیشہ اس کا انتظار رہے گا۔'' خلافِ توقع لیش آرام لہجے میں گویا ہوا۔مخبر چلا گیا۔

''وہ اپنا مشن اس طرح تو نہیں چھوڑے گا۔وہ اسے کمپلیٹ کرے گا۔میں آپ کا انتظار کروں گا۔میرے جیسا دشمن تو ان کے لیے سب سے پسندیدہ چیز ہوتی ہے۔وہ یہ کام ادھورا چھوڑ ہی نہیں سکتے۔'' وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ خوفزدہ تھا۔وہ اس لڑائی کے لیے پرجوش تھا۔اسے یہ لڑائی لڑنی ہی تھی کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کا ہدف تھے۔ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے۔ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔

کرنل لیش اور ایجنٹ وائٹ ہورس ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے۔

اگر وائٹ ہورس مضبوط تھا تو یش اس عمر میں بھی کم نہیں تھا۔ اسے اس لڑائی کا شدت سے انتظار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ لڑائی ضرور ہو۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اچھائی جیتے گی یا برائی لیکن..... ہر بار اب اچھائی نے ہی تو نہیں جیتنا ہوتا نا.....

اس نے سوچا۔

☆☆☆☆☆☆

کھانے کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سب بھوک کی شدت کے باعث کھانا کھانے ڈائننگ ٹیبل پر اپنی اپنی نشستیں سنبھالے ہوئے تھے۔ سربراہی کرسی پر عامر شیرازی تشریف فرما تھے۔ ان کے دائیں طرف ان کی زوجہ محترمہ جنت شیرازی براجمان تھیں۔ جنت کے ساتھ سلمہ نے کرسی سنبھالی ہوئی تھی۔ عامر شیرازی کے بائیں طرف مراد شیرازی تشریف فرما تھے۔ ان کے برابر میں ان کی زوجہ محترمہ ایمان مراد شیرازی اور ایمان کے ساتھ اسد بیٹھا تھا۔

وہ سب کھانا شروع کر چکے تھے۔ اچار گوشت، بریانی اور کریمی چکن نے میز کو رونق بخشی ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ میٹھے میں کھیر اور رشین سیلیڈ نے کھانے کو چار چاند لگا دیے تھے۔

آج وہ سب جہانگیر ہاؤس میں جمع تھے۔ سب موقع کی مناسبت سے تیار ہوئے تھے۔

''مراد بھائی، آج آپ پہلی دفعہ اپنے سسرال آئے ہیں ناں۔'' اسد نے معصومیت سے سوال کیا۔ اس کے سوال پر تمام لوگ ہلکا سا ہنس دیئے۔

''جی۔'' مراد نے مختصر جواب دیا۔

''کیسا لگا آپ کو ہمارا گھر.....؟'' اسد نے ایک اور سوال کیا۔

''اسد بیٹا..... کھانے کے درمیان نہیں بولتے ناں۔ چپ کر کے کھانا کھاؤ شاباش۔'' سلمہ نے پیار سے بولنے کے تمام ریکارڈز توڑ دیے تھے مگر اس پیار کے پیچھے چھپی دھمکی کو ایمان اور اسد بخوبی سمجھ سکتے تھے۔

''جی اماں۔'' اسد نے سلمہ کی بات کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔

اب وہ سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

''مراد بھائی۔'' اسد نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ایمان نے اسے نیچے سے ٹانگ ماری اور اس دوران سلمہ بھی اسے گھوری سے نواز چکی تھیں۔ اسد چپ گیا۔

''چپ کر جاؤ کیوں امی کی اصلیت سب کے سامنے لانی ہے کہ وہ بہت ظلم کرتی ہیں ہم پر؟'' ایمان نے دانت ملا کر اسد کے کان میں سرگوشی کی۔ آواز اس کے علاوہ کسی کو نہ گئی۔

''ہاں بولو۔'' مراد نے لقمہ مکمل کھانے کے بعد اسے کہا۔

''نہیں، وہ..... اچھا اب نہیں پوچھوں گا۔'' سلمہ کی گھورتی ہوئی نظروں نے اسد کو سوال کرنے کی جرأت کرنے سے منع کر دیا

تھا۔وہ بیچارہ پھر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

جنت اور عامر کے لیے ایسا ماحول بالکل نیا تھا اور وہ اس کو انجوائے کر رہے تھے۔

چند منٹ بعد انہوں نے کھانا کھالیا۔اسد کو کھلی آزادی مل چکی تھی کہ وہ مراد سے اوٹ پٹانگ سوال کرے۔

''اسد تم نے کیا پوچھنا تھا؟اب پوچھ لو۔''مراد نے اسے کہا تو وہ خوش ہو گیا۔

''وہ آپ باہر کے ملک گئے ہوئے ہیں ناں۔کیا وہاں بھی لائٹ جاتی ہے؟''اسد کے بچگانہ سوال پر مراد ہنس دیا۔

''بڑے ملکوں میں جب بجلی کی تاریں خراب ہوتی ہیں صرف تب جاتی ہے لیکن جو ہمارے جیسے ملک ہے وہاں تو جاتی ہے۔''مراد نے اچھے انداز میں اس کو جواب دیا۔باقی سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

''شکر ہے۔ورنہ مجھے لگا بس ہم ہی بدقسمت ہیں۔''اسد نے شکر ادا کیا اور مراد اس کی معصومیت پر پھر سے ہنس دیا۔

وہ دونوں سیڑھیوں کے پاس کھڑے تھے اسی لیے اندر بیٹھے سب لوگوں کو ان کی باتیں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اسد کے مزید کچھ سوالوں کے جواب دینے بعد وہ اندر آ گئے۔

''ماشائاللہ۔ایمان نے مجھے بزنس میں بہت ہیلپ کی ہے۔جب سے اس نے کمپنی جوائن کی ہے مجھے جیسے سہارا مل گیا ہے اور ہماری کمپنی کی ویلیو میں بھی اضافہ ہوا ہے۔''عامر نے سلمہ سے بات کرتے ہوئے ایمان کی تعریف کی۔

''ماشائاللہ۔اللہ اور ترقی دے۔''سلمہ نے دعا دی۔

''آمین۔''عامر نے کہا۔

''اچھا جنت بہن،آپ بتائیں۔ایمان آپ کو تنگ تو نہیں کرتی۔''سلمہ نے ایمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔جنت ہنس پڑیں۔

''اماں.....''ایمان کے منہ سے بے ساختہ نکلا اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہنا چاہ رہی ہو

''Amma, what is this behavior?''

''نہیں،بالکل بھی نہیں۔ایمان تو بہت سمجھدار لڑکی ہے ماشاءاللہ۔عامر کا بزنس سنبھالا ہوا ہے اس نے یہی بہت ہے۔گھر کے کاموں کے لیے تو نوکر موجود ہیں۔''جنت نے بھی عامر کی تائید کی۔

''آپی،آپ کی ساس کو کوئی دماغی مسئلہ ہے؟''اسد نے ایمان کے کان میں سرگوشی کی۔اس کا انداز نہایت ہی سنجیدہ تھا۔

''نہیں تو۔کیوں کیا ہوا؟''ایمان نہ سمجھی سے بولی۔

''وہ آپ کو سمجھدار کہہ رہی ہیں ناں اسی لئے مجھے لگا کہ کوئی دماغی مسئلہ ہے ان کے ساتھ۔''اسد کا جواب سن کر ایمان کو طیش آ گیا لیکن سامنے بیٹھے اپنے سسرال والوں کی وجہ سے کنٹرول کر گئی۔

''بچو تم اب میرے ہاتھوں سے۔میں تمہیں بعد میں پوچھتی ہوں ذرا۔''ایمان نے سرگوشی کرتے ہوئے ہی اسے دھمکی دی۔اسد ہلکا سا ہنس دیا۔

''آپی جسٹ کڈنگ یار.....'' اسد نے ایمان کا غصہ دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ جب مذاق کرتے تھے تو ایک دوسرے کو 'یار' ہی کہہ کر بلاتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سب سے بڑے دوست تھے اور سب سے بڑے دشمن بھی۔ ان دونوں کے درمیان آٹھ سال کا فرق تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ ہیش ٹیگ بردر سسٹر گولز۔

''چپ کر کے بیٹھو۔'' ایمان نے اسے چپ کروایا۔ کمرے میں موجود باقی چار افراد اپنی باتوں میں مگن تھے۔

''جہانگیر کے جانے کے بعد میں نے اتنے سال ان دونوں کو جس طرح پالا ہے وہ میرا خدا ہی جانتا ہے۔ اللہ نے میری بہت مدد کی ہے ورنہ آج ایمان اتنی پڑھی لکھی نہ ہوتی۔ وہی ہے جو انسان کی سب سے زیادہ مدد کرتا ہے۔'' سلمہ نے اپنی داستانِ مشقت سناتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل آنٹی۔ جب ہم صرف اللہ سے مانگتے ہیں اور اس کی ذات پر یقین رکھتے ہیں تو وہ ہمیں ان ان ذرائع سے نوازتا ہے کہ ہماری سوچ وہاں تک نہیں جاتی۔ بے شک وہ بہتر کارساز ہے۔'' مراد نے سلمہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''صحیح کہا بیٹا، بس اللہ اپنے علاوہ کسی کا محتاج نہ کرے۔'' سلمہ نے نم لہجے میں کہا۔ سب نے بیک وقت آمین کہا۔ سلمہ کا نم لہجہ دیکھ کر جنت نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''اللہ آپ کو اور ہمت دے۔ ویسے آپ کو فورس نہیں کیا گیا کہ شادی کر لیں یعنی.....سوری اگر آپ نے مائنڈ کیا۔'' جنت کے ذہن میں آیا سوال اب سب سن چکے تھے۔

''میں کیسے کر لیتی شادی؟ دوسری شادی سے شوہر کو بیوی مل جاتی ہے اور اگر عورت کرے تو اسے شوہر مل جاتا ہے لیکن بچوں کو کبھی ماں یا باپ نہیں ملتے۔ میں اپنے بچوں کو اس کرب سے بچانا چاہتی تھی اسی لیے میں نے یہ قدم نہیں اٹھایا۔ میں دوسری شادی کے خلاف نہیں ہوں۔ بے شک یہ اللہ کا حکم ہے لیکن ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں اور پھر ہم جس معاشرے کی مثالیں دیتے ہیں وہ لوگ ہماری طرح نہیں تھے۔ اگر ان لوگوں نے چار چار شادیاں کی ہیں تو وہ اللہ کے نیک بندے بھی تھے۔ ہمیں صرف شادی والے معاملے پر ان کی مثالیں یاد آجاتی ہیں اور باقی ہم بھول جاتے ہیں۔'' سلمہ اب باقاعدہ رونے لگ گئی تھیں۔

ماضی کی چوٹوں کو جب بھی یاد کرو وہ تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیتیں۔

''اماں بس کریں۔ دیکھیں مجھے بھی رونا آرہا ہے اگر میں رونے لگ گئی تو میرا سارا میک اپ خراب ہو جائے گا۔ اتنا مہنگا میک اپ ہے۔'' ایمان نے سلمہ کو ہنسانے کے لئے یہ بات کہی تھی۔ اس کی بات پر سلمہ سمیت سب ہی ہنس دیے۔

اب باتوں کا موضوع بدل چکا تھا۔

''مراد صاحب۔'' ایمان نے اپنے ساتھ بیٹھے مراد کو پیار سے مخاطب کیا۔ آواز آہستہ ہی تھی۔

''جی حکم بیگم صاحبہ۔'' وہ تابعداری سے بولا۔

''آئیں میں آپ کو اپنا کمرہ دکھاتی ہوں۔'' ایمان نے اسے آفر کی۔

''جو حکم سرکار۔'' وہ مان گیا۔

''توبہ کیسے شریف بن رہے ہیں سب کے سامنے۔'' ایمان نے شرارتی انداز میں کہا۔

''شریف آدمی شریف ہی بنے گا ناں۔'' مراد نے بھی اسی انداز میں کہا۔

''ہاں جی جی۔ ایک آپ شریف اور ایک نواز شریف۔'' ایمان نے کہا اور دونوں کا ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھے سب کی نظریں ان پر اٹھیں۔ وہ دونوں اسی طرح ہنس رہے تھے۔ ایک دم سب کو دیکھ وہ چپ کر گئے۔

''اماں..... میں مراد کو اپنا کمرہ دکھانے جا رہی ہوں۔'' ایمان نے سب کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔

''او کے۔'' سلمہ نے سر ہلایا۔

''آپی، میں بھی آؤں؟'' اسد نے پوچھا۔

''نہیں۔ کیا تم نے میرا کمرہ پہلے نہیں دیکھا ہوا؟'' وہ فوراً بولی۔

''اسد بیٹا، انہیں ڈسٹرب مت کرو۔'' سلمہ نے اسد کو جانے سے روکا۔

''آپ لوگ ٹھیک ہے بھائی۔ جیسے ہی شادی ہوتی ہے چھوٹے بہن بھائیوں کو بھول جاتے ہیں۔'' وہ ناراضی سے منہ بسور کر کہتا واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز پر مہمان مسکرا دیے۔

''اچھا، کوئی بات نہیں۔ تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔'' مراد نے ہنس کر اسے کہا۔ اسد فوراً مان گیا۔

''بڑے ہی شوخے ہو ویسے تم۔'' ڈرائینگ روم سے باہر نکلتے ہوئے ایمان نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''مراد بھائی آپ کی بیوی مجھے مارنا چاہتی ہے۔'' اسد نے مراد کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ مراد پھر ہنس دیا۔

''کچھ نہیں کہے گی وہ۔'' مراد نے اسد کو ہنستے ہوئے تسلی دی۔

''ہاں جیسے میں ڈائن ہوں ناں۔'' ایمان خفگی سے بولی۔

''شکر آپی خود ہی مان گئیں۔'' اسد کہہ کر اوپر بھاگ گیا۔ مراد ان دونوں کی لڑائی بہت انجوائے کر رہا تھا۔

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آ گئے۔

ایمان کا کمرہ آج بھی ایسا ہی تھا۔ وہ بہت صاف ستھری لڑکی تھی۔ بے شک اسے کچن کا کام نہیں آتا تھا مگر وہ ہمیشہ اپنا کمرہ اور گھر صاف رکھتی تھی۔ سلمہ کچن کا کام کرتی تھیں تو ایمان نے گھر صاف رکھنے کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے کے ساتھ ساتھ خود کو بھی صاف ستھرا ہی رکھتی تھی۔ پتہ نہیں کون لوگ ہوتے ہیں جو ہمیشہ گندے رہتے ہیں۔ نہ خود کی صفائی کا خیال ہے نہ گھر کی حالانکہ سب کو پتہ ہے کہ صفائی نصف ایمان ہے۔

یہ بات مراد نے بھی نوٹ کی تھی کہ ایمان بہت صاف ستھری لڑکی تھی۔ اپنے ساتھ ساتھ وہ مراد کی چیزیں بھی ہمیشہ صاف رکھتی

تھی۔آفس میں کام کرنے کے باوجود بھی کبھی اس کا کمرہ گندہ نہیں ہوا تھا۔مراد کو اس کی یہ عادت پسند تھی کیونکہ وہ خود بھی ایک صاف ستھرا لڑکا تھا۔جب وہ اکیڈمی ہاسٹل میں تھا تب اس کا کمرہ دوسرے لڑکوں کی نسبت بہت صاف ہوتا تھا۔ٹیچرز ہمیشہ اس کی اس عادت کی تعریف کرتے تھے۔

''تمہارا کمرہ بہت پیارا ہے۔''مراد نے کمرے کا جائزہ لینے کے بعد ایمان سے کہا۔

''Thanks''ایمان نے تعریف وصول کی۔

وہ چھوٹا سا کمرہ واقعی بہت پیارا تھا۔کمرے کے درمیان میں ایک پلنگ تھا جس پر مہرون رنگ کی بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔پلنگ کے دائیں طرف الماری اور اس کے ساتھ اٹیچ باتھ تھا۔بائیں طرف دو کرسیاں اور ایک گول میز پڑا تھا۔پلنگ کی سامنے دیوار پر ایک خوبصورت سا بک شیلف بنا تھا جسے ایمان نے بہت خوبصورتی سے سجایا ہوا تھا۔شیلف کے کچھ حصے پر کتابیں رکھی تھیں اور ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ڈیکوریشن پیسز رکھے تھے۔اسی طرح دیواروں پر کچھ فریمز لگے ہوئے تھے جو کمرے کو چار چاند لگا رہے تھے۔

مراد اس سب کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔

''یہ سب آپی نے خود کیا ہے۔''اسد نے کہا۔

''نائس۔''مراد نے جواباً کہا۔

''اسد جاؤ اماں سے کہو ہم دونوں کے لئے چائے بنا دیں اور جب بن جائے تب ہی واپس آنا۔''ایمان نے اسے بھیجنے کے لیے بہانہ بنایا۔یہ کہنے کے لیے اسے مراد نے اشارہ کیا تھا۔

وہ چلا گیا۔

''کیوں بھیجا اسے؟''ایمان نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''ایسے ہی۔مجھے لگ رہا تھا کہ وہ بور ہو رہا ہے۔میں یوں ہی اسے لے آیا۔''مراد نے کندھے اچکائے اور بالکونی میں چلا گیا۔ایمان اس کی بات پر ہنس دی اور اس کے پیچھے چھوٹی سی بالکونی میں آ گئی۔

''ایمان.....میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ میں تمہیں اپنی زندگی کے کچھ واقعات بتاؤں گا؟''مراد نے ہاتھ گرِل پر رکھتے ہوئے کہا۔ایمان اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

''کہا تو تھا پر سنائے نہیں.....''ایمان نے عام سے انداز میں کہا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں ایک قاتل ہوں؟''مراد نے بے حد لاپرواہی سے اتنی بڑی بات کہہ دی۔ایمان نے فوراً گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا.....کہہ رہے ہیں آپ؟''ایمان نے تصحیح چاہی۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''وہ بنا کسی خوف و خطر کہہ رہا تھا۔

''لیکن.....آپ نے.....''اس سے بولا نہ گیا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں اس پر.....میں.....میرا کوئی قصور نہیں تھا پر.....شاید میں نے جذبات سے کام لیا۔''وہ شرمندہ لہجے میں بولا۔

''کیسے.....؟''ایمان سے بس اتنا ہی بولا گیا۔

''وہ مجھے بہت تنگ کر رہا تھا۔مجھ سے بہت الجھ رہا تھا۔مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں۔پہلے میں نے بہت اگنور کیا پر.....وہ باز نہیں آ رہا تھا تو.....مجھے اسے مارنا ہی پڑا۔تم بھی پلیز میرے ساتھ کبھی مت الجھنا۔میں غصے کا بہت برا ہوں۔''مراد کا لہجہ سنجیدگی کی بلندی چھو رہا تھا۔وہ ابھی تک باہر سڑک کو ہی دیکھ رہا تھا اور ایمان اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔

''کون تھا وہ؟''ایمان نے حیرت بھرے انداز میں سوال کیا۔

''بس.....مجھے اب اس کا نام نہیں پتا۔میں اب مچھروں کے نام کیسے یاد کروں؟''مراد نے سنجیدگی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے اور ایمان کی طرف دیکھ کر ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ہکا بکا ایمان کو ساری بات کچھ دیر میں سمجھ آئی تھی۔

''اف.....میں جا رہی ہوں۔اتنا سیریس مذاق.....آپ ایکٹنگ شروع کر دیں۔بہت اچھی ایکٹنگ کرتے ہیں آپ۔''وہ غصے سے کہہ کر مڑنے ہی لگی کہ مراد نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

وہ ابھی تک ہنس رہا تھا۔

''اچھا اچھا سوری۔''اس نے ہنستے ہوئے معذرت کی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ.....''وہ ناراضی سے بولی۔

''یہ ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں تھاما میں نے۔''وہ پیار سے بولا۔

''زیادہ مجنوں بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''وہ طنزیہ لہجے میں طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔مراد ایک بار پھر ہنس دیا۔اب کی بار ایمان بھی اس کی شرارت پر ہنس دی۔

''ویسے میں نے کوئی قتل نہیں کیا.....''اس نے ہنستے ہوئے وضاحت دی۔وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر نیچے چلی گئی۔مراد بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

شاید مراد کو علم نہیں تھا کہ وہ مستقبل قریب میں اپنے بہت قریبی رشتے کا قتل کرنے والا ہے۔اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا۔

☆☆☆☆☆☆

''سر آج کل یہ لوگ شاید وائٹ ہورس کو بھول گئے ہیں۔اس کا مزید کوئی ذکر نہیں ہوتا۔میرے خیال میں یہ بہترین موقع ہے۔آپ وائٹ ہورس کو بھیج دیں۔''ایجنٹ بل کا میسج کرنل عاصم کو موصول ہوا تو انہوں نے وائٹ ہورس سے بات کی۔

''کیا تم تیار ہو؟'' کرنل عاصم نے پوچھا۔

''آف کورس۔'' وہ عزم سے بولا۔

''اس کا پتہ صاف کر کے ہی آنا اور تم جانتے ہو کہ یہ کیسے کرنا ہے۔ میں کمپنی ہیڈ کو تمہاری روانگی کا بتا دیتا ہوں۔ میری طرف سے تم کل ہی چلے جاؤ۔ ویسے بھی ایک مہینہ ہو گیا ہے تمہیں یہاں آئے ہوئے اور اب تک وہ بھی کچھ دھیمے پڑ گئے ہوں گے۔'' کرنل نے تفصیل سے بات کی۔

''او کے کرنل۔'' وہ تو کب سے تیار تھا۔

''ہاں تم کہہ رہے تھے کہ گھر جانا ہے؟'' کرنل عاصم نے یاد آنے پر پوچھا۔

''جی کرنل.....'' اس نے کہا۔

''او کے چلے جاؤ پر جلدی آ جانا۔You have to prepare yourself too'' وہ کہہ کر مڑ گئے۔ وہ گھر والوں سے ملنے چلا گیا۔

راستے میں وہ اس مشن کو کامیاب بنانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔

یہ اس کی زندگی کا سب سے پیچیدہ مشن تھا کیونکہ اس میں اس کی اپنی ذات کے بارے میں کئی سوال دفن تھے۔ وہ صرف تب ہی کھل سکتے تھے جب وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کرتے۔ وہ ان دونوں کے ہاتھ پر ایک جیسا نشان.....اسے سب سے زیادہ الجھائے ہوئے تھا۔

☆☆☆☆☆☆

باب ہشتم

ڈاکومینٹس (Documents)

میں سمجھتی ہوں کہ
اب مجھے
سمجھ آ گئی ہے
میں اپنے بھولے پن کو
پیچھے چھوڑ آئی ہوں
میں نکل آئی ہوں
ان بے خبری کی
وادیوں سے
میں چھوڑ آئی ہوں
ان بے روح
حقیقتوں کو
میں اب بدل چکی ہوں
بدل چکی ہوں
کیونکہ
مجھے اب
سمجھ آ گئی ہے

رات کا اندھیرا ہو سوا اپنی حکومت پھیلائے ہوئے تھا پر بڑے شہر کی چہل پہل پہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ شہر اسی طرح چل رہا تھا۔ رات میں بھی دن کا سماں تھا۔

ریسٹورنٹ کے ٹو پرسن ٹیبل پر بیٹھے وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کافی کے کڑوے مگر مزے دار گھونٹ

بھر رہے تھے۔آس پاس اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔

''ویسے تم بتاؤ۔آفس میں کیسا رہا سب اور پروموشن پر مبارک ہو۔لیڈی مراد۔'' مراد نے ایمان کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔بلیک شرٹ کے نیچے گرے پینٹ پہنے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے لیکن مراد..... مجھے ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی غلط فیصلہ نہ ہو جائے۔'' After all, it's a big responsibility.'' ایمان فکرمند لہجے میں بولی۔ایمان نے ہلکے سبز رنگ کا جوڑا پہن رکھا تھا۔چہرے پہ ہلکا پھلکا میک اپ اسے پرکشش بنائے ہوئے تھا۔

''تم اللہ سے حکمت مانگا کرو۔'' مراد نے اسے مشورہ دیا۔

''مطلب.....؟'' ایمان نہ سمجھی سے بولی۔

''مطلب یہ کہ اللہ حکیم ہے۔اس کی ذات حکمت والی ہے۔اس کا ہر فیصلہ ہی بہترین ہوتا ہے۔انسان کو اپنے رب سے اس کی صفات کے مطابق مانگنا چاہیے۔عقل و دانائی کے لیے حکمت والی ذات سے حکمت مانگنی چاہیے۔ہدایت کے لئے اس 'ہادی (ہدایت دینے والا)' ذات سے ہدایت مانگنی چاہیے۔اللہ یہ دو چیزیں خود سے نہیں دیتا بلکہ مانگنے سے دیتا ہے۔'' مراد نے بہت شائستہ انداز میں ایمان کو یہ بات سیکھا دی تھی۔ایمان نے مراد کی اس بات کو بھی پلے باندھ لیا۔اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔

''ویسے حلال ڈیٹس کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔'' مراد نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔اس سے یہ ڈر تو نہیں لگا رہتا کہ کوئی دیکھ لے گا یا کوئی کیا سوچے گا کہ انجان لڑکی کسی انجان لڑکے کے ساتھ اکیلی آئی ہے۔کتنے بے شرم ہیں دونوں ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔انسان Secure فیل کرتا ہے ورنہ تو یہی لگتا ہے کہ سارے لوگ ہمیں ہی دیکھ رہے ہیں۔'' ایمان نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں، بالکل ٹھیک کہا تم نے۔'' مراد بھی ہنس رہا تھا۔

جب اللہ نے ہمیں حلال طریقے سے سب کچھ کرنے کا موقع دیا ہے تو ہم کیوں حرام کی طرف جاتے ہیں؟ یہ ساری چیزیں تو شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے بس ہماری سوچ کا فرق ہے۔جو لوگ شادی سے پہلے ہی یہ سب کر چکے ہوتے ہیں وہ شادی کے بعد سوچتے ہیں کہ اب تو ساری زندگی ساتھ ہی رہنا ہے تو کوئی نہیں.....اور ویسے بھی یہ اب ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔

کسی انجان لڑکے اور لڑکی کے ساتھ ایسے اکیلے باہر جانا زنا ہے۔

کافی کے دوران مزید باتوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ گھر چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ کسی بات پر ہنستے ہوئے گھر میں داخل ہوئے پر سامنے، غصے میں کھڑیں جنت کو دیکھ کر ان کی ساری ہنسی ہوا میں گھل گئی۔

''تم دونوں اس ٹائم کہاں سے آ رہے ہو؟'' جنت نے بغیر بتائے گئے ہوئے مسٹر اینڈ مسز مراد شیرازی کو ذرا غصے سے کہا۔

''وہ.....آنٹی..... یہ لے کر گئے تھے مجھے۔کافی پینے کا دل کر رہا تھا۔'' ایمان نے سارا ملبہ مراد پر ڈال کر خود کو کلیئر کیا۔

''مام، یہ جھوٹ بول رہی ہے۔اس نے ہی کہا تھا۔'' مراد نے اپنی جان بچانے والے انداز میں کہا۔

''اللہ.....'' وہ ذرا اونچا بولی۔لفظ 'اللہ' کو اس نے ذرا لمبا کیا تھا۔

''کیا یہ سچ نہیں ہے؟'' مراد نے اسے گھور کر پوچھا۔

''ہاں سچ تو ہے۔'' وہ بولی۔وہ اب شرمندہ ہو رہی تھی کہ اس نے اپنی ساس کے سامنے ان کے بیٹے کو قصوروار ٹھہرا دیا۔

''تو پھر کس کا قصور ہوا؟'' مراد نے ایک اور سوال کیا۔

''آپ کا ہی۔'' وہ جھٹ سے بولی۔

''ابھی بھی میرا؟ وہ کیسے؟'' اس نے اس بار دو سوال کئے۔

''تو آپ ہی ریسٹورنٹ تک لے کر گئے تھے اور کوئی فرشتہ آیا تھا؟'' وہ اپنے معصومانہ انداز میں بولی۔وہ خفا ہوئی۔''گاڑی تو آپ نے ہی چلائی تھی ناں۔''

جنت ان دونوں کی بحث کے دوران خاموش رہیں مگر ایمان کی آخری بات سن کر ان کی خاموشی ٹوٹ کر ہنسی میں بدل گئی۔ان دونوں نے بیک وقت انہیں دیکھا۔

''کیا پنچایت لگی ہوئی ہے یہاں؟'' کمرے سے نکلتے ہوئے عامر شیرازی نے سوال کیا۔

''آپ کے بچے بغیر بتائے آدھی رات کو باہر گھوم رہے تھے۔ذرا ڈانٹیں انہیں۔کم از کم بتا کر ہی جایا کریں۔پیچھے ماں باپ کو ٹینشن ہونے لگ جاتی ہے۔'' جنت نے سارے گلے کر دیے۔

''صرف میرے بچے؟'' عامر نے سارے گلے ان سنے کر دیے۔جنت جھنجھلا گئیں۔

''مطلب ہم دونوں کے۔'' جنت نے تصحیح کی۔

''ہاں اب ٹھیک ہے۔'' وہ شرارت کے موڈ میں تھے۔

''میں آپ سے کہہ رہی ہوں انہیں ڈانٹیں اور آپ میری غلطیاں نکالنے لگ گئے ہیں۔'' اب مراد اور ایمان خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے اور جنت کی بات پر ان کی خاموشی بھی ٹوٹ کر ہنسی میں بدل گئی۔

''ڈانٹیں بھی.....'' جنت نے خفگی سے کہا اور ان کی طرف اشارہ کیا۔

''آئندہ مت کرنا ایسے۔'' عامر نے بس اتنا کہا اور پلٹ گئے۔

''آپ سے اچھا تو میں خود ہی ڈانٹ لیتی۔'' جنت نے اس بار بھی خفگی سے کہا تو عامر واپس مڑے اور ہنس دیے۔

چند قدموں کی مسافت دور کر کے وہ ان دونوں مجرموں کے قریب آئے۔

''آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔بتا کر جایا کرو بس۔ہم کون سا روکتے ہیں لیکن پیچھے لوگوں کا بھی خیال کرنا چاہیے بچوں۔'' عامر نے ان

دونوں کے سروں پر ہلکی سی چپت لگائی اور وہ سب ہنس دیے۔

جنت نے سب کو خوش دیکھ کر دل ہی دل میں دعا کی کہ ''اللہ ہمارے اس گھرانے کو کبھی نہ توڑنا'' مگر شاید..... جنت کی یہ دعا قبول نہ ہونے والی دعاؤں میں سے تھی۔ یہ تو کسی کو نہیں پتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''میرا دل کرتا ہے کہ میں تمہیں مار دوں مگر میں رک جاتا ہوں۔ تمہاری درندگی دیکھ کر مجھے یہ سعادت حاصل کرنے کا بہت شوق پیدا ہو رہا ہے۔'' اس آدمی نے غصے سے کہا۔ ''تم انسان نہیں ہو سکتے.....'' وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''آخر ان دونوں کا کیا قصور تھا؟ وہ کسی اور کی غلطی کی سزا کیوں بھگت گئے؟ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' لہجے میں نفرت سموئے اس نے سر جھٹکا۔ ''آگے بولو اور کیا غیر انسانی حرکتیں کی ہیں تم نے؟''

قیدی چپ تھا۔

''کتنے سال گزر گئے..... میں اس دن کو نہیں بھلا سکا۔ اس کا چہرہ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اسے نہیں بھلا سکا۔ وہ میری نظروں کے سامنے سے جاتی ہی نہیں۔'' قیدی کہتے کہتے رو پڑا۔ ''میں نے اس بات کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کیا۔ میں یہ بس تمہارے سامنے کہہ رہا ہوں۔'' قیدی نے اپنے آنسوؤں کو روکا۔

''بس، بس۔ مدعے پر آؤ۔'' ہنوز نفرت بھرا لہجہ۔

''پھر..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کبھی تم میری زندگی میں آؤ گے اور مجھے یہ سب کہنا پڑے گا۔ تمہارا شکریہ کہ تم آئے اور مجھے یہ احساس دلایا کہ آج بھی میں اس سے عشق کرتا ہوں پر افسوس کہ وہ اب میرے ساتھ نہیں ہے۔'' قیدی ایک بار پھر رو پڑا۔ وہ اس پر نظریں جمائے اس کی کہانی سن رہا تھا۔ ''میں نے واپس آ کر شادی بھی کی اور میری ایک بیٹی بھی ہے لیکن..... میں آج تک اس کو نہیں بھلا سکا۔ وہ میرے اندر آج بھی اسی طرح زندہ ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے ہی اپنی جان سے پیاری چیز کو کھو دیا جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔''

بلب سے آتی پیلی روشنی اسی طرح کمرے کو روشن کیے ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

یہ ایک روز شام کا واقعہ ہے۔

سورج غروب ہوئے چند ساعتیں ہی گزری تھیں۔ اس کے بعد رات کا عروج ہونا تھا اور پھر اس کا زوال اور پھر دن کا عروج و زوال..... یہ سلسلہ صدیوں سے چلتا آ رہا تھا اور صدیوں تک چلتا رہے گا۔

قدرت کے قانون بدلا نہیں کرتے۔ وہ ہر کسی کے لیے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔

وہ مغرب کی نماز پڑھ کر ابھی واپس آیا تھا۔ ایمان کل ہی اپنی امی کے گھر سے واپس آئی تھی۔

''آپ نے نماز پڑھ لی بیگم صاحبہ؟'' مراد نے سیڑھیوں میں کھڑی ایمان سے پوچھا۔

''جی شوہر صاحب۔'' ایمان نے مسکرا کر کہا۔

''گڈ۔ ویسے اب میں تمہیں نماز کا نہیں کہا کروں گا۔'' مراد نارمل لہجے میں بولا۔

''کیوں؟'' ایمان نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ اس لئے کہ میں دو ماہ سے تم سے نماز کا پوچھ رہا ہوں۔ اتنے دنوں میں انسان کو اس چیز کی عادت ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ آپ اب چھوٹی نہیں ہیں۔ آپ کو خود پتہ ہونا چاہیے کہ نماز فرض ہے اسے ہر صورت پڑھنا ہے۔ ناؤ اٹس اپ ٹو یو (اب یہ تم پر ہے۔)'' مراد نے بات کھول کر سامنے رکھ دی۔

''یہ نہ ہو کہ میں آپ کے نہ پوچھنے پر پڑھنا ہی چھوڑ دوں۔'' ایمان نے ذرا ڈر کر کہا۔

''نماز انسانوں کے ڈر سے نہیں بلکہ اللہ کے ڈر سے پڑھنی چاہیے۔ ایسی نماز کا کیا فائدہ جس میں اللہ کا ڈر اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کا جذبہ ہی نہ ہو؟'' مراد نے اسی لہجے میں کہا۔

''انشاءاللہ۔ میں ہمیشہ پڑھوں گی۔ اللہ میری مدد کرے۔'' ایمان نے پختہ عزم سے کہا۔

''سورۃ البقرہ آیت 42۔'' مراد کہہ کر آگے بڑھ گیا اور ایمان اس بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ایمان کی مشکل کا حل اس کی بتائی ہوئی آیت میں موجود ہے۔ ایمان نے کمرے میں جا کر ترجمے والا قرآن پاک اٹھایا اور مطلوبہ آیت تلاش کی۔ آیت کا ترجمہ پڑھتے ہی اسے سمجھ آ گیا تھا کہ اسے آگے کیا کرنا ہے۔

اسے مراد کا یہ انداز بہت پسند تھا۔ اس طرح وہ قرآن سے بھی جڑنا شروع ہو چکی تھی۔ ایسی بہت سی آیتیں وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی جس میں اس کی مشکل کا حل ہوتا۔ یہ سب اسے مراد ہی بتاتا تھا۔

نیچے لاؤنج میں بیٹھا مراد موبائل پر مصروف تھا کہ تیار شیار سی جنت اندر آئیں اور مراد ان کو دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔ دونوں کے مابین محبت بھری مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔

''اف، ذرا دیکھو میرا حال۔ کڑے (کنگن) دراز میں ہی چھوڑ آئی ہوں۔ اب خالی ہاتھ تو نہیں جانا۔ مراد جاؤ بیٹا تم الماری کے دراز سے دو کڑے لے آؤ۔ سائیڈ پر ہی ہوں گے۔'' عجلت میں نظر آتی جنت پریشان ہو گئی تھیں۔

''او کے مام۔'' وہ سعادت مندی سے اٹھا اور چلا گیا۔

جنت کی نظروں نے دور تک مراد کا پیچھا کیا۔ وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ صوفے پر بیٹھے ہوئے جنت نے دل ہی دل میں مراد کو دعائیں دیں۔

وہ کسی خیال کے تہہ خانوں میں گھس گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

انتہائی نارمل انداز میں چلتا مراد کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کمرہ تمام جدید قسم کی چیزوں سے آراستہ شدہ تھا۔

عام انداز میں قدم اٹھاتا وہ الماری کی طرف بڑھ گیا۔ بڑا دروازہ کھولتے ہی اسے ایک دراز نظر آیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ جنت اسی کے متعلق کہہ رہی تھیں۔

اس بات سے بے خبر کے ابھی اس کی زندگی بدلنے والی ہے۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اندر مختلف چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ بے خبر مراد، جنت کے کنگن ڈھونڈ رہا تھا کہ اسے کچھ اور نظر آیا۔ جس نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر دی۔

وہ تو بے خبر تھا اسی لئے اس نے وہ فائل اٹھالی۔

بے خبری انسان سے کیا کیا کروالیتی ہے۔ جس چیز کو انسان اپنے ہوش میں بھی جاننا نہیں چاہتا، بے خبری اسے وہی چیز تھال میں پیش کر کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انسان اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس متوجہ ہونے کی انسان کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

فائل کے صفحے آگے کرتا، مراد کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ گنگ چہرے کے ساتھ اس فائل میں موجود کاغذات کو پڑھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ ساکت ہو گئے جیسے اس کا وجود بھی ساکت ہو گیا تھا۔ اس لگا وہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہیں ہل سکے گا۔

قدرت کا یہ کیسا انکشاف تھا آخر؟ وہ یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''آخر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ..... یہ سب..... کیسے؟'' دور دماغ کے خانوں میں اس کی سوچ بھی بے ربط ہو رہی تھی۔ ''یہ..... یہ نا..... ناممکن ہے۔'' اس کے دل نے کہا۔

اگلا صفحہ آگے کرنے سے اس کے شک کو یقین کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک صفحے کے اوپر مراد کی تصویر چسپاں تھی۔ وہ اپنی بچپن کی تصویر کو بہت اچھے طریقے سے پہچانتا تھا۔ وہ دھوکا نہیں کھا سکتا تھا کہ وہ تصویر والا بچہ وہی ہے۔

''یہ..... میں.....؟'' اس سے مزید کچھ نہ کہا گیا۔ آنکھوں میں ڈھیروں بے یقینی لیے وہ اس فائل کو دیکھ رہا تھا۔

صفحے کے نچلے حصے پر نظر پڑتے ہی اس کا شک مزید یقین میں بدل گیا۔ وہاں عامر شیرازی اور جنت شیرازی کے ناموں کے ساتھ ساتھ ان کے دستخط بھی موجود تھے۔ ان کے دستخط کو بھی وہ بغیر کسی دقت کے پہچان سکتا تھا۔

تمام چیزیں پڑھنے کے بعد اسے اپنا آپ بہت جھوٹا لگنے لگا تھا۔ اسے اپنا سارا وجود ہی جھوٹا لگا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ یہ سب خواب ہو مگر خواب..... اتنے کلیئر نہیں ہوتے۔ یہ حقیقت ہی تھی۔

جھوٹ، بے یقینی، لاعلمی، بے خبری..... کیا نہیں تھا وہاں جو اس کے وجود کو گھیرے میں لیے ہوئے نہ تھا؟ وہ جیسے بکھر گیا۔ اسے سارا آسمان اپنے سر پہ گرتا محسوس ہوا۔

اسے اوپر آنا بہت مہنگا پڑا تھا۔

وہ سب جان چکا تھا.....

اسے یقین آ گیا تھا.....

وہ سمجھ چکا تھا.....

پر شاید دل کے کسی خانے میں.....

امید کی کرن موجود تھی.....

مگر وہ کرن.....

بہت مدھم تھی.....

جیسے ابھی بجھ جائے گی.....

جس کا اسے اندازہ تھا.....

یہ سب کچھ.....

بے خبری کی بدولت ہوا تھا.....

☆☆☆☆☆☆

اتوار کی صبح بنائے ہوئے پلان پر عمل کرتے ہوئے وہ دونوں میاں بیوی ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنی گاڑی تک آئے اور ملازم کے دروازہ کھولنے کے بعد اندر بیٹھ گئے۔

''آج تم رہنے دو، ہمیں ذرا ضروری کام سے جانا ہے میں خود ڈرائیو کرلوں گا۔'' ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کار کی چابی اپنے مالک کے ہاتھ میں دے دی۔ اتنے میں چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔

''آپ کا کیا خیال ہے، کیا ہمارا کام ہو جائے گا؟'' فرنٹ سیٹ پر براجمان لڑکی نے شوہر کو مخاطب کیا۔

''مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ ہمیں رسوا نہیں کرے گا۔ اس نے اگر اُس طرح نہیں تو اِس طرح ہمیں خوشی دینے کا فیصلہ کیا ہوگا۔'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے ہوئے شوہر مطمئن تھا۔

''اللہ کرے۔'' بیوی کو کچھ اطمینان ہوا۔ اپنے گھر سے آدھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ دونوں ایک عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ایک قدیم عمارت تھی جسے مرمت کی بہت اشد ضرورت تھی۔

''پتا نہیں میں خوش ہوں یا اداس؟'' گاڑی سے اتر کر بیوی نے اپنے شوہر کا ہاتھ تھامتے ہوئے افسردگی سے کہا۔ اب وہ دونوں عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئے تھے۔ چلتے چلتے باتیں کرنے لگے۔

''تمہیں خوش ہونا چاہیے۔'' شوہر نے تجویز پیش کی۔

''مگر میں ہوں اور نہیں بھی۔''

''ایک وقت میں ایک کام کیا کرو بیگم! ورنہ تھک جاؤ گی، یا تو خوش ہو جاؤ یا غمزدہ!'' لہجہ لاپرواہ تھا مگر اندر سے فکرمند۔

''او کے جناب! میں اب خوش ہوں۔'' وہ جیسے کسی نتیجے تک پہنچی۔

''ہونا بھی چاہیے۔''شوہر نے مسکرا کر کہا۔

''عامر! آپ سے ایک بات پوچھوں؟''اس کے ذہن میں اگلی بات گونج رہی تھی۔

''جی.....ویسے آپ کو اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ بھلا ملازموں سے بھی سوال کرتے ہیں؟''وہی لاپرواہ سا انداز۔

''اوہو! کبھی تو سیریس ہو جایا کریں۔''وہ ذرا خفگی سے بولی۔

''اچھا بابا! جی بیگم بولیں۔''عامر ہمہ تن گوش تھا۔

''آپ کو دکھ نہیں ہوتا کہ ہماری اولاد نہیں ہے؟''لڑکی نے اپنی فکر عیاں کر دی۔عامر کے چہرے کی مسکراہٹ سمٹی مگر اس کے پہلے کہ وہ دیکھتی عامر نے چہرے کے تاثرات تبدیل لئے اور ہلکا سا ہنسا۔

''اس میں ہمارا کیا قصور؟ یہ اللہ کی دین ہوتی ہے، وہ جسے چاہے نواز دے۔ہمارا اس میں 0.001٪ بھی ہاتھ نہیں ہوتا۔''عامر نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''وہ بات ٹھیک ہے.....مگر آپ کو نہیں لگتا کہ ہم ایسے ادھورے ہیں؟''وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

''دیکھو جنت! کوئی انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا۔کسی کے پاس ماں نہیں ہوتی، کسی کے پاس باپ اور ہماری طرح کسی کے پاس اولاد بھی نہیں ہوتی مگر سب پھر بھی زندہ ہیں۔جی رہے ہیں اور جب تک سانسیں ہیں، ہمیں جینا ہے۔ہم کبھی یہ کمی پوری نہیں کر سکتے کیونکہ ان چیزوں کا نعم البدل نہیں ہے۔ہمیں اس کے ساتھ ہی جینا پڑتا ہے کیونکہ ہم پرفیکٹ نہیں ہیں۔پرفیکٹ تو بس اللہ رب العزت کی ذات ہے۔اکیلا ہو کر بھی کامل ہے۔ہم انسان اس درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔اگر ہم کامل ہو جائیں تو خالق اور مخلوق کا فرق کیسے واضح رہے گا؟اس لئے ان تمام باتوں کو سوچنا چھوڑ دو اور اللہ کی رضا میں خوش ہو جاؤ۔اللہ بہتر اجر دینے والا ہے۔''عامر نے راہداری پہ چلتے چلتے اسے یہ بات سمجھائی۔

جنت نے اس معاملے کو کبھی اس طرح نہیں لیا تھا جیسے آج عامر نے اسے سمجھایا۔عامر کی بات سے جنت کافی حد تک مطمئن ہو گئی۔

''شکریہ!''جنت نے مشکور مسکراہٹ کے ساتھ عامر کو دیکھا۔

''کس بات کا؟''عامر نے گردن اس کی طرف کر کے پوچھا۔

''For always being so supportive to me!''

جنت کو اس وقت عامر پر بہت پیار آیا تھا۔اسے اپنے فیصلے پر بہت خوشی ہوئی۔

وہ دونوں کلاس فیلو تھے۔پھر ایک دن عامر نے جنت کی اخلاقی اقتدار اور خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے اسے شادی کے لیے پروپوز کر دیا۔جنت نے بس اتنا کہا کہ''میں خود سے فیصلہ نہیں کروں گی، اگر تم واقعی مخلص ہو تو اس رشتے کو حلال کا کر لو۔میں حرام رشتے نہیں بنانا چاہتی۔''عامر کو اس سے یہی امید تھی۔اس نے گھر بات کی اور اس کے والدین نے جنت کے گھر جا کر باقاعدہ رشتہ مانگا اور پھر ان کی شادی ہو گئی۔

''اگر رشتوں میں سپورٹ نہ ہوں تو وہ ٹوٹ نا جائیں؟ جس طرح چھت کو دیواروں کی سپورٹ چاہیے ہوتی ہے کہ وہ چھت کو کھڑا رکھیں، اسے گرنے نہ دیں۔ اسی طرح رشتوں کو بھی محبت کی سپورٹ چاہیے ہوتی ہے کہ وہ اسے ٹوٹنے نا دیں۔''

عامر نے اسی طرح مسکرا کر جواب دیا۔ جنت بھی مسکرا دی۔ اتنے میں وہ عمارت کے آفس کے سامنے پہنچ گئے اندر موجود شخص نے come in کہا تو وہ اندر داخل ہو گئے۔ رسمی سلام دعا کے بعد بات جاری ہوئی۔

''یہ تمام documents ہیں۔ آپ ان پر سائن کر دیں۔'' کرسی پر موجود اکرم صاحب نے کاغذات آگے بڑھائے جسے مسٹر اینڈ مسز عامر نے ایک نظر دیکھا اور اپنے سائن کر دیے۔

اس کے بعد دونوں کے درمیان کچھ مزید باتیں اور معاہدے ہوئے جیسے بچے کا خیال رکھنا اور ہم چیکنگ کے لیے آئیں گے وغیرہ۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ دونوں اپنے گھر میں داخل ہوئے تو جنت نے ایک بچہ اٹھایا ہوا تھا۔ وہ بچہ تقریباً چھ، سات ماہ کا تھا۔

جنت بہت چاؤ سے اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ اس کے لیے وہاں بہت سی چیزیں موجود تھیں جس سے وہ ابھی بے خبر تھا۔ اپنے بیڈ کے ساتھ رکھے بے بی کارٹ میں اس بچے کو لٹایا گیا۔ ان دونوں کی خوشی دیکھنے والی تھی۔

ایک بے سہارا بچے کو سہارا مل گیا تھا اور ان کو بھی اولاد مل گئی تھی۔

''ہم اس کا نام مراد رکھیں گے۔'' عامر نے فیصلہ سنایا۔

''ڈن!'' جنت خوش تھی۔ واقعی بہت خوش۔

وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں تھیں جب مراد ہاتھوں میں ڈاکومنٹس پکڑے ان کے سامنے آیا۔ اس کے اوسان خطا تھے۔ جنت اس کے ہاتھوں میں ڈاکومنٹس دیکھ کر چونک گئیں۔ ایسے محسوس کر رہی تھیں جیسے ان کا جھوٹ پکڑا گیا ہو۔ وہ با آسانی ان ڈاکومنٹس کو پہچان سکتی تھیں۔ سامنے کھڑا مراد دنگ چہرے سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اپنی سوتیلی ماں سے سوال کر رہی تھیں۔ جنت اس سوال کو سمجھ چکی تھیں مگر ان کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ وہ مراد کو مطمئن کر سکیں۔ ایسے کون سے الفاظ کہے کہ مراد کو اپنے سوتیلے ماں باپ سے نفرت نہ ہو جائے۔ وہ خود کو کمتر نہ سمجھے۔ ان دونوں کو قصوروار بھی نہ ٹھہرائے آئے۔

وہ چاہتی تھیں کہ سب کچھ اچھے طریقے سے ہو جائے آئے۔ اس سب کے لئے انہیں بہترین طریقہ اپنانا تھا۔ ایسا طریقہ جس سے ان دونوں کے اور خاص طور پر مراد کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ اب جب سب کچھ سامنے آ گیا ہے تو کوئی بدمزگی نہ ہو جائے۔ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ پہلے کی طرح رہیں لیکن مراد کی سرخ آنکھوں میں انگارے دیکھ کر انہیں یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔

پر ایک امید تو تھی ہی آخر وہ ایک فیملی ہیں.....سوتیلی فیملی ہی سہی۔

وہ خاموش رہی دونوں کے درمیان طویل خاموشی تھی مراد کی آنکھیں سوال کر رہی تھی اور جنت اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہی تھی۔ خاموشی در.....خاموشی۔

☆☆☆☆☆☆

''مراد.....'' حواس باختہ ہوئی جنت نے اس خاموشی کو توڑا۔ وہ ہاتھوں میں ڈاکومینٹس پکڑے اسی طرح آنکھیں پھاڑ کر جنت کو دیکھ رہا تھا۔

وہ جواب کا منتظر تھا۔ ضبط کے باعث اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھی۔ آنکھوں میں بے یقینی کی چھاپ واضح تھی۔

''یہ سب.....؟'' مراد نے بس اتنا کہا۔ اس سے مزید کچھ نہ بولا گیا۔

''جنت..... جنت کہاں ہو؟ جلدی کرو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔'' علجت میں نظر آتے عامر گھر میں داخل ہوئے۔ لاؤنج میں جنت اور مراد کو اس طرح ٹرانس کی کیفیت میں دیکھ کر بہت حیران ہوئے تھے مگر جب مراد کے ہاتھوں میں پکڑے ڈاکومنٹس پر نظر پڑی تو وہ اس حالت کو سمجھ چکے تھے۔ جنت اور مراد نے عامر کی آواز سن کر بھی اس طرف نہیں دیکھا تھا۔

''یہ سب..... کیا ہے؟'' مراد نے اس بار اپنی بے یقین نظریں عامر کی طرف کیں۔

''مراد بیٹا۔ ہم بات کر لیتے ہیں۔'' عامر نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر کہا جیسے اسے کچھ غلط کرنے سے روکنے لگے ہوں۔

''اب بات کرنے کو کیا بچہ ہے؟'' وہ بہت تلخ ہو رہا تھا۔ آواز میں غم و غصہ بھی شامل تھا۔

''بیٹا.....'' عامر نے پھر کہنا شروع کیا۔

''مت کہیں مجھے بیٹا۔ مت کہیں۔'' وہ ٹوٹے ہوئے انداز میں بولا۔ اس بار لہجے میں غم و نمی تھی۔

''مراد..... بیٹھو.....'' عامر سے آگے بڑھ کر اسے دونوں کاندھوں سے تھام لیا اور زبردستی مراد کو صوفے پر بٹھایا۔

''اتنا بڑا دھوکہ کیوں؟ آخر کیوں؟ میرے ساتھ کیا دشمنی تھی؟ آپ نے میرے ساتھ اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟'' مراد ٹوٹ چکا تھا۔ پاش پاش ہو چکا تھا۔

اپنے بارے میں کچھ انکشافات انسان کو کرچی کرچی کر دیتے ہیں۔ وہ کرچیاں جڑ نہیں سکتیں۔ اگر کوئی ماہر ان کو جوڑ بھی دے تو اس کے لئے اسے بہت محنت اور وقت درکار ہوگا۔ انسان کی کرچیوں کو محبت کے علاوہ کوئی چیز نہیں جوڑ سکتی۔

''ہم نے کوئی دھوکا نہیں دیا تمہیں بلکہ..... ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا ہیں۔'' کب سے خاموش جنت بول اٹھیں۔

''اچھا تو کیا واقعی..... اگر دھوکہ نہیں دیا تو یہ، یہ سب کیا ہے؟ کیا یہ سب جھوٹ ہے؟'' مراد صوفے سے اٹھا اور غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔ آج اس نے پہلی دفعہ اس لہجے میں جنت کو مخاطب کیا تھا۔ جنت..... جنت حیران ہو گئیں۔

مراد کے دھاڑنے کی آواز، اوپر ایمان کو سنائی دی۔ وہ آواز سن کر فوراً نیچے آ گئی۔

''بولیں، کیا ہے سچ؟ یہ جھوٹ ہے؟'' وہ ہنوز غصے اور غم میں تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آگے کون ہے۔ وہ سب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایمان کو تو اس معاملے کا کچھ بھی علم نہیں تھا۔ وہ وہاں خاموش تماشائی بنی رہی۔

''اب کیوں چپ ہیں آپ؟'' غصے سے مراد نے جنت کو جھنجھوڑ دیا۔

جنت سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا اور وہ مزید اب یہ سب نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ مراد نے انہیں دوبارہ مخاطب کیا۔

''مسز جنت شیرازی..... میں آپ سے مخاطب ہوں۔'' مراد نے ایک بار پھر وہی کہا۔

جنت نے اس کے لہجے کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ پر لگا تار دو تھپڑ رسید کر دیے جس کی مراد کو تو بالکل توقع نہیں تھی اور نہ ہی عامر کو تھی۔ ایمان نے حیران ہو کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''بہت بکواس کر لی تم نے۔ ہاں..... یہ سب سچ ہے۔ مگر یہ سب بھی جھوٹ نہیں کہ میں نے تمہیں پالا ہے۔ میں نے تمہیں راتوں کو جاگ جاگ کر بڑا کیا ہے۔ میں نے تمہاری تربیت کی ہے۔ تمہیں اچھا انسان بنایا ہے اور یہ شخص.....(عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) اس نے تمہیں زندگی اچھے طریقے سے جینے میں مدد دی ہے۔ تمہاری زندگی کے تمام سکونوں کی وجہ یہ آدمی ہے یہ تم کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ میں مانتی ہوں تم یہ سب جان کر بہت شاک میں ہوں مگر کیا تمہارے اس غم نے تمہیں اپنی ماں سے بدتمیزی کرنا سکھا دیا ہے؟ برسوں لگائے میں نے تمہاری تربیت میں.....اور تم نے.....تم نے ایک لمحہ نہیں لگایا اسے ضائع کرنے میں۔ میں یہ فخر سے کہہ سکتی تھی کہ تم میرے بیٹے ہو مگر آج جس بدتمیزی کا مظاہرہ تم نے کیا ہے اس کے بعد مجھے کہنا پڑے گا کہ میری محنت ضائع ہو گئی۔'' غصے میں بات شروع کر کے آخر میں انکے لہجے میں غم نمایاں تھا۔ ''دھوکے کی بات تم مجھ سے کرتے ہو؟ دھوکہ تمہیں ہم نے نہیں بلکہ.....تمہارے سگے باپ نے دیا ہے۔ تمہارا باپ ایک قاتل ہے۔ تمہاری قسمت اچھی ہے کہ تم اپنی سگی ماں کی دعا سے آج ادھر کھڑے ہو۔''

جنت کو اتنے غصے کے عالم میں کسی نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ عامر نے بھی نہیں۔ وہ تو بہت شائستہ مزاج کی حامل تھیں۔ کسی سے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کرتی تھی مگر آج جب مراد نے انہیں دونوں شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تو انہیں بہت غصہ آیا اور مراد کے چہرے پر دو تھپڑ رسید کر دیا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' مراد نے ششدر لہجے میں سوال کیا۔

''یہ سب میں نہیں کہہ رہی۔ یہ تمہاری سگی ماں نے کہا تھا۔ جب ہم تمہیں گھر لائے تو تمہارے کپڑوں میں ایک خط بھی تھا۔ ہمیں پتا چلا تھا کہ تم ابھی کل ہی آئے ہو اس یتیم خانے میں اور تمہیں وہاں چھوڑنے والا کوئی اور نہیں بلکہ.....تمہارا سگا باپ تھا۔ جس دن تم ہمارے گھر آئے تو اس سے اگلے دن میں نے خبروں میں ایک دھماکے کا سنا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ تمہارا باپ ہی ہو گا کیونکہ.....وہ ایک دہشت گرد تھا۔ تمہاری قسمت اچھی ہے کہ تم آج صحیح سلامت ہو۔ اچھی زندگی جی رہے ہو.....ورنہ ان یتیم خانے والوں نے تو تمہارے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔ مٹی سے اٹے ہوئے کپڑوں میں ہم تمہیں یہاں لائے تھے۔ تمہیں معاشرے میں عزت دی۔ تمہاری اچھی تربیت کی۔ تمہیں ایک اچھا انسان بنایا اور تم.....تم کہتے ہو کہ ہم نے تمہیں دھوکا دیا؟ رکو، میں تمہیں وہ خط لا کر دکھاتی ہوں۔ وہ آج بھی میرے پاس اسی طرح پڑا ہے۔ میں اکثر اسے پڑھتی ہوں۔ رکو.....'' جنت کہہ کر وہ خط لینے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

عامر اور ایمان ششدر سے کھڑے تھے۔ ایمان کو کچھ کچھ سمجھ آ گیا تھا کہ ماجرا کیا ہے۔ مراد سرخ آنکھیں لیے چپ کھڑا تھا۔

ایمان آہستہ آہستہ چلتی مراد کے پاس آ گئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مراد نے کوئی ردعمل نہ دیا کیونکہ اس وقت اس کا سب سے قریبی

اور سگہ رشتہ صرف وہی تھا۔

عامران دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ مراد کی آنکھیں سرخ تھیں اور نم بھی۔ وہ بکھرا بکھرا لگتا تھا۔ مراد کو اب اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا کہ اسے جنت سے ایسے انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ اس نے دن رات جاگ کر مراد کو پالا تھا اور پیدا کرنے والی سے پالنے والی کا زیادہ حق بنتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد جوتی کی آواز سنائی دی تو وہ سب دروازے کی طرف دیکھنے لگ گئے۔

جنت آ گئی تھیں۔

جنت کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسے جنت نے اچھال کر مراد کو دیا جیسے اس کے منہ پر مارا ہو۔

''پڑھو اسے.....'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھیں۔ جنت کا پارہ آج ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات لئے مراد نے وہ کاغذ اٹھایا اور اسے پڑھنا شروع کیا۔

''پیارے بیٹے مراد! میں تمہاری ماں ہوں، شائستہ۔ میں نہیں جانتی آگے کیا ہوگا مگر میں اپنے اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ زندگی میں کبھی تم یہ خط پڑھ سکو اور اگر تم یہ پڑھ رہے ہو تو میں اللہ کا شکر ادا کروں گی کہ اس نے میری دعا سن لی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تم یہ نہ پڑھ سکو ایسا نہ ہو کہ تمہارا باپ میرے ساتھ ساتھ تمہیں بھی مار دے۔

میرے بیٹے.....میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ ابھی تم بہت چھوٹے ہو اور میں پتا نہیں یہ خط کیوں لکھ رہی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک دن تم یہ خط ضرور پڑھ سکو گے۔ میں تمہیں اس کم وقت میں ہی ہر چیز بتا دینا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آج میرا آخری دن ہے۔ آج میں مر جاؤں گی۔ تمہارا باپ مجھے مار دے گا۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے کیونکہ موت تو ایک نہ ایک دن آنی ہی ہے۔

یہ بہتر نہیں کہ میں شہادت کا مرتبہ حاصل کروں؟

میں دعا کرتی ہوں کہ تم یہ خط پڑھو۔ میری آخری خواہش یہی ہے۔

تمہارا باپ رہبر، وہ کسی انڈین ایجنسی کا ایک جاسوس ہے۔ پاکستان میں دھماکے کرواتا ہے نہ جانے کیوں اور اس کا اگلا دھماکا کل ہوگا۔ میں ان لوگوں کو بچا نہیں سکتی۔ میں بے بس ہوں۔

اس نے مجھ سے شادی بدلہ لینے کے لیے کی ہے۔ تمہارے ماموں نے اس کے باپ کو مارا تھا۔ اس کا باپ بھی درندہ تھا۔ لوگوں کی زندگیاں دھماکوں سے ختم کر دیتا تھا۔ اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کے لیے اس نے مجھ سے شادی کی مگر جس حال میں اللہ رکھے میں راضی ہوں۔ مراد میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں اور میری یہی خواہش ہے کہ تم بھی ایک مضبوط انسان بنو۔ ایک فوجی کی طرح مضبوط یا ایک فوجی ہی.....پھر تم اپنے باپ کو ڈھونڈو اور اس کی ناپاک زندگی کو ختم کرو۔ صرف اپنے باپ کو ہی نہیں ہے بلکہ اس جیسے سارے درندوں کو ہی موت کے گھاٹ اتارو۔ اگر تمہارا باپ مر بھی جاتا ہے تو بھی تم نے اس جیسوں کا جینا حرام کر دینا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ برا انسان اتنی جلدی نہیں مرتا۔ اسے ڈھیل ملتی ہے۔

میں یہ تحریر تمہیں، اللہ پر بھروسہ کر کے لکھ رہی ہوں۔ اگر مراد کے علاوہ کوئی یہ تحریر پڑھ رہا ہے تو وہ میرے بیٹے کو بہت مضبوط انسان بنائے۔ اسے اس قابل بنائے کہ وہ ایک اچھی زندگی گزارے۔ میں اس کا یہ احسان مرنے کے بعد بھی نہیں بولوں گی۔

میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ تم میری دنیا ہو۔ میں اگر زندہ رہی تو کبھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی مگر..... تمہارا درندہ باپ، باہر مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے تیاریاں کر رہا ہے۔ میں یہ خط تمہارے کپڑوں میں رکھ رہی ہوں۔ جو کوئی بھی پڑھے خدارا میرے بچے کی حفاظت کرے۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ یہ ساتھ ماہ میں مر کر بھی بھول نہیں سکتی۔ میرا اور تمہارا ساتھ دنیا میں یہی تک کا تھا۔ اگلے جہان میں ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ میرے بیٹے۔ اللہ کی امان میں رہو ہمیشہ۔ اللہ ایک ماں کی دعا کبھی رد نہیں کرتا۔ اے میرے اللہ، میرے بچے کی حفاظت کرنا۔ میری دعا ضرور سننا۔ مراد یہ خط پڑھ لے۔

تمہاری ماں، شائستہ منصور.....''

خط پڑھتے ہوئے مراد کی آنکھوں سے آنسو متواتر گر رہے تھے۔ وہ ساکت ہونٹوں کے ساتھ خط پڑھ رہا تھا۔ کاغذ پر بکھری سیاہی نے اس کو عجیب سی کیفیت میں ڈال دیا تھا۔

خط پڑھنے کے بعد اس نے بہتی آنکھیں اٹھا کر جنت اور ان کے ساتھ کھڑے عامر کو دیکھا۔ وہ چپ تھا۔ بالکل چپ.....

اس کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔ جنت کا غصہ اب آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ وہ بھی اس خط میں موجود کرب کو بخوبی سمجھ سکتی تھیں۔ نہ جانے شائستہ نے کس تکلیف سے گزر کر یہ خط لکھا ہوگا؟ وہ کس قدر مجبور ہوگی۔ موت اس کے بالکل سامنے ٹہل رہی تھی مگر وہ اللہ کی بندی ڈری نہیں، اپنے ایمان کو کمزور نہیں کیا بلکہ رہبر کا مقابلہ کیا اور اپنے اللہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس نے موت کو گلے لگا لیا۔

وہ دونوں شائستہ کی ہمت کو داد دیتے تھے اور اس کے لیے دعائیں بھی کرتے تھے۔

مراد ہنوز ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایمان مراد کے ساتھ جوں کی توں کھڑی تھی۔

''ہم نے.....'' جنت رو رہی تھیں مگر پھر بھی مضبوطی سے بولیں۔ ''جب یہ خط پڑھا تو ٹھان لیا تھا کہ ہم تمہیں اچھا اور مضبوط انسان بنائیں گے۔ ہم دونوں اس خط کو پڑھ کر بہت پریشان ہو گئے تھے۔ ہم نے تمہارا نام اسی لئے مراد رکھا تھا کہ تمہاری ماں نے تمہیں مراد کہہ کر بلایا تھا خط میں.....۔ میں نے اور عامر نے دن رات لگا کر تمہاری اچھی تربیت کی ہے، تمہیں پالا ہے اور اس قابل بنایا ہے کہ تم اپنے باپ کا مقابلہ کر سکو۔ تم بھارت جاؤ اور اپنے باپ کو ڈھونڈو اور اپنی ماں کا خواب پورا کرو۔ میں.....اس دن کے لیے تیار تھی مراد۔ عامر نے تمہارے باپ کے بارے میں کچھ انفارمیشن اکٹھی کی ہوئی ہے۔ تم ان کا استعمال کر سکتے ہو۔'' وہ آگے بڑھیں اور مراد کو کندھے سے تھام لیا۔

''میں آج بھی تمہاری ماں ہوں اور کل بھی تمہاری ماں رہوں گی۔ ہم نے تمہیں کبھی اپنا سوتیلا بیٹا نہیں سمجھا۔ ہم نے لفظ 'سوتیلے' کو اپنے درمیان آنے ہی نہیں دیا۔ شائستہ کی طرح میں بھی تمہاری ماں ہی ہوں۔ اس نے تمہیں جنم دیا اور میں نے تمہیں پالا ہے۔'' جنت کہتے پھر رو پڑیں اور مراد.....وہ خود کو ڈھیلا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنا آپ جنت کے ساتھ جوڑ دیا۔ جنت نے اسے گلے لگا لیا۔ وہ دونوں رو

رہے تھے۔ پاس کھڑی ایمان اور عامر کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

''میں چاہتی ہوں کہ ہم ہمیشہ ساتھ رہیں۔تم ہمیشہ ہمارے بیٹے رہو، ایمان ہماری بہو رہے، تم بھی ہمیں اپنے والدین سمجھو اور ایمان بھی۔ میں نہیں چاہتی کہ ہمارا یہ چار لوگوں پر مشتمل چھوٹا سا گھرانہ ٹوٹ جائے۔ اللہ نہ کرے یہ وقت آئے کبھی.....'' جنت کا لہجہ ابھی بھی نم تھا۔ ان کے ساتھ لگا مراد بھی رو رہا تھا۔

''سوری مام.....آئی ایم ریلی سوری۔ میں.....میں پاگل ہو گیا تھا۔ پتا نہیں میں کیسے اپنے حواس کھو بیٹھا۔ مجھے معاف کر دیں۔'' وہ رندھے لہجے میں بول رہا تھا۔

''معاف کیا لیکن.....تم ہمیشہ میرے بیٹے رہو گے، وعدہ کرو۔'' جنت نے کہا۔

''وعدہ۔'' وہ دونوں روتے روتے ہنس دیے۔

''اب مجھے چلنا چاہیے۔ میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' مراد کو اچانک یاد آیا۔ وہ نارمل رہنے کے لیے ایسا کہہ رہا تھا۔ فلائٹ تو ابھی دو گھنٹے بعد تھی۔

''خیریت سے جاؤ۔'' جنت نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''ڈیڈ.....'' آنسو صاف کرنے کے بعد اس نے اتنا کہہ کر ہاتھ جوڑ دیے۔ عامر نے فوراً اس کے ہاتھ پکڑ کر نیچے کیے اور اسے گلے لگا لیا۔

''Don't do this my son, we are family.''

عامر اب سنبھل چکے تھے۔ ایموشنل حالات میں مرد کو سنبھلنا ہی پڑتا ہے۔

ایمان ادھر ہی کھڑی تھی۔ مراد اپنے آنسو صاف کرتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اپنی زندگی کے مشکل ترین لمحے میں اس نے زبان سے کوئی ایسے الفاظ نہیں نکالے تھے جو آخرت میں اسکی پکڑ کا ذریعہ بنتے۔ ہاں، انسان ہونے کے ناتے بس تھوڑا سا ری ردعمل ظاہر کیا تھا پر حقیقت کھلنے پر وہ سنبھل گیا۔ وہ خود کو نارمل کر چکا تھا۔ وہ اسے اللہ کی آزمائش سمجھ رہا تھا۔ انسان کو آزمائشوں میں اپنا بیسٹ دینا چاہیے۔

''ایمان بیٹا جاؤ اوپر، اسے سنبھالو۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' جنت نے ششدر کھڑی ایمان سے کہا۔ وہ ایک دم چونک گئی اور دوسرے ہی لمحے وہ مراد کے پیچھے بھاگی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اوپر آئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی مگر اندر کوئی نہیں تھا۔ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا تھا یعنی وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ پریشان ہو کر بالکونی میں گئی۔ اس کا خیال تھا کہ کہیں مراد بالکونی سے باہر نہ چلا گیا ہو مگر ایسا نہیں تھا۔ لمحے کے سوویں حصے میں اس کے دماغ میں خیال آیا۔ وہ جان چکی تھی کہ مراد کہاں ہوگا۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ چھت کا

دروازہ کھلا دیکھ کر اسے اپنا خیال درست لگا۔

مراد چھت پر ہی ہے۔

''مراد.....'' اس نے آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا۔

''مراد۔'' اس میں دوبارہ پکارا اور اس بار وہ چھت پر چکر لگانے لگی۔ پچھلے کونے میں اس نے مراد کو دیکھ لیا وہ اس کے پاس آ گئی۔ مراد دونوں ہاتھوں کو گرل پر جمائے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں اسی طرح چپ اور سرخ تھیں۔ وہ ضبط کئے ہوئے تھا۔ یہ اس کی زندگی کا ایسا مرحلہ تھا جب اسے خود پر قابو نہیں تھا ورنہ بہت زیادہ مشکل حالات میں بھی وہ اپنا آپا نہیں کھوتا تھا۔

ایمان اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔

''مراتم۔ (ترکی زبان میں مراد کو مرات کہتے ہیں اور آخر میں 'م' اپنی ملکیت ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے یعنی اس کا مطلب ہے میرے مراد۔)'' ایمان نے نارمل لہجے میں کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ وہ خود کو مراد کو نارمل رکھنا چاہتی تھی۔ اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جو مشکل حالات میں شوہر کو کنٹرول کر کے رکھے۔ اسے نارمل رکھے تاکہ وہ کوئی غلط قدم نا اٹھالے اور اسی طرح اچھا شوہر بھی.....

''بھلا آپ ہم دونوں سے کیوں ناراض ہیں؟'' ایمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ملگجے اندھیرے میں بھی وہ مراد کے ہاتھوں کی ابھری ہوئی نسیں دیکھ سکتی تھی۔ مراد چپ رہا اور سامنے کسی غیر مرعی نکتے کو دیکھتا رہا۔

''بتائیں نا۔ ہم دونوں سے کیا ناراضگی ہے؟'' ایمان نے پھر کہا۔ اس بار اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''کون دونوں؟'' وہ ناسمجھی سے بولا۔

''آپ کے دو سگے رشتے دار۔'' ایمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مراد نے اپنا رخ دوبارہ پھیر لیا۔ وہ سامنے دیکھنے لگا.....کالے آسمان کو.....اس میں سفید راز کو..... جواب کھل گیا تھا.....

''فی الحال تو میرا ایک ہی سگا رشتہ ہے، بیوی کا.....'' وہ اس وقت اتنا اپ سیٹ تھا کہ اسے اتنی سی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''اب آپ کے دو سگے رشتہ دار ہیں۔'' ایمان نے اس بار بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ مراد نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں.....اس خوشی میں.....اس سکون میں.....

''کیا مطلب؟'' وہ ابھی تک نہیں سمجھا تھا۔ ٹینشن میں انسان کو اپنا نام بھی یاد نہیں رہتا۔ ایمان کا ہاتھ تب سے اس کے ہاتھ کے اوپر ہی تھا۔

''قسم سے حد ہے۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ رہے ہیں آپ۔ مسٹر مراد شیرازی صاحب آپ کی بیوی کے پاؤں کے نیچے جنت آنے والی ہے۔We are going to have a kid soon''

''انشاءاللہ۔'' ایمان مراد کے سر پر بم پھوڑا۔ مراد ایک دم حیران ہوا اور پھر مسکرا دیا۔

''یہ کب ہوا؟'' اس نے تمام ٹینشن کو دفع دور کرتے ہوئے پوچھا۔

''کل امی کے ساتھ گئی تھی ناں تو..... میں نے کل ہی بتا دینا تھا مگر آپ گھر لیٹ آئے تو میں سو گئی۔ اچھا ہوا ناں آج بتایا۔ اللہ نے آپ کے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہے۔'' ایمان نے کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔ بے شک وہ اللہ ہی ہے جو انسان کو زیادہ دیر تک غم زدہ نہیں دیکھ سکتا اور اسے خوش کر دیتا ہے۔ قرآن میں جب بھی عذاب الٰہی سے وہ لوگوں کو ڈراتا ہے تو اس سے اگلی آیت میں فوراً جنت کی خوشخبری بھی سنا دیتا ہے۔ یہ اس کا مخصوص انداز ہے جو صرف اسی پر جچتا ہے۔

''آپ ان سب کے ساتھ نارمل رہیں پلیز۔ میں جانتی ہوں یہ مشکل ہے لیکن مراد.....'' اس نے مراد کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ وہ اس کے بالکل مخالف رہا تھا۔ ''جنت آنٹی نے آپ کو بہت محنت سے پالا ہے۔ میں اس محنت کو اور اس جذبے کو کل سے محسوس کر رہی ہوں۔ آج آپ جہاں کہیں بھی ہیں وہ جنت آنٹی اور عامر انکل کی وجہ سے ہی ہیں۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ ہم ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں گے مراد۔ ہمیشہ.....'' ایمان نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔ مراد نے اس کی بات پر سر اثبات میں ہلایا۔

''شکریہ۔ مجھے ہمیشہ سکون دینے کے لیے۔'' ایمان نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ ''تم نے آج مجھے ایک بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ میں یہ سننے کے بعد سب کچھ بھول گیا ہوں۔'' وہ اسی حالت میں کہہ رہا تھا۔ آنکھ سے آنسو چھلک کر نیچے گرے۔ وہ اللہ کے سامنے شکرانے کے آنسو تھے اور اس خوشی کے جو اللہ نے سنائی تھی۔

''بس بس..... کوئی دیکھ لے گا۔ اتنا Publicly رومانٹک ہونا اچھا نہیں ہے شوہر صاحب۔'' ایمان اسے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ نہ ہو کہ کل کو ساتھ والے شکایت کریں۔ اپنے بچوں کو قابو میں رکھیں چھتوں پر وہ یہ سب کر کے ہمارے بچوں کو خراب کر رہے ہیں۔'' وہ کہہ کر ہنس دی۔ آنسو صاف کرتا مراد بھی ہنس دیا۔

''کبھی کبھی تم بہت پیاری باتیں کرتی ہو۔'' مراد نے اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے میں خود پیاری ہوں تو میری باتیں پیاری ہی ہوں گی۔'' وہ ایک ادا سے بول کر ہنس دی اور مراد اس کی خوبصورت ہنسی پر قربان ہونے کو تیار تھا۔

وہ دونوں نیچے آ گئے۔ جنت اور عامر اسی طرح لاؤنج میں تھے۔

مراد نے نہایت خوشگوار موڈ میں یہ خبر ان دونوں کو سنائی۔ سب کو یوں لگا جیسے اللہ نے ان کے زخم بھر دیے ہوں جو کچھ دیر پہلے ہی ملے تھے۔

جنت اور عامر نے باری باری دونوں بچوں کو پیار کیا اور پھر ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔

تھوڑی دیر بعد مراد روانہ ہو گیا۔ اسے ملک سے باہر جانا تھا۔ آفس کے کسی کام سے..... کسی اہم ترین کام سے.....

سب بہت خوش تھے وہ پھر سے ایک ہو گئے تھے کیونکہ رشتے بے شک خون کے نہ ہوں لیکن اگر ان میں احساس اور محبت باقی رہے تو وہ خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور ہزار تلخیوں کے باوجود وہ پھر سے ایک ہو ہی جاتے ہیں۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

رات کو ایجنٹ وائٹ ہورس اپنے گھر سے واپس آ گیا۔ جب سے وہ واپس آیا تھا تو بہت تھکا تھکا لگ رہا تھا مگر تمام پریشانی بلائے طاق رکھتے ہوئے وہ ملک کی خدمت کرنے کے لیے تیار تھا۔

کل صبح ہونے سے قبل اسے بھارت پہنچنا تھا۔

''یہ فائل بھی تم ساتھ لے جاؤ اور ایجنٹ بل کو دے دینا۔'' باڈر کی سرحد پر کھڑے وہ دونوں آخری لمحات میں کچھ اہم باتیں کر رہے تھے۔ یوسف کو اب ایک برِج ایجنٹ (ایسا ایجنٹ جو کوئی چیز زارداری سے دوسرے ایجنٹ تک پہنچا دے) بننا تھا۔

''اوکیسر۔'' یوسف نے کرنل کے ہاتھوں سے فائل لی اور اپنی شرٹ کے اندر رکھ لی تا کہ اس پر کسی کا دھیان نہ جائے۔ اس کے اوپر سردی سے بچنے کے لیے اس نے چادر اوڑھ لی۔ وہاں کے قریب دیہاتی سردی سے بچاؤ کے لیے چادر ہی اوڑھا کرتے تھے تو اسے بھی ان کی طرح دِکھنا تھا۔

''سمگلر کا انتظار کرو گے؟'' کرنل عاصم نے پوچھا۔

''cannot trust anyone, anymore.will cross the border myself. INo sir, I''

وائٹ ہورس نے کہا۔ اس کے لہجے میں کچھ ٹوٹا تھا۔

''Okay boy. May Allah bless you.''

مصافحہ کرنے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت چل پڑے۔

تمام بی ایس ایف (باڈر سکیورٹی فورسز) کو پہلے سے مطلع کیا گیا تھا کہ مغرب کی جانب سے آنے والے کسی انسان کو آج بغیر کسی رکاوٹ کے جانے دیا جائے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سفید گھوڑے کو اس طرف سے تو بالکل تسلی تھی کہ وہ آرام سے باڈر کراس کر سکتا ہے۔ اپنی بائیں جانب اسے دور سے بی ایس ایف کی عمارت نظر آ رہی تھی مگر اسے سیدھا جانا تھا۔ وہ کسی اور سمت جائے بغیر سیدھا چلتا گیا۔

وہ باڈر کراس کر چکا تھا۔

اب وہ بھارت کی سرحد میں آ چکا تھا۔ اسے اب زیادہ احتیاط کرنی تھی کیونکہ اصل خطرہ تو اب شروع ہوا تھا۔ وہ دشمن کی سرزمین پر تھا جو پہلے ہی موقع تلاش کر رہے تھے کہ سفید گھوڑا آئے اور وہ اس کا پتہ صاف کریں مگر سفید گھوڑے نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس سب سے کیسے نمٹنا ہے۔ وہ پہلے سے تیاری کر کے آیا تھا۔ وہ ہر قسم کے حالات کے لیے تیار تھا۔ جو لوگ متوقع حالات کے لیے پہلے سے تیار ہوتے ہیں وہ ان حالات کا بہت اچھے طریقے سے سامنا کرتے ہیں۔

وائٹ ہورس کو بھی حالات کی نزاکت کا بہت اچھے سے اندازہ تھا۔ وہ سیدھ میں چلتا گیا یہاں تک کہ اسے انڈین کمپنی کے ہیڈ کوارٹر، جو باڈر کے پاس ہی بنایا گیا تھا، کی بلڈنگ نظر آئی۔ وہ اس کا مقابلہ با آسانی کر سکتا تھا کیونکہ اسے اپنے سے ذرا دور بڑی بڑی

جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

وہ ان میں گھس گیا اسے اندازہ ہوا کہ اگر وہ تیزی سے چلے گا تو ممکن ہے کہ خشک گھاس پر گرے سوکھے پتوں کی آواز سے بھارتی بی ایس ایف اس تک رسائی حاصل کر لیں لہذا اس نے تمام قدم بہت محتاط ہو کر رکھے۔

یہ اس کا بھارت کی طرف چوتھا چکر تھا اسی لیے وہ ان سب اونچ نیچ سے واقف تھا۔ جیسے ہی اس نے جھاڑیاں عبور کیں اس کے قدموں کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ چند فرلانگ دور اسے محسوس ہوا کہ آگے دیہات ہیں لہذا اس کے قدموں میں اور زیادہ تیزی آ گئی۔ بی ایس کی عمارت اب اس سے بہت پیچھے تھی۔

آسمان پر جگہ جگہ ستارے بکھرے پڑے تھے جیسے کالی چادر پر سفید موتی بکھرے ہوں۔ وہ موتی بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ شاید آج چاند نہیں نکلا تھا اسی لیے یہ سفید موتی ہی زمین پر روشنی کا کام دے رہے۔ ان موتیوں سے ملنے والی روشنی سے اسے دیکھنے میں مدد مل رہی تھی۔ وہ اپنی سمت چلتا گیا اور آسمان پر انہیں بکھرے موتیوں کی مدد سے اس نے اپنی سمت کا تعین کیا۔

وہ تیز تیز چلتا، تمام مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے ہمت مجتمع کرتا دیہات تک پہنچ ہی گیا۔ اس نے وہاں کسی کو جاگتا نہ پایا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اس نے ایک گھر کی دیوار پر ٹنگے مقامی طرز کے کپڑے اتار لیے اور اس کو وہاں کے مخصوص انداز میں پہننے کے بعد وہاں چند کرنسی نوٹ رکھ دیے تا کہ اس کے مالک کو کوئی زیادہ نقصان نہ ہو۔ وہ جہاں سے بھی ضرورت کے تحت کوئی چیز اٹھاتا تو اس کی جگہ وہاں کچھ پیسے رکھ دیتا۔ وہ ایک اچھا چور تھا۔

اسے یہ ڈر تھا کہیں کسی پولیس وغیرہ سے سامنا نہ ہو جائے تو اس نے اپنا راستہ بدل لیا۔ بالفرض اگر سامنا ہو بھی جاتا تو اس کے حلیے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس جگہ کا مقامی ہے۔

مین سڑک پر جانے کی بجائے اس نے کچی سڑک سے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس سفر میں دو اور گاؤں آنے تھے۔ اس کا حلیہ اسے وہاں کا رہائشی ظاہر کرتا تھا تو اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

گاؤں سے شہر تک کا سفر اس نے فجر پھوٹنے سے پہلے ہی کر لیا تھا۔ اب شہر میں تو اس کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ یہاں اس کا ایک بہت ہی محفوظ کور موجود تھا۔ امرتسر میں.....

وہ فی الحال اس کے پاس ہی گیا۔

''کافی دنوں بعد یہاں کا چکر لگایا۔'' راج کمار نے وائٹ ہورس سے کہا۔

''ہاں بس تھوڑا مصروف تھا۔ میں نے سوچا اب آیا ہوں تو تم سے مل لوں۔'' چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''دھنواد۔ ہمیں تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے اور سناؤ کیا حال ہے؟'' راجکمار نے کہتے ہوئے ایک بیگ اس کی طرف کیا جسے اس نے تھام کیا۔

''بھگوان کی کرپا (کرم) سے ہم ٹھیک ہیں۔'' وائٹ ہورس نے بھی چادر کے اندر سے پیکٹ نکال کر اس کو دیا۔ اس میں کچھ سفید

سا پاؤڈر تھا۔ دودھ کی طرح سفید.....

وہ دونوں ایک دوسرے کی نظر میں سمگلر تھے۔ وائٹ ہورس نے اسے پاؤڈر کا تھوڑا سا حصہ سمگل کر کے دیا تھا جس کے عوض راجکمار نامی سمگلر نے اسے ایک بڑی رقم دی تھی۔ یہ رقم یہاں اس کے کام آئے گی۔

دو تین گھنٹے آرام کرنے کے بعد سفید گھوڑا اپنے ہدف کی صرف بڑھ گیا۔

بس میں سوار، وہ اپنے پہنچنے کی اطلاع بارڈر پار دے رہا تھا۔ یہ سفر اسے کافی بسیں تبدیل کر کے ہی کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''وائٹ ہورس نے ہمیں کبھی شرمندہ نہیں کیا۔'' عالیشان آفس روم میں بیٹھے کرنل عاصم نے کمپنی ہیڈ کو اس کے پہنچنے کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

''He is so good.'' کمپنی ہیڈ نے تعریف کی۔ وہ میز کے اس پار بیٹھے تھے۔ میز پہ چند ضروری کاغذات بکھرے تھے جنہیں وہ ساتھ ساتھ دیکھ رہے تھے اور کرنل عاصم کے ساتھ اس کے متعلق بات بھی کر رہے تھے۔

''انڈین یونٹ سے پتہ کرو کہ آگے ان کا کونسا غلیظ پلان ہے؟'' کمپنی ہیڈ نے بات جاری رکھی۔

''Our boys are working on this.'' کرنل عاصم نے جواباً کہا۔

''گڈ.....اس بار والا منصوبہ فیل نہ ہو پلیز۔ ہم اور لوگوں کی قربانی نہیں دے سکتے۔'' ہیڈ نے فکرمندی سے کہا۔

''انشائاللہ، وائٹ ہورس اس بار اس فساد کی جڑ کو اکھاڑ کر ہی آئے گا۔'' کرنل عاصم نے پر یقین لہجے میں کہا۔ ان کے انداز میں ایک عزم تھا۔ ایک یقین تھا۔

کرنل عاصم اور ہیڈ نے ان کاغذات کا کام مکمل کیا اور پھر کرنل عاصم کمرے سے باہر چلے گئے۔

ویسے بھی اب ٹریننگ کا ٹائم تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس گراؤنڈ میں اس وقت لڑکے مشق کر رہے تھے۔ کرنل عاصم کو بالوقت ہی وائٹ ہورس کا نوجوان اور خوبصورت چہرہ یاد آیا جب وہ خود ان کے پاس آیا تھا کہ ''سر میں نے ایکسر سائز کر لی ہے'' اور عاصم نے اسے سزا دی تھی کہ ''جاؤ، گراؤنڈ کے دو چکر لگا کر آؤ'' اور وہ لڑکا اپنی غلطی پر پچھتاتا ہوا گراؤنڈ کی سیر کو نکل پڑا۔

کرنل سر جھٹک کر مسکرا دیے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ عشاء کے قریب پہنچا۔

اسی طرح کے ایک بازار میں اس نے دکانوں کے اوپر بنے کمروں میں سے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ چابی گھماتے ہی لاک کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوا اور آتے ہی کمرے کا ہر طرح سے معائنہ کرنے کے بعد اس نے نماز ادا کرنے کے لیے وضو کیا.....

وضو سے فارغ ہو کر اس نے نماز ادا کی.....

نماز سے فارغ ہوکر اس نے فون اٹھایا.....

اور اپنی ایجنسی کی بہت ہی سیکیور موبائل ایپلیکیشن سے ایک پیغام بھیجا جو ہوا کے زور پر اڑتا ہوا اس مخصوص بندے کے موبائل پر پہنچ گیا۔

''ہمیں کل ملنا ہوگا۔'' اس نے میسج میں لکھا۔

''ضرور۔ کیفے کے پیچھے والے کمرے میں ہی ملنا۔ اس کی چابی تمہیں دروازے کے اوپر ہی مل جائے گی۔ اندر آ کر چابی دوبارہ دروازے کے اوپر رکھ کر دینا۔ دروازے کے اوپر خلا ہے، چابی رکھی جا سکتی ہے۔ اگر میں جلدی آیا تو میں رکھ دوں گا ورنہ تم۔ کل دوپہر دو بجے۔'' چند میل دور دیواروں سے گھری ایک عمارت میں جلدی جلدی میسج لکھتا ایجنٹ بل، جو راہداری کراس کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔

''ڈن۔'' اس نے حامی بھر لی۔

''بس یہ کام خوش اسلوبی سے ہو جائے، اللہ میری مدد کرے گا۔'' موبائل بیڈ پر رکھتے ہوئے خود کلامی کی اور ساتھ خود بھی بیڈ پر لیٹ گیا۔

اور مدد مانگو.....

صبر کے ساتھ.....

اور نماز کے.....

بے شک.....

یہ بہت بڑا عمل ہے.....

مگر.....

ڈرنے والوں پر (نہیں).....(سورۃ البقرہ:??)

کوئی اس کے اندر بولا گویا اسے الہام ہوا ہو۔ وہ اکثر کچھ سوالوں کے جواب ایسے ہی پاتا تھا، قرآن کے ذریعے.....اندر سے ایک آواز کے ذریعے.....

جو شخص قرآن کو سمجھ کر پڑھتا ہے تو پھر قرآن اسے کسی معاملے میں اکیلا نہیں چھوڑتا۔ وہ اس سے باتیں کرتا ہے۔ وہ اسے مشورہ دیتا ہے۔ قرآن تو خود کرتا ہے کہ ''اس میں نشانیاں ہیں، مگر عقل والوں کے لیے.....''

اللہ کی طرف سے اشارہ ملتے ہی اس نے حاجت کے دو نفل ادا کیے اور حاجت کی دعا پڑھ کر اپنے رب کے سامنے اپنی مشکل عیاں کر دی۔

جب بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی مشکل بیان کرتا ہے تو اس کے دل سے کتنا ہی بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ یوں جیسے آدھا کام ہو گیا

اوراللہ اپنے بندے کومشکل میں نہیں دیکھتا۔وہ اس کی حاجت سن کراس کی مدد کرتا ہے۔بے شک کرتا ہے.....

دعا سے فارغ ہوا تو جیسے اس کے کندھوں سے وزن کم ہوا ہوا اور وہ سکون میں آ گیا ہو۔اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب اس نے اللہ کو اپنا مددگار بنالیا تھا.....

بیڈ پر لیٹتے ہی اس نے آنکھیں موندلیں۔کل رات سے مسلسل سفر میں رہنے سے وہ بھی تھک گیا تھا۔آخر انسان تھا۔

اب اس کا ارادہ تھا کہ وہ صبح تک سوتا رہے لیکن.....کیا پتا اس دفعہ وہ واقعی سو جاتا۔

☆☆☆☆☆☆

رات کے گھپ اندھیرے میں وہ اٹھ گئی۔وہ کمرے میں اکیلی تھی۔آنکھ کھلنے کی وجہ خواب تھا جو اس نے دیکھا تھا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تو مسکرا رہی تھی۔شاید اسے اپنا خواب یاد آ گیا ہو۔ہوسکتا ہے اس نے آنے والے دنوں کے متعلق ایک حسین خواب دیکھا ہو مگر یہ صرف وہی جانتی تھی کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔

رات کے دو بج رہے تھے۔

اس نے اپنے پاؤں جوتوں کے اوپر رکھے پھر جوتے پہن لیے۔وہ چلتے چلتے باتھ روم تک آئی۔ایک دو منٹ بعد وہ اپنے ہاتھوں کو تولیے سے خشک کر رہی تھی۔دراز میں سے اس نے مخملی جائینماز نکالا اور اسے قبلہ رخ کر کے بچھا دیا۔

اپنے خوبصورت چہرے کے گرد بھورے رنگ کے دوپٹے کا ہالا بنا کر اس نے دو نفل پڑھنے شروع کر دیے۔سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

وہ جانتی تھی اس وقت جو چاہو گے،مل جائے گا۔آسمان سے آتی قبولیتِ دعا کی صدائیں،جیسے اسے سنائی دے رہی تھیں۔

اس نے ویسے ہی دعا کی تھی جیسی اسے مراد نے سیکھائی تھی۔وہ سب دعائیں،اس کی اپنے اللہ سے مانگی جانے والی چیزوں میں شامل ہوگئی تھیں۔

اس چیز کا اثر ایمان کو اپنی زندگی میں آنے والی تبدیلی سے صاف واضح ہوتا تھا۔

دعا کرتے رو پڑی تھی۔وہ اسی طرح دعا کرتی تھی۔دعا مکمل کرنے کے بعد وہی گھٹنوں کو اوپر کر کے،انہیں بازو میں سمیٹتے بیٹھی رہی۔فجر کی اذانوں میں ابھی کچھ وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆

اس نے ایسا ہی کیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا اور چابی اس نے دروازے کے اوپر ہی رکھ دی۔کمرہ خالی تھا۔وہ وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔انتظار کا یہ دورانیہ بیس منٹ کا تھا۔

دروازہ کھلا اور کوئی اندر آ گیا۔

''السلام علیکم۔''اس نے آتے ہی سلام کیا۔

''وعلیکم اسلام۔'' وائٹ ہورس نے جواب دیا۔رسمی سلام دعا کے بعد وہ مدعے کی بات پر آ گئے۔

''مجھے لگتا ہے تم یونٹ کے اندر یہ کام نہ ہی کرو۔ہم کوئی اور راستہ نکال لیتے ہیں۔'' ایجنٹ بل نے مشورہ دیا۔

''او کے، میرے پاس ایک پلان ہے۔'' وائٹ ہورس نے کہا اور وہ پلان بتانے لگا۔دونوں نے مل کر اس پلان کے سیاہ وسفید کو ہر طرح سے سوچا اور پھر اس پر عمل کرنے کے لئے تیار تھے۔

دوپہر میں سورج کی گرمی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

باب نہم

ساحلِ سمندر

''سوری.....''اس نے لڑکی سے معذرت کی۔

''بندہ دیکھ کر چل.....''وہ غصے میں بولتے بولتے رک گئی اب اس سے مزید کچھ نہ بولا گیا۔وہ سحر زدہ ہو چکی تھی۔ایک لفظ اور بولتی تو یقیناً مر جاتی۔مر تو وہ ابھی بھی گئی تھی۔اس کی نظریں سامنے کھڑے وجیہہ مرد پر ٹکی ہی رہ گئیں۔ایک لمحہ بھی وہ اس پر سے نظریں نہ ہٹا پائی۔اسے ایسے لگا جیسے اسے اب کچھ اور دیکھنے کی طلب نہیں ہے۔

اس لڑکی کی یہ حالت اس سے چھپی نہ رہی۔وہ بھی اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔وہ دونوں شاید ایک جیسی کیفیت میں تھے۔اگر وہ عشق کر بیٹھی تو دیوانہ وہ بھی ہو گیا تھا۔سراپا حسن اسے بھی مبہوت کر گیا تھا۔شاپنگ مال کی بڑی سی عمارت کے داخلی دروازے سے ذرا آگے وہ دونوں کھڑے تھے۔آس پاس سے گزرتے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر،وہ دونوں ایک دوسرے پر نظریں جمائے کھڑے تھے کہ کسی کی ذرا سی ٹکر سے وہ لڑکا اس سحر زدہ وادی سے واپس آیا۔وادی میں اس کی غیر موجودگی سے وہ لڑکی بھی حقیقی دنیا میں واپس آ گئی تھی۔

''وہ.....''اس سے مزید کچھ نہ بولا گیا۔

''کوئی بات نہیں۔غلطی میری بھی تھی۔''لڑکی نے کہا۔نظروں کے دوبارہ تصادم سے وہ دونوں مسکرا دیئے۔دونوں پر ایک دوسرے کی حالت عیاں ہو گئی تھی۔وہ جان چکے تھے کہ محبت کے تیر نے دونوں کے دلوں کو گھائل کر دیا تھا۔

''او کے بائے.....''اپنے بہکنے کے خطرے سے وہ جانے لگی۔

''سنیں.....''لڑکے نے پیچھے سے آواز لگائی۔

''کافی پئیں گی؟''لڑکے نے محبت بھرے انداز میں آفر کی۔

''ضرور.....''نہ جانے کس خیال کے تحت،اس نے حامی بھر لی۔وہ دونوں مال کے اوپری فلور پر بنے فوڈ کورٹ تک آئے اور کسی کافی شاپ کے ٹو پرسن ٹیبل پر بیٹھ گئے۔تب سے اب تک وہ خاموش تھے مگر بے قابو نظریں ایک دوسرے پر ڈالتے رہتے تھے۔

''ٹو ایس پریسو (کافی کی ایک قسم)۔''اس نے ویٹر کو آرڈر دیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''بالآخر لڑکے نے پہل کی تھی۔

''ورینہ۔''اس نے اپنا تعارف کروایا۔

''میرا نام ساحر ہے۔'' لڑکے نے بغیر پوچھے ہی اس کو اپنا نام بتا دیا تھا۔ ظاہر ہے اس نے پوچھنا ہی تھا۔

ڈارک براؤن شرٹ کے نیچے، ہلکی گرین پینٹ پہنے، ہاتھ میں گھڑی پہنے، چہرے پر فیشن کے مطابق ہلکی ہلکی داڑھی رکھے، وہ ورینہ کے دل کا مالک بن چکا تھا۔

وائٹ ٹاپ کے نیچے لائٹ پرپل جینز پہنے، اسٹریٹ بالوں کو کھلا چھوڑے، کانوں میں صوبر اور چھوٹے سائز کے ایئر رنگز پہنے، وہ اپنے حسن سے ساحر کو سحر زدہ کر چکی تھی۔

دوپہر شام میں بدل گئی۔ دھوپ کی تپش اب ختم ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں نے موسم کو خوشگوار کر دیا تھا۔ سورج دنیا کے ایک حصے سے دوسرے تک جانے کے لیے تیار تھا۔

کافی پینے کے بعد وہ دونوں باہر کی طرف چل پڑے۔ اس دوران انہوں نے بہت سی باتیں کیں۔ کچھ اپنی کہی اور کچھ اس کی سنی.....

''یہ میرا کارڈ ہے۔'' اس نے جیب میں سے اپنا کارڈ نکال کر ورینہ کے ہاتھوں میں تھمایا۔ دونوں کے ہاتھوں نے ایک دوسرے کو چھوا تو دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں بے قابو ہو گئیں۔ دل کی حالت دونوں کے سامنے واضح تھی۔

''ہم پھر ملیں گے۔'' ورینہ نے جاتے جاتے کہا۔

''جب تم کہو.....'' وہ محبت بھرے لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

آپ سے تم تک کا سفر دونوں کی مرضی سے ہی طے ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ناشتے کی ٹیبل پر جنت اور عامر پہلے سے ہی موجود تھے۔ ایمان ذرا لیٹ اٹھی تھی، اسی لیے وہ ناشتہ کرنے میں ذرا دیر سے پہنچی تھی۔ جنت اور عامر ناشتا تقریباً ختم کر چکے تھے۔

''سوری، میں آج لیٹ ہو گئی۔'' تیار شیار ایمان کرسی پر بیٹھ گئی۔ آج اس نے اسٹالر، چہرے کے گرد لپیٹا تھا۔ وہ زیادہ ٹائٹ نہیں تھا یوں جیسے سر پر ڈوپٹہ لیتے ہیں۔ سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ شانوں پہ پھیلایا ہوا تھا۔

''کوئی نہیں۔'' عامر نے کہا۔

''ویسے آنٹی.....مراد صاحب کو تو لیکچرار ہونا چاہیے۔ کالج جا کے بچوں کو پڑھائیں۔ غلط پروفیشن چن لیا انہوں نے۔ کافی اچھا سمجھاتے ہیں۔'' وہ کہنے کے بعد ہنس دی۔ جنت اور عامر بھی ہنس دیے۔ ایمان کو وہ بہت اچھے طریقے سے ہر بات سمجھاتا تھا۔

''جیتی رہو۔ وہ خود اس فیلڈ میں جانا چاہتا تھا۔'' جنت نے کہا۔

''ارے، میں تو مزاق کر رہی تھی۔'' ایمان شرمندہ سی ہوئی۔ جنت ہنس دی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''او کے میں آفس جا رہا ہوں۔'' عامر نے اسے کہنے کے بعد کہا۔

''رکیں انکل۔میں بھی آپ کے ساتھ ہی آتی ہوں۔'' ایمان نے عامر کو جاتے جاتے روکا۔

''کیوں،تم آفس جاؤ گی بیٹا؟ آرام کرو،زیادہ کام تم دونوں کے لیے اچھا نہیں ہے۔'' جنت نے فکرمندی سے کہا۔

''آنٹی میں جانتی ہوں آپ کیئر کرتی ہیں مگر میں ان عام لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں جو اس چیز کو سر پر سوار کر لیتی ہیں اور پھر کوئی کام نہیں کرتیں۔میں اس کو اپنی کمزوری نہیں بلکہ اپنی طاقت بنانا چاہتی ہوں۔گھر بیٹھ کر یا سو کر میں نے مزید تھک جانا ہے۔میں جب تک کر سکتی ہوں اپنا کام کروں گی۔جب مجھے لگے گا تو میں انکل سے چھٹیاں لے لوں گی۔کونسا انکل نے مجھے جاب سے نکال دینا ہے چھٹیاں کرنے سے؟ میرے انکل کا آفس ہے۔ہے نا انکل۔'' ایمان نے ایک ادا سے کہا۔اس کی آخری بات پر وہ تینوں ہی کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''میں خوش ہوں کہ تم مراد کی بیوی ہو۔'' جنت نے کہا۔

''اور مراد کو بھی ہونا چاہیے۔'' اس نے شانے اچکائے اور وہ تینوں پھر ہنسنے لگے۔

ایمان ایک بہت مضبوط لڑکی تھی،یہ بات جنت اور عامر دونوں ہی جانتے تھے۔

''چلو بیٹا۔'' عامر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ایمان کھانا کھا کر اٹھ گئی۔

عامر اور ایمان ایک ہی گاڑی میں آفس جا چکے تھے۔جنت بھی گھر کے معاملات دیکھنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆

آفس کے کمرے میں وہ اکیلی بیٹھی لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلا رہی تھی۔تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ پانی کا ایک گھونٹ بھرتی اور پھر لیپ ٹاپ پر کاپ کرنے لگ جاتی۔

''عجیب خیالات آتے ہیں دماغ میں۔'' ایمان نے تھک کر لیپ ٹاپ بند کیا اور خود کلامی کی۔

''آخر مراد کے بارے میں ایسا سوال کیوں آیا میرے دماغ میں؟ کیوں مجھے ان کی ڈارک سائڈ کی تلاش رہتی تھی؟ کیا میرے لیے اتنا کافی نہیں کہ وہ میرے ساتھ بہت اچھے ہیں؟ ظاہر ہے کافی ہے۔تو میں اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دیتی ہوں۔'' وہ سامنے،دیوار پر دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''ان کی زندگی کی اس سے بڑی ڈارک سائڈ کیا ہوگی کہ وہ اڈاپٹڈ (لے پالک) ہیں۔ان کا باپ ہی ان کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔سگی ماں کو انہوں نے دیکھا تک نہیں.....اس سے بڑی کیا ڈارک سائڈ ہوگی؟'' وہ ایک دم سیدھی ہوئی اور گلاس میں بچا پانی ایک سانس میں پی گئی۔

''میں اس بات کا ذکر مراد سے نہیں کروں گی۔مجھے ان کے زخموں پر مرہم رکھنی ہے نا کہ نمک چھڑکنا ہے۔آفٹر آل.....میں ایک اچھی بیوی ہوں۔'' اس نے جیسے فیصلہ کیا۔

تمام غلط باتوں کو ذہن سے جھٹک کر وہ کام کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

ایک ہفتے میں وہ دونوں تقریباً دس بار مل چکے تھے۔ رات دیر تک باتیں کرنا اور صبح اٹھ کر پھر سے ایک دوسرے سے ملنے سے جانا۔ ایک ہفتے سے ایسا ہی ہو رہا تھا۔

آج بھی وہ کسی شاپنگ مال میں شاپنگ کرنے آئے تھے۔

''یہ پیک کر دیں۔'' اس نے 'گوچی فلورا' پرفیوم پیک کرنے کو کہا ہے۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''میں پیمنٹ کر دیتا ہوں۔'' ساحر نے آگے بڑھ کر پیسے دینے چاہیے مگر ورینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک دیا اور اپنا کریڈٹ کارڈ کیشیئر کو دے دیا۔ دو تین بار اصرار کے باوجود وہ نہ مانی۔

شاپنگ کر کے وہ باہر آ گئے۔

''ساحر، تم نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ میں تمہاری فیملی کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔'' ورینہ نے ساتھ چلتے ساحر کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''جن باتوں سے انسان کو تکلیف ہوتی ہو، اس سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔'' ایک ہاتھ ورینہ کی انگلیوں میں پھنسائے اور دوسرے ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑے، وہ اداس لہجے میں گویا ہوا۔

''سوری.....لیکن، کیا ہوا تھا؟'' ورینہ نے پریشانی سے کہا۔ اپنے سے جڑے اہم رشتوں کی اداسی بھی نہیں دیکھی جاتی۔

''چلو میں تمہیں اپنا گھر دکھاتا ہوں۔ ہم وہیں چل کر بات کرتے ہیں۔'' ورینہ سے گاڑی کی چابی لیتا، وہ گاڑی تک آیا۔ گاڑی اَن لاک کی اور سامان اندر رکھا۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ساحر کے چھوٹے سے محلے میں پہنچ چکے تھے۔ وہ ایوریج، مگر بہتر علاقے میں بنا ہوا گھر تھا۔ اس گھر میں چار کمرے اور دو کچن تھے۔ ڈبل اسٹوری یہ گھر بہت خوبصورت تھا۔

''ورینہ تمہیں لگ رہا ہوگا کہ گھر میں اتنے چھوٹے سے گھر میں کیوں رہتا ہوں؟ میرے حلیے سے تمہیں لگتا ہوگا کہ میں بہت امیر زادہ ہوں۔ میں امیر زادہ تھا مگر اب نہیں رہا۔ میرے مام ڈیڈ یہاں کے رہنے والے تھے مگر ہم لندن شفٹ ہو گئے۔ دس سال ہم وہاں رہے۔ ہم بہت خوش تھے، اچھی زندگی گزار رہے تھے پھر ایک دن.....میرے مام ڈیڈ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور میں اس دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ ہمارے پاس وہاں ایک گھر تھا اور ایک گاڑی تھی۔ میں نے سب کچھ سیل کر دیا اور یہاں آ گیا۔ یہاں میں نے یہ گھر لیا۔ ایک بندے کے لئے یہ گھر بہت اچھا ہے اور باقی پیسوں سے میں نے ایک کیفے کھولا ہے۔ میرے ڈیڈ کوئی زیادہ جائیداد چھوڑ کر نہیں گئے اسی لیے میں نے فضول خرچی کرنے کی بجائے لیمٹ (حد) میں رہنا پسند کیا۔ مجھے یہاں آئے چھ مہینے ہو گئے ہیں۔ زندگی اکیلی ہی گزر رہی تھی مگر.....'' اس نے ورینہ کا ایک ہاتھ نرمی سے تھاما۔ ''پھر تم میری زندگی میں آئی اور میری تنہائی دور ہو گی۔ میں اب اکیلا نہیں رہا۔ سوری، میں بہت امیر نہیں ہوں۔ تمہاری برابری کا نہیں ہوں لیکن میں تمہیں خوش رکھوں گا۔ میرے پاس پیسہ ہے لیکن تمہارے جتنا نہیں۔ میں جب تمہارے برابر ہو جاؤں گا تو تمہیں اپنے گھر کی ملکہ بناؤں گا جیسے تم میرے دل کی ملکہ بن گئی ہو۔'' اس نے اظہار بھی کر

دیا۔ کہانی سن کر گم صم ہونے والی ورینہ، اس کے اظہار محبت سے خوش ہوگئی کیونکہ وہ خود بھی دل میں ایسے ہی جذبات لیے ہوئے تھی۔

پہلی نظر کی محبت بہت مضبوط ہوتی ہے۔

''مجھے تمہارے امیر ہونے نہ ہونیسیفرق نہیں پڑتا۔ میں اس گھر میں تمہارے ساتھ زندگی جی لوں گی مگر میرے ڈیڈ...... تمہیں ان کو منانا ہوگا۔ اگر وہ بھی مان جائیں تو ہم ایک ہو جائیں گے۔'' ورینہ نے اصل بات بتائی۔

صوفے پر بیٹھے وہ دونوں کافی دیر باتوں میں مگن رہے۔ دو گھنٹے وہاں گزارنے کے بعد ورینہ گھر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆

''تم ایسا کرو کہ مجھے لیش مہرا کی اب کی روٹین بتاو؟۔ وہ کس ٹائم یونٹ میں آتا ہے اور کس ٹائم جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے سب بتاو؟ کہ وہ دن میں کہاں کہاں جاتا ہے۔'' وائٹ ہورس نے اپنے ساتھی ایجنٹ کو کہا۔ وہ دونوں ایک پارک میں بیٹھے تھے۔ اپنی پہچان وہ کوڈ ورڈز میں کروا چکے تھے۔

''اوکے سر جی۔ آپ کو کل تک ساری خبریں مل جائیں گی۔'' اس نے کہا اور اٹھ گیا۔

یوسف بھی اپنے ٹھکانے واپس جانے لگا۔ اسے یہ سفر تین ٹیکسیاں بدل کر کرنا تھا۔

اپنے پلان پر عمل کرنے کے لیے اسے اپنے ہدف کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کا علم ہونا ضروری تھا۔ اسے اس وقت کا انتظار تھا جب وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھتے اور یوسف اس سے وہ تمام سوالات پوچھتا جو اسے الجھائے ہوئے تھے۔

وہ وقت دور نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''کیا کوئی خبر ملی ہے؟ بی ایس ایف والوں سے پتہ کرو کہ کیا کوئی حرکت ہوئی ہے؟'' جاتے جاتے وہ جیسے کچھ یاد آنے پر مڑا۔

گہری ہوتی رات میں وہ ایک چار دیواری کے اندر بنی ایک اونچی چار دیواری کی ایک چار دیواری یعنی کمرے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔

''نو کرنل۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم سب نکموں کو خبر بھی کیسے ہوگی؟ وہ جناب ادھر اپنا قتل کروا بیٹھے ہیں اور تم لوگ یہاں عیاشی کر رہے ہو۔ وہ آرام سے آ بھی گیا ہوگا، کیا پتا......'' وہ حسبِ معمول آج غصے میں نہیں تھا مگر طنز......

''ہم کوشش تو کر رہے ہیں کرنل، جیسے ہی کوئی خبر ملتی ہے ہم بتا دیں گے۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا جیسے وہ لیش کے طعنوں سے بہت تھک چکا ہو۔ ماتحتوں کی قسمت میں طعنے ہی ہوتے ہیں۔

''کر ہی نہ لینا......'' لیش نے پھر طنز کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ پیچھے اس کے مرنے کی بددعائیں کرتا رہا۔

''بڈھا...... سنکی، اتنا ہی ہے تو خود کر لے، ہم سے نہیں ہوتا۔ سمجھتا کیا خود کو؟ دو دن کا مہمان ہے یہ پھر اس کی اور بکواس نہیں سننی

پڑے گی ہمیں۔ وائٹ ہورس کو یہاں ایک مہینہ ہونے والا ہے اور اس بار اس نے ایسا جال بچھایا ہے کہ تم اس حد تک سوچ نہیں سکتے۔ تمہیں تو وہ تمہارے گھر کے اندر گھس کر مارے گا۔ پاگل، بڈھا'' ایجنٹ بل نفرت سے یہ سوچ رہا تھا۔

جانے انجانے میں وہ شاید صحیح کہا گیا تھا کہ لیش مہرا.....کی بکواس.....صرف..... دو دن ہی سننے کو ملے گی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ رات کو اپنے بازار والے گھر پہنچا۔

موسم کی خنکی بڑھ رہی تھی۔ ہوا تیز ہو رہی تھی۔ آسمان پر سرمئی بادل ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔ بادلوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ زور و شور سے برسنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

کمرے کا دروازہ اچھی طرح بند کر کے وہ بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ کھانا وہ باہر سے ہی کھا آیا تھا۔ لیٹتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ آنکھوں کے اوپر رکھ لیا۔ وہ لیٹ تو چکا تھا مگر ابھی سویا نہیں تھا۔

نہ سونے کی وجہ، اس کے دماغ میں چلنے والی فلم تھی جو اسے ماضی میں دھکیل رہی تھی۔ جب وہ دونوں کراچی گئے تھے۔

ساحل سمندر پر وہ دونوں پیدل چل رہے تھے۔ جوتے اتار کر وہ ٹھنڈی مٹی کی ٹھنڈ اپنے اندر سمو رہے تھے۔ ساتھ چلتے چلتے وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔

''ویسے اگر میں شہید ہو گیا تو؟'' وائٹ ہورس نے اپنی شریکِ حیات سے کہا۔

''تو میں شہید کی بیوی سے شہید کی بیوہ بن جاؤں گی۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''تمہیں دکھ نہیں ہوگا؟'' اس نے دوبارہ سوال کیا۔

''ہاں بھی اور نہ بھی۔'' وہی اطمینان۔

''مطلب؟'' وہ تفصیل جاننا چاہتا تھا۔

''ہاں اس لیے کہ آپ کے بغیر زندگی ادھوری ہے، اکیلی ہے، خالی ہے۔ میں تو بہت بور ہو جاؤ گی اور نہ اس لئے کہ آپ جنت کے وارث بن جائیں گے اور صبر کرنے پر میں بھی جنت کما لوں گی۔ ملک کے لیے شہید ہونے سے بہتر ایک فوجی کے لیے کیا انعام ہوگا؟'' نارمل انداز میں چلتے ہوئے وہ سامنے دیکھے کہہ رہی تھی۔

''تم شادی کر لینا.....میں اجازت دیتا ہوں۔'' اس نے بیوی سے کہا۔

''اجازت مانگی کس نے؟ ویسے اچھا آئیڈیا ہے۔ دیکھوں گی۔'' وہ محظوظ ہو کر بولی اور وہ خفا ہوا۔

''ہاں ناں.....اگر کوئی بہت زیادہ اچھا مل گیا تو۔'' وہ ہنس پڑی اور وہ ابھی تک خفا تھا۔

''بہت بے وفا ہو تم۔'' وہ ذرا منہ بسور کر بولا۔

''تو خود کیا ہیں؟ بیوی کو بیوہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچ رہے کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ میں ہر بات مذاق میں ٹال

رہی ہوں کہ آپ یہ ٹاپک بند کر دیں لیکن نہیں.....آپ تو انجوائے کر رہے ہیں۔ میں نے سوچا ایسے نہیں تو ویسے ہی چپ کرواؤں آپ کو۔ دیکھا کیسے بولتی بند ہوئی اب۔'' اس نے واقعی وائٹ ہورس کو چپ کروا دیا تھا۔ اس بات پر وہ ہنس پڑا اور چلتے چلتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مذاق کر رہا تھا، سوری۔'' اس نے معذرت کی۔

''آپ فوجیوں کے سارے مذاق موت سے ریلیٹڈ ہی کیوں ہوتے ہیں؟'' وہ خفا خفا سی بولی۔

''شاید ہمیں اپنے سامنے ہمیشہ اپنی موت نظر آتی ہے۔ مے بی، اسی لئے.....'' وہ اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

''موت نہیں، شہادت۔'' اس نے تصحیح کی۔ وہ ہنس پڑا۔

''ویسے تم بہت سمجھدار ہو گئی ہو۔'' وائٹ ہورس نے تعریفاً کہا۔

''ماشائاللہ ہی کہہ دے بندہ۔ نظر ضرور لگانی ہے؟'' وہ گھور کر بولی تو وہ پھر سے ہنس دیا۔

''ہاں جی۔ سوری سوری۔ ماشائاللہ ماشائاللہ۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے۔'' اس نے ہنستے ہوئے دعا دی اور اس کے سر پر پیار کیا جیسے کوئی بڑا بزرگ بچے کے سر پر پیار کرتا ہے۔

''گڈ.....'' وہ ہاتھ لگنے پر ذرا جھکی اور اس کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو یہ کیا۔

''اچھا آؤ گول گپے کھاتے ہیں۔'' اس نے بات بدلی۔

''ویسے آپ کو مجھ سے جان چھڑانے کا بہت شوق ہے؟'' اس نے کہا تو وہ پھر ہنس پڑا۔ وہ اس کے ساتھ کتنا خوش تھا۔ کتنا مختلف تھا۔

''ارے نہیں میں تو بس تمہیں جانچنا چاہتا تھا۔ اللہ نے چاہا تو ہم ستر اسی سال ساتھ رہیں گے اور اپنے پر پوتے، پر پوتیوں، پرنواسے، پرنواسیوں کو بھی کھلائیں گے۔'' وائٹ ہورس نے شرارتاً کہا۔

لڑکی نے اسے دیکھا۔ ''اور ستر اسی سال کے بعد کہاں منہ مارنا ہے آپ نے؟'' وہ ناراض ہوتے ہوئے بولی۔

''قبر میں.....'' وہ فوراً بولا اور ہنس دیا۔ بیوی نے ایک بار پھر اسے خفا سی گھوری ڈالی۔

''بھلا اب سو سال تو نہیں رہنا ناں دنیا میں!'' وائٹ ہورس نے بات کا مطلب واضح کیا۔ وہ مستقل ہنس رہا تھا۔ آج وہ شرارت کے موڈ میں لگتا تھا اسی لیے اسے ایسی باتیں کر کے تنگ کر رہا تھا۔

''اف.....میں کوئی بات نہیں کر رہی اب آپ سے۔ بندہ یہ کہے کہ جتنی زندگی لکھی ہے ہم ساتھ گزاریں گے بلکہ بندہ موت کی بات ہی نہ کرے۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ جب اللہ کو بہتر لگے گا تو آ جانی ہے موت.....میں کون سا منع کر رہی ہوں مگر ابھی ایسی باتیں نا ہی کریں۔ زندگی خوشی سے جیئیں۔ اتنی خوبصورت لڑکی آپ کی بیوی ہے۔ کوئی قدر ہی نہیں ہے۔ بس مرنے کی پڑی ہوئی ہے۔'' غصے میں بولتی وہ پیر پٹخ کر آگے چلی گئی اور وہ پیچھے ہنستا رہ گیا۔

''اچھا اچھا.....ٹاپک کلوز ہوا۔'' وہ فوراً آگے آیا اور اس نے کہا۔ اب وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

''ویسے تمہاری قدر ہے مجھے اور تم خوبصورت بھی ہو۔''اس نے ذرا سا جھک کر اس کے کان میں کہا۔

لڑکی زیر لب مسکرائی۔''پتہ ہے مجھے۔''اس نے شانے اچکائے تو وہ دونوں ہنس دیے۔

محبوب کے ساتھ ٹھنڈی ریت پر پیدل چلنے سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تو وہ حال میں واپس آیا اور اس نے دل ہی دل میں اللہ سے اپنے رشتے کی سلامتی کی دعا کی۔

چند منٹوں بعد وہ سوچکا تھا۔اپنے بنائے گئے پلان پر اسے بہت کام کرنا تھا اسی لئے کام کے ساتھ ساتھ آرام بھی ضروری تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ سب لاؤنج میں جمع تھے۔

''آپ سب کو بہت مبارک ہو۔''سلمہ نے جنت اور عامر کو خوش دلی سے اجتماعی مبارک دی۔

''خیر مبارک۔آپ کو بھی مبارک ہو۔''وہ دونوں بھی باری باری بولے۔

''اب اس پر ذرا سختی کرنی ہے آپ نے۔یہ بہت لاپرواہ ہے اور نہ سمجھ بھی ہے۔آپ کو تو پتا ہے۔آپ تو اس اسٹیج سے گزری ہوئی ہیں۔''ایمان کے بارے میں بات کرتے ہوئے انجانے میں.....نہ سمجھی میں سلمہ کی بات نے اس گھر کے باسیوں کو لمحے بھر کے لیے اداس کر دیا تھا مگر.....وہ مضبوط بنے رہے اسی لئے ظاہر نہیں ہونے دیا حالانکہ سب کی اندرونی کیفیت سے وہ سب ہی واقف تھے۔ایمان نے عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے گھر کی بات.....گھر کا راز اپنی ماں تک کو نہیں بتایا تھا۔

جس پر اللہ پردہ رکھے تو ہم کیوں اسے بے پردہ کریں۔

''نہیں،ایمان تو بہت سمجھدار ہے ماشاءاللہ۔آپ یقین کریں آپ کی بیٹی واقعی سمجھدار ہے۔''جنت نے کھلے دل سے تعریف کی۔واقعی،ایمان بہت سمجھدار ہوگئی تھی۔وہ اپنے اللہ سے میچورٹی اور حکمت جو مانگتی تھی۔

''اماں!لوگ تو سسرال والوں کے سامنے بیٹی کی اتنی زیادہ تعریفیں کرتے ہیں اور آپ.....واحد ماں ہیں اس دنیا کی جو ایسے کرتی ہیں۔''ایمان ذرا خفگی سے بولی۔اس کی بات پر سب ہنس دیے۔

''جنت ٹھیک کہہ رہی ہے سلمہ بہن۔ایمان واقعی سمجھدار لڑکی ہے۔میرا آفس اس کے انڈر(under) ہے۔ایمان سب کچھ اچھے طریقے سے مینج کرتی ہے،ماشاءاللہ۔''عامر نے جنت کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''آپی میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ اپنی ساس کا علاج کرواؤ۔دیکھو تمہاری ساس کی بیماری اب تمہارے سسر کو بھی لگ گئی ہے۔اب وہ بھی تمہیں سمجھدار کہہ رہے ہیں۔''اسد نے ہلکے سے ایمان کے کان میں کہا۔وہ اسے کن انکھیوں سے گھورنے لگی۔

''بچو تم ذرا میرے ہاتھوں سے۔میں عزت کر رہی ہوں تمہاری پر تمہیں راس نہیں آرہی۔گھر آکر تمہیں پوچھوں گی،ابھی میری عزت کا معاملہ ہے۔بڑی زبان لگ گئی ہے تمہیں۔''سارا دھیان سامنے رکھتے ہوئے،چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ بغیر اسد کو دیکھے یہ سب کہہ رہی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

''یار آپی جاسٹ کڈنگ برو۔'' یار کو یار اور جسٹ کو لمبا کرتے ہوئے وہ شرارت سے بولا۔ وہ مذاق میں انگریزی اور اردو کے الفاظ کا ایسے ہی بیڑا غرق کرتے تھے۔ یہ ان کا سٹائل تھا۔ ایمان نے اسے ایک نظر دیکھا اور ہنس پڑی۔

کھانے کھانے کے بعد سلمہ اور اسد ایمان کے کمرے میں آ گئے۔

''ویسے اماں.....حد کرتی ہیں آپ۔ ہمیشہ آنٹی انکل کے سامنے مجھے بے عزت کرتی ہیں اور وہ لوگ ہر بار مجھے سمجھدار کہتے ہیں۔ بندہ سسرال والوں کے سامنے تو عزت کر لیا کرے اماں۔ کیا سوچیں گے وہ؟'' ایمان خفا نظر آ رہی تھی۔

''ایمان (سلمہ لمحے بھر کو رکیں۔) جو مائیں اپنی اولادوں کی ہر جگہ تعریفیں کرتی ہیں اور ہر بات میں انہیں سپورٹ کرتی ہیں وہ کبھی اچھی ماں نہیں ہوتیں۔ وہ بچوں کو چوڑ (جیسے خود کو ٹھیک سمجھنا) کر دیتی ہیں اور میں اگر ایسے کہتی ہوں تو تم خود کو دیکھو، کیا تمہارا دل نہیں کرتا کہ ان لوگوں کو تم سے کوئی شکایت نہ ہو اور تم اس ڈر سے کہ وہ میری بات کو صحیح نہ سمجھ لیں، تم ہر کام زیادہ بہتر طریقے سے کرتی ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' نرمی سے کہتے ہوئے آخر میں سوال کیا۔

ایمان نے سوچا۔ ''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میری یہی کوشش ہوتی ہے۔'' وہ شرمندہ سا ہنسی۔

''مجھے اپنی گدھی اولاد کا زیادہ بہتر پتا ہے اسی لیے میں ایسے کہتی ہوں اور دیکھ لو میرا طریقہ کام کر گیا ہے۔'' سلمہ نے کہتے ہوئے ایمان کے سر پہ چپت لگائی۔

''اماں نے قسم کھائی ہے کہ بس ہر بات میں گدھی، بیوقوف، ڈھیٹ اولاد کے القابات ضرور دینے ہیں۔'' ایمان نے کہا۔

''کان ہی ترس گئے ہیں ہمارے کہ ہم اپنی اماں سے اپنی تعریف سن لیں۔'' اپنے حق میں بات ہوتی دیکھ کر اسد نے بھی ایمان کا ساتھ دیا۔ ان کی بات پر سلمہ ہنس دیں۔

اور کچھ دیر بعد وہ گھر چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

''ایجنٹ وائٹ ہورس آخر کتنی دیر اور لگے گی؟ کب کام کرو گے تم پورا۔ کمپنی ہیڈ کوارٹر کو جواب دینا ہے میں نے۔ اگر کوئی مسئلہ ہے تو تم بتا دو۔ ایک مہینہ ہو گیا ہے تمہیں وہاں۔'' آج کرنل عاصم ذرا غصے اور پریشانی کے ملی جلی کیفیت میں تھا سی لیے آج انہوں نے یوسف کو وائٹ ہورس کہہ کر بلایا تھا۔ وہ اسے ہلکا ہلکا ڈانٹ رہے تھے۔

''سر بس دو دن اور.....اگر دو دن میں نہ کر سکا تو جاب سے استعفی دے دوں گا۔ بس آپ بھروسہ کر کے مجھے دو دن دے دیں۔ میرا جال تیار ہے بس مجھے شکار کو اس طرف لانا ہے۔'' وائٹ ہورس نے جیسے انہیں تسلی دی۔

''لاسٹ وارننگ۔'' اتنا کہا اور فون بند ہو گیا۔

''بس دو دن.....'' اس کا جملہ بھی مکمل نہ ہو سکا۔

''پتا نہیں یہ لڑکا کیا کر رہا ہے؟'' کرنل نے فکرمندی سے کہا۔

رات کے اندھیرے میں وہ ٹیرس پہ کھڑے سوچ رہے تھے۔ بارڈر پار وہ سارا جال تیار کر چکا تھا۔ اسے بس شکار کو جال تک لانا تھا۔ پرسوں اس کا شکار جال میں پھنس جائے گا۔ صرف دو دن.....

☆☆☆☆☆☆

''سر، اس میں لیش مہرا کی ساری روٹین لکھی ہے۔ وہ صبح کب اٹھتا ہے، کب کہاں جاتا ہے۔ اور میری اطلاعات کے مطابق آج اس نے اپنے گھر میں ایک پارٹی میں رکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی وہاں جائیں، شاید وہاں آپ کو کسی اور بات کا بھی پتا چل جائے۔'' ایجنٹ نے اپنے ساتھ بیٹھے یوسف کو بتایا۔ وہ گندمی رنگ کی ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ آنکھوں پہ چشمہ لگائے اور ہاتھ میں پین پکڑے وہ کسی پروفیسر کی طرح لگ رہا تھا۔ کالے فریم میں اس کی کالی شفاف آنکھیں بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔

''بہت خوب.....تم نے اچھا کام کیا۔ پارٹی کس ٹائم ہے؟'' یوسف نے اس کے ہاتھ سے فائل پکڑی۔

''شام پانچ بجے.....'' اس نے کہا۔

''ابھی ہمارے پاس بھی پانچ گھنٹے ہیں۔ جلدی سب کچھ کرنا ہوگا۔'' یوسف نے کاغذ پہ کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ آج وہ ایجنٹ اس کے بازار والے گھر آیا تھا۔ بظاہر وہ ایک ڈیلیوری بوائے بن کر آیا تھا۔ ملک کی حفاظت کے لیے کیا کیا روپ دھارنے پڑتے ہیں ان سپاہیوں کو۔ پارسل کے طور پہ اس نے وہ فائل آگے کی جسے یوسف نے تھام لیا۔ وہ دونوں دروازے پہ ہی کھڑے تھے۔ ایجنٹ کے پیچھے سیڑھیاں تھیں اور یوسف با آسانی وہاں سے سڑک کو بھی دیکھ سکتا تھا۔

''میں نے پہلے ہی سارا انتظام کر دیا ہے۔ اس فائل میں اس پارٹی کا invitation card (دعوت نامہ) بھی ہے جس پہ ساری تفصیل درج ہے۔ وہاں بہت امیر لوگ آئیں گے۔ باقی کا کام تو آپ جانتے ہی ہیں۔ خدا حافظ۔'' ڈیلیوری بوائے کہہ کر پلٹ گیا۔

یوسف نے کمرے میں آ کر فائل کھولی۔ اس میں لیش مہرا کی روٹین تھی اور ایک تہہ شدہ کاغذ بھی تھا۔ وہ اپنی تیاری کرنے لگا۔

وہ پسِ پشت رہ کر ساری کاروائی کرنا چاہتا تھا۔

شام کو وہ لیش مہرا کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس وہ ایک ویٹر لگ رہا تھا۔ دوسرے ملازمین کے ساتھ وہ بھی اندر آ گیا اور چند منٹوں میں ہی تمام گھر کا مکمل جائزہ لے لیا۔ فائل میں تہہ شدہ کاغذ میں اس گھر کا مکمل نقشہ بنا تھا بڑا سا ہال بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ ہال کے وسط میں اوپر ایک بڑا سا فانوس لگا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے بلب لگے تھے جو ماحول پہ اچھا اثر رکھے ہوئے تھے۔

''مسٹر لیش کہاں ہیں۔'' عقب میں سے آواز آئی تو وہ مڑا وہاں سوٹڈ بوٹڈ ایک ادھیر عمر آدمی کھڑا تھا۔ اس آدمی کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جو سبز رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔

''سوری سر، آئی ڈونٹ نو۔'' یوسف نے کہا اور پاس کھڑی لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے فون میں مگن تھی جیسیا سے کسی چیز سے فرق ہی نا پڑتا ہو۔

''سٹوپڈ بوائے۔ ہٹو میرے سامنے سے.....چلو حیما۔'' وہ آکاش شرما تھا اور وہ لڑکی اس کی بیٹی حیما تھی۔ غصے سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ یوسف ان دونوں کو ایک نظر میں ہی پہچان چکا تھا مگر وہ.....وہ اسے کبھی بھی پہچان نہیں سکتے تھے۔ وہ جس حلیے میں تھا اس میں اور اس کے اصل حلیے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

''تم ابھی تک زندہ ہو؟ مجھے لگا مرکھپ گیا ہوگا۔ بڑی ہمت ہے بھئی کہ اتنا زوردار برداشت کر گیا۔ خیر.....سونوں کی؟ (ہمیں کیا)'' اس نے سر جھٹکا اور کچن کی طرف چل پڑا۔

دوسرے ملازموں کے ساتھ وہ بھی ٹرالی گھسیٹتا کچن سے باہر آیا۔ کوئی چلتے چلتے اسے ڈرنک کا کہتا وہ شراب کی بوتل گلاس میں انڈیلتا اور اسے تھما دیتا۔ ایسی غیر اخلاقی چیزیں ان غیر اخلاقی پارٹیز میں ضرور ہوتی ہیں۔ وہ ادھر ادھر لیش مہرا کو تلاش کر رہا تھا مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ اسے خیال آیا کہ وہ اپنے کمرے میں ہوگا۔

یوسف نے ٹرالی وہیں چھوڑی اور بنا کسی کی نظروں میں آئے وہ اوپر چلا گیا۔ اسے لیش کے کمرے کا پتا تھا۔ وہ بلی کی چال چلتا، اس کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ ہلکا سا دروازہ بجایا اور ٹائی درست کی۔

''کم اِن۔'' اندر سے آواز آئی۔ وہ دروازہ اندر کو دھکیلتا آگے بڑھا۔ وہ ایک کشادہ کمرہ تھا جو بہترین تراش خراش کر کے سجایا گیا تھا۔ پردے، فرنیچر، کالین.....سب کچھ بہت قیمتی لگتا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس، وہ سامنے کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔

''سر، وہ آپ کو سب نیچے بلا رہے ہیں۔'' اس نے ادب سے کہا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی ادب سے بات کر رہا تھا۔ ملک کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے انہیں۔ وہ وہ کام جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے اور یہ گمنام سپاہی بغیر کوئی بات کیے کر گزرتے ہیں۔ یہ صرف انہی لوگوں کا حوصلہ ہے۔

''اوکے میں آتا ہوں۔ تم ذرا مجھے ایک ڈرنک بنا کر دو۔ یہ سائڈ ٹیبل پہ رکھی ہے بوتل۔'' وہ اپنے ازلی لاپرواہ انداز میں بولا۔

یوسف جی سر کہتا سائڈ ٹیبل تک آیا اور ڈرنک بنانے لگا۔ لیش اسی طرح فون میں گم تھا۔ دونوں نے ابھی تک ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔

زن سے دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت لڑکی اندر داخل ہوئی۔ گلابی رنگ کا لمبا گاؤن، جو آگے سے پیروں تک آتا تھا اور پیچھے سے اس کا کچھ حصہ زمین کو مس کرتا تھا، اونچی ایڑھی والی جوتی اور ہلکے میک اپ میں وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ یوسف اور لیش نے بیک وقت مڑ کر دیکھا۔ وہ بلاشبہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

''ڈیڈ.....کہاں رہ گئے آپ؟ سب لوگ ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ ذرا خفا سی بولی۔ وہ لیش کی بیٹی تھی۔

''آ رہا ہوں ڈیئر۔'' وہ شائستگی سے بولا۔ صرف اپنی بیٹی سے بات کرتے ہوئے ہی وہ اپنا ازلی انداز چھوڑتا تھا۔ وائٹ ہورس ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ رہا تھا۔

''جلدی ڈیڈ.....'' کہہ کر وہ آگے آئی اور اس کے ہاتھ سے فون لیا اور بیڈ پہ پھینکا، فون کھلا رہ گیا۔ بیڈ پہ اس کا لیپ ٹاپ بھی رکھا تھا۔

''ہر وقت کام.....ڈیڈ آج آپ ایک ہوسٹ (میزبان) ہیں۔ نیچے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ سب آپ کا انتظار کر رہے

ہیں۔'' وہ ابھی تک خفا تھی۔

''اوکے اوکے فائن۔ چلو، بس میں یہ ڈرنک پی لوں۔ اور تم نے ساحر کو بلایا؟'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے یوسف کو آگے آنے کا کہا۔ وہ بیڈ کی سائڈ سے گھوم کے آ گیا آیا اور دفعتاً وہ لڑکی کے زمین کو چھوتے گاؤن سے ٹکرایا اور ڈرنک کا گلاس سیدھا لیش مہرا کی شرٹ پہ جا گرا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہوا پر بے سود۔ یوسف گرتے گرتے بچا پر وہ ڈرنک.....وہ لیش مہرا پہ جا گری۔

''ڈیم اٹ.....تم اندھے ہو کیا؟ نظر نہیں آتا تمہیں؟ میرا سارا سوٹ خراب کر دیا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ غصے سے چیک اٹھا۔ لڑکی کا منہ کھل گیا اور یوسف سوری سوری کرتا رہ گیا۔

''چلو تم یہ سب صاف کرواور ڈیڈ آپ چینج کر کے نیچے آ جائیں۔'' وہ ٹھنڈے مزاج کی حامل لڑکی نیا پنی نرم آواز میں دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ لیش، یوسف پہ قہر برساتی نظریں ڈالتا چینجنگ روم میں چلا گیا۔ وہ لڑکی باہر جا چکی تھی اور یوسف زمین پہ گرے گلاس کے ٹکڑے اٹھانے لگا۔ اس نے کن اکھیوں سے دیکھا تو لیش اندر جا چکا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور اپنی جیب میں سے ایک ڈیٹا کیبل نکالی، بیڈ پہ پڑے فون سے اسے لگایا اور خوش قسمتی سے فون ان لاک تھا۔ وہ یہ موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ گو کہ یہ اس کے مشن کا حصہ نہیں تھا پر ایسا موقع اگر مل جاتا تو وہ ضائع نہ کرتا۔ سارا ڈیٹا کاپی کر نیلگا، اس میں کچھ وقت لگا۔ اتنے میں باتھ روم میں پانی چلنے کی آواز آئی تو اسے مزید وقت مل گیا۔ فون سے ڈیٹا کاپی ہو چکا تھا۔ اب ان نے وہ کیبل لیپ ٹاپ سے لگائی اور اس کا پاسورڈ توڑ دیا۔ یہ کام اسے ٹریننگ کے دوران سکھایا گیا تھا۔ پانی بند ہو چکا تھا اور.....اس کو ایک منٹ درکار تھا۔ اسکرین پہ وقت لکھا آ رہا تھا۔ ساٹھ سیکنڈز.....آہستہ وقت کم ہو رہا تھا۔ پانی چلنے کی آواز اب نہیں آ رہی تھی۔ وہ نظریں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھا۔ کبھی اسکرین کو دیکھتا تو کبھی سامنے.....وقت کم ہو رہا تھا۔ تیس سیکنڈز.....اور پھر مزید کم.....بیس.....پھر.....دس.....اور دروازہ کھلنے کی آواز.....دو.....ایک.....اور اس نے فوراً سے کیبل اتاری .....لیپ ٹاپ واپس رکھا.....اور خود نیچے جھک کے شیشے اٹھانے لگا۔ سب کچھ وقت پہ ہو چکا تھا۔ لیش آیا اور اپنا کھلا فون اٹھا کر باہر نکل گیا۔ یوسف کے ہاتھ ایک بڑا خزانہ لگا تھا۔ اسے جلد از جلد یہ خزانہ پاکستان پہنچانا تھا۔ وہ اٹھا اور شیشے ادھر ہی گرا دیے۔ اب اسے یہاں مزید نہیں رکنا تھا۔ وہ یہاں سے جا رہا تھا۔ وہ یہاں اسے مار بھی سکتا تھا پر.....اس نے پہلے یہ کام کرنا ضروری سمجھا۔ اسے مارنے کے لیے اس کے پاس ایک بہتر پلان تھا۔

وہ نیچے آیا اور سب پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالتا باہر کی طرف جانے لگا۔ اسے اب یہاں سے مزید کچھ نہیں چاہیے تھا۔ ذرا آگے جا کر اسے آواز سنائی دی۔ جانی پہچانی آواز جو آکاش شرما کی تھی۔

''تم نے اس دن آنے میں دیر کر دی تھی ورنہ وہ اسی دن پکڑا جاتا۔ میں نے اسے باتوں میں بھی الجھائے رکھا اور اس پہ حملہ بھی کیا تھا اور وہ زمین پر گر گیا تھا۔ چوٹ بھی آئی تھی اسے پر.....تم لوگ ہی لیٹ سے آئے ورنہ وہ آج زندہ نہ ہوتا۔'' بوڑھا آکاش، مسکرا مسکرا کر جھوٹ بول رہا تھا۔ یوسف اس کی بات پر مسکرایا.....طنزیہ مسکراہٹ.....اور باہر چلا گیا۔

''کیسے جھوٹے لوگ ہیں یہ توبہ.....'' اس نے نفرت سے سوچا۔

وہ اپنے ایک ساتھی ایجنٹ کے پاس گیا اور اسے وہ چپ تھما دی۔ اپنے کلین فون سے ایجنسی کو اس بارے میں اطلاع دی اور خود اپنے ٹھکانے پہنچ گیا۔

رات کو ایجنسی سے تسلی بخش جواب موصول ہوا تو اس نے اپنے رب تعالی کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆☆☆☆

''چلو میں تمہیں ڈیڈ سے ملواتی ہوں۔'' دوپہر کے وقت وہ دونوں کسی کافی شاپ میں کافی پی رہے تھے۔

''لیکن وریہ..... میں نے تمہیں کہا ہے کہ تھوڑا صبر کرلو۔ میں ذرا سیٹلڈ ہو جاؤں تو ہی میں.....'' وریہ نے اپنی نرم ملائم انگلی ساحر کے ہونٹوں پر رکھ کر اسے چپ کروا دیا۔ وہ اب کچھ نہ بول سکا۔

''میں نے ڈیڈ کو سب بتا دیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ پہلے تم سے مل لیں پھر ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔ اگر تم انہیں پسند آ گئے تو میں ضد کر کے جلدی شادی کروالوں گی۔'' آنکھوں میں چمک لئے وہ بولی۔

''تمہیں مجھ پر یقین تو ہے ناں ساحر؟''

''اپنی جان سے زیادہ اور مجھ پر.....؟''

''سانسوں سے بھی زیادہ۔''

''تو پھر چلو، مجھے کوئی خوف نہیں ہے اگر تم ساتھ ہو۔''

''مجھے تمہارے ساتھ ہونے کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔''

''اسی ساتھ سے تو مجھے عشق ہے۔''

''اور مجھے تم سے عشق ہے ساحر۔'' ہاتھوں میں ہاتھ دیئے وہ ساتھ چلنے لگے۔

ریستوران کے باہر ہی وریہ کے ڈیڈ آ گئے تھے۔

''ڈیڈ یہ ساحر ہے۔'' وریہ نے خوشدلی سے دونوں کا تعارف کروایا۔ ساحر نے آگے ہو کر مصافحہ کیا۔

''گڈ ٹو سی یو ساحر (تمہیں دیکھ کر اچھا لگا)۔'' وریہ کے ڈیڈ نے کہا۔ وہ زیادہ عمر کے تھے۔ انداز شفگتہ تھا۔

''سیم ہیئر انکل۔'' مسکراتے ہوئے ساحر بھی بولا۔

''وریہ مجھے بتا رہی تھی کہ تمہارا ایک کیفے ہے! میں گیا تھا وہاں، اٹس سو نائس۔'' انہوں نے کیفے کی تعریف کی اور ساحر انہیں مزید اپنے کیفے کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ تینوں اب پارکنگ میں کھڑی، ساحر کی کار تک آئے۔

''انکل میں چاہتا ہوں کل آپ میرے گھر آئیں۔ ہم وہیں باتیں کریں گے اور آپ مجھے اور جان لیں گے۔'' کار میں بیٹھتے ہوئے ساحر نے کہا۔

''اوکے۔ ہم کل ضرور تمہارے گھر آئیں گے۔'' کار مین روڈ پر آ گئی۔

''میں انتظار کروں گا۔'' ساحر نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ وہ ان دونوں کو ان کے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ گھر پہنچ گئے۔ الوداعی کلمات کہہ کر وہ دونوں اندر چلے گئے اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ساحر نے چلتا فون نکال کر کال کی۔

''ہاں یار، وہ گھر کا.....'' کال پہ بات کرتے ہوئے وہ گاڑی دوڑاتا ہوا لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆

باب دہم

تصویر

''میں ایمان ہوں۔ مسز ایمان مراد یوسف شیرازی۔'' اپنے کمرے میں کھڑکی کے آگے سے پردے ہٹاتی وہ سوچ رہی تھی۔

''میں ایک عام لڑکی تھی اور مجھے خاص بنانے والا کون ہے؟ کیا میں خود یا.....'' وہ اب پلٹ گئی۔ کھلے سیاہ بالوں کو اکٹھا کرنے لگی۔ ''یا میری زندگی میں آنے والا مرد؟ ہاں بالکل..... مراد نے ہی مجھے خاص بنایا ہے۔'' بال جوڑے کی صورت اس کی گردن کے اوپر تھے۔

''مراد نے مجھے زندگی کے نئے معنی سکھائے ہیں۔ مراد نے ہی مجھے سکھایا کہ میں کون ہوں، کیا ہوں اور کیوں ہوں؟ میں ایک عورت ہوں، جس کا مطلب ہے چھپی ہوئی چیز۔ میں چھپ کر ہی دنیا میں ایک اہم کردار ادا کر رہی ہوں۔ میں اللہ کی ایک مخلوق ہوں جس کے بغیر دنیا آگے نہیں چل سکتی۔ مجھے اللہ نے ایک ذمہ داری دی ہے اور وہ ہے انسان کی تخلیق..... مجھے انسان کی تخلیق کا ذمہ دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ ایک اعزاز کی بات ہے۔'' وہ چلتی چلتی اب ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی ہوگئی۔ کھڑکی سے آتی دھوپ نے تمام کمرے کو روشن کر دیا تھا۔ تازہ مسکراہٹ چہرے پر جمائے وہ شیشہ دیکھ رہی تھی۔

''میں ایک ایسا رشتہ ہوں جو مرد کے لیے بہت ضروری ہے۔ میں ایک بیٹی ہوں، جو باپ کے گھر میں رحمت بن کر آتی ہے۔ میں ایک بہن ہوں جو بھائی کی دوست اور ہمدرد ہے۔ میں ایک بیوی ہوں جو اپنے شوہر کے دکھ سکھ کی ساتھی ہے اور اس کے ایمان کی تکمیل ہے۔ میں ایک ماں ہوں جو مرد کو پالتی ہے، اسے جوان کرتی ہے۔ غرضیکہ میں مرد کے لیے اس کی زندگی کا ایک اہم رشتہ ہوں، ایک اہم جز.....'' وہ چہرے پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ مسکراہٹ اسی طرح تھی۔ جوڑا اب ڈھیلا ہو رہا تھا۔ ذرا سی حرکت سے وہ کھل جائے گا۔

''عجیب بات ہے ناں..... مجھے اس بات کا احساس دلانے والا ایک مرد ہے۔ ایک مرد..... جو صرف عورت کو بے عزت کرنے کے حوالے سے مشہور ہے مگر، کوئی مجھ سے بھی تو پوچھے کہ میری زندگی میں آنے والا مرد میرے لیے کیا ہے۔ عموماً عورت کی وجہ سے، اس کو پانے کے لیے مرد اللہ سے بہت قریب ہو جاتا ہے پر میری کہانی میں تو الٹ ہوا۔ میری زندگی میں آنے والے مرد نے مجھے احساس دلایا کہ میں اللہ سے کتنی دور ہوں۔ اس مرد نے ہی مجھے اللہ کے قریب کیا ہے۔ اس مرد نے ہی مجھے زندگی کا مقصد سمجھایا ہے۔ مجھے چھوٹی چھوٹی باتوں کا احساس دلایا۔ میں اب پرفیوم بھی نہیں لگاتی ہوں۔'' وہ ابھی تک شیشے کو دیکھ رہی تھی کہ دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور سیاہ آبشار کمر پر بہہ گئی۔ وہ ہنس پڑی۔ اندر آتی ملازمہ بتا رہی تھی کہ جنت اسے بلا رہی ہیں۔ اس نے مسکراتے چہرے

کے ساتھ آتی ہوں کہا تو ملازمہ اس کی حسین مسکراہٹ کی دل ہی دل میں تعریف کرتی پلٹ گئی۔ وہ اب دوبارہ شیشے کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''عورت کو ہر مرد کو غلط کہنا اب چھوڑ دینا چاہیے۔ ہر مرد ایک سا ہے جیسے pet sentences کہنا اب بند کر دینے چاہیے۔ جب عورت حرام طریقے سے مرد کے پاس جائے گی تو وہ آگے سے ایسا ہی کرے گا۔ جو آپ کو حرام طریقے سے اپنے پاس بلائے اور آپ جانتے بوجھتے چلی جائیں تو غلط وہ نہیں آپ ہیں۔ جو اصل میں مرد ہوتا ہے وہ کبھی آپ کو غلط کام پہ اکساتا نہیں، جیسے مراد۔ وہی اگر آپ حلال طریقہ اپنائیں تو مرد بھی آپ کو اچھا ملے گا جیسے مراد۔'' اس نے دوبارہ سے بال پکڑے اور انہیں گول مول کر کر جوڑہ بنایا۔ اس بار اس نے دراز میں سے کیچر نکال کر جوڑے کو سہارا دیا۔ جوڑا اب قدرے سپورٹ میں تھا۔

''ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا۔ ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ مراد نیمیری زندگی میں آ کر مجھے احساس دلایا کہ مرد عورت کیلیے کتنا اہم ہے۔ اس کے بغیر عورت مکمل نہیں ہے۔ اس نے مجھے احساس دلایا کہ مرد سے زیادہ اچھا رازداں کوئی نہیں ہوتا، مرد سے زیادہ اچھا دوست کوئی نہیں ہوتا، مرد سے زیادہ اچھا ٹھکانہ ایک عورت کے لیے کوئی نہیں ہوتا۔ ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا۔ کچھ حقیقی مرد ہوتے ہیں جو ساتھ نبھاتے ہیں، چاند تاروں کی باتیں نہیں کرتے بلکہ زندگی کا شریک بنا کر اس کے ہر موڑ پر عورت کی ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہی اصل میں مرد ہوتے ہیں۔'' پلٹ کر وہ بیڈ تک آئی اور اپنا فون اٹھایا۔ وہ بج رہا تھا۔

آفس سے کال تھی۔

''مجھے میری زندگی کا، میری تخلیق کا مقصد سمجھ آ گیا ہے۔ میں ایک عام لڑکی نہیں ہوں۔ میں بہت خاص ہوں اور مجھے خاص بنانے والا ایک مرد ہے۔ میرا شوہر، میرا شریکِ حیات، مراد شیرازی۔ ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا..... ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا۔'' ذہن کے خانوں میں وہ ایک ہی بات دہراتے کمرے سے باہر چلی گئی۔

دھوپ نے کمرے میں اسی طرح روشنی کی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

رات تمام ہوئی اور اگلا دن نکلنے کے لیے تیار تھا۔

فجر کے بعد آسمان کی کالک پہلے گہری نیلی ہوتی گئی پھر ہلکی نیلی اور پھر.....سورج جلوہ افروز ہوا۔

آج وہ دن تھا جس کا سب کو انتظار تھا۔

اسی دن دنیا کے ایک حصے میں سورج اپنی گرم شعاؤں کے ساتھ حاضر ہوا۔ تمام دن سورج کی گرمی برداشت کر کے لوگ تھک چکے تھے اور شام کا انتظار کر رہے تھے۔ بلآخر شام ہوگئی اور سورج ذرا مدھم پڑ گیا۔

سورج غروب ہونے سے قبل ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول کو ٹھنڈا اور خوشگوار کر دیا تھا۔ ماحول کی طرح لوگوں کے موڈ بھی خوشگوار ہو گئے تھے۔ دھیرے دھیرے بادل کالے ہوتے جا رہے تھے۔ لگتا تھا کہ آج ان کا پھر رونے کا ارادہ ہے۔ شاید انہوں نے بھی رو کر اپنا دل

ہلکا کرنا ہو لیکن ان بادلوں کے رونے سے تو زمین سیراب ہوتی ہے تو انسان کے رونے سے کون سیراب ہوتا ہے؟ انسان کا دل سیراب ہوتا ہے۔

ڈور بیل بجی تو کچن میں کام کرتا ہوا وہ الرٹ ہو گیا۔ ایپرن اتار کر اس کے ہاتھ دھوئے اور اونچی آواز میں آیا کہہ کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔

''ویلکم، ویلکم۔'' خوش دلی سے کہتا وہ انہیں اندر آنے کے لیے راستہ دینے لگا۔

''تھینکس۔'' باری باری کہہ کر وہ دونوں نفوس اندر داخل ہو گئے۔ ان کو اندر بھیج کر اس نے دروازے کو کنڈی لگا دی پھر بڑا دروازہ بھی اچھی طرح بند کر دیا۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی آپ کے آنے کی۔'' ساحر نے کہا۔

''تم نے اتنے پیار سے انوائٹ کیا تھا تو ہمیں آنا ہی پڑا۔ ویسے کھانے کی خوشبو بہت اچھی آ رہی ہے۔'' چولہے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

وہ صحن میں کھڑے تھے۔

''میں کھانا بہت اچھا بناتا ہوں۔ آج آپ کھائیں گے تو انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے۔ آج کا دن آپ کو کبھی نہیں بھولے گا۔'' صحن سے متصل کچن میں کھڑے وہ باتیں کر رہے تھے۔

''اوہ۔ آپ اندر آئیں۔ سوری..... مجھے خیال نہیں رہا۔'' ساحر نے معذرت کی۔ وہ سب ہلکا سا ہنس دیئے۔

وہ کمرہ جیسے ڈرائینگ روم تھا۔ بڑے سے کمرے میں دو دیواروں کے آگے کارنر صوفہ تھا، ایک دیوار کے آگے بھی تھری سیٹر صوفہ تھا، درمیان میں ٹیبل اور سامنے دیوار پر ایل ای ڈی لگی تھی جس کے نیچے بھی ایک دیوان رکھا تھا، گو کہ وہ مہمانوں کا کمرہ تھا۔ ایک طرف چار کرسیوں کا ڈائینگ ٹیبل بھی رکھا تھا۔ اسی کمرے سے ملحقہ ایک اور کمرہ بھی تھا مگر..... وہ بند تھا۔ ڈائینگ ٹیبل کے ساتھ.....

قالین بچھے کمرے میں وہ بغیر جوتوں کے داخل ہوئے اور صوفے پر براجمان ہو گئے۔ ساحر ان کو بیٹھا کر کچن میں چلا گیا۔

''میں ذرا ساحر کی ہیلپ کر دوں۔'' ورینہ بہانہ بنا کر کمرے سے باہر آ گئی اور کچن میں کام کرتے ساحر کا ہاتھ پیچھے سے آ کر پکڑ لیا۔ وہ فوراً اس کی طرف پلٹا۔

''کیا کر رہی ہو؟ انکل دیکھ لیں گے۔''

''مجھے پرواہ نہیں۔''

''وہ تو مجھے بھی نہیں ہے ویسے لیکن ذرا صبر کر لیں جناب۔''

''صبر کرنا مشکل ہے جب تم سامنے ہو تو۔''

''تھوڑی دیر بعد یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔''

''میں چاہتی ہوں کہ ابھی ہو جائے۔''

''تمہیں صبر کرنا ہوگا کیونکہ شوابھی باقی ہے۔''اس نے ورینہ کے چہرے کو تھپکتے ہوئے کہا۔وہ ہنس دی۔

کھانا اندر ٹیبل پر لگ چکا تھا اور ورینہ نے ساحر کی ذرا بھی مدد نہیں کی تھی۔وہ تینوں ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسیوں پہ بیٹھ گئے تھے۔ورینہ اور اس کے ڈیڈ کی پشت ٹی وی کی طرف تھی۔ساحر نے ہی انہیں وہاں بیٹھنے کا کہا تھا۔وہ کھانا کھا رہے تھے۔

''کھانا بہت مزے دار ہے ساحر، واقعی۔''ان دونوں نے تعریف کی۔

''تھینک یو۔میں نے کہا تھا ناں۔''اس نے سر جھکا کر داد وصول کی۔

''ویسے تمہیں اتنی جلدی دیسی کھانا بنانا آ بھی گیا۔واہ۔''انہوں نے مزید کہا کہ جیسے وہ ساحر کو مزید جاننا چاہتے تھے۔

''مجبوریاں انسان سے بہت کچھ کروالیتی ہیں۔کوئی ظالم و جابر بن جاتا ہے تو کوئی درندہ...... یہ تو پھر کھانا بنانا ہے۔روز روز باہر کا کھانا کھانے سے بہتر، میں نے خود سیکھ لیا۔انٹرنیٹ کے بہت سے فائدے ہیں انکل۔''وہ ہنستے ہوئے بولا تو وہ بھی ہنس دیے۔

''ہاں، مائی سن......''انہوں نے تائید کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔

انہوں نے ٹی وی لگا لیا۔وہ کوئی نیوز چینل دیکھ رہے تھے۔نیوز کاسٹر ایک نیوز پڑھ رہی تھی۔وہ ٹی وی دیکھ رہے تھے جبکہ ورینہ اور ساحر ہلکی ہلکی باتیں کر رہے تھے، خبروں پر ان کا دھیان نہ تھا۔

دفعتاً ان کے موبائل پر میسج کی گھنٹی بجی۔آفس سے میسج تھا۔کوئی اہم خبر تھی۔وہ پڑھتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ ان کے ماتھے پر بلوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔خبر پڑھتے ہی ان کا موڈ خراب ہو گیا۔

''ڈیم اٹ......''وہ اونچی آواز میں بولے۔

دونوں نے فوراً ان کی طرف دیکھا۔''کیا ہوا ڈیڈ؟''ورینہ نے اپنے باپ کے غصے کی وجہ پوچھی۔

''کیا ہونا ہے؟ نکمے لوگوں کو رکھ لیا ہے ہم نے۔ایک کام ٹھیک سے نہیں ہوتا ان بے غیرتوں سے۔سارے کے سارے کسی کام کے نہیں ہیں۔میں ان سب کو ان کی نانی یاد کرا دوں گا۔''وہ غصے کی آگ میں جل رہے تھے۔ورینہ اور ساحر نے ان کے اس غصے کی وجہ جاننا چاہی تو دونوں نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔وہ موبائل پر جمی تھیں۔ورینہ ذرا اٹھ کر آگے ہوئی اور موبائل پر آیا میسج پڑھا۔اس کے ماتھے پہ بھی بل پڑنا شروع ہو چکے تھے۔ساحر حیران تھا۔

''چلیں ڈیڈ۔اپنا موڈ ٹھیک کریں آپ۔یہ سب تو ہیں ہی بیکار۔ہم کوئی اور راستہ ڈھونڈ لیں گے۔''ورینہ نے اپنے باپ لیش مہرا کو جیسے تسلی دی۔

''یہ دوسرا حملہ ہے ورینہ جو ناکام گیا ہے۔میں ان کو معاف نہیں کروں گا۔''وہ ہنوز بپھرا ہوا تھا۔

''ورینہ......''ساحر نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔ورینہ برے موڈ کے ساتھ اس کی طرف پلٹی اور اسے ساری بات بتا

دی۔ساحر نے سمجھ کر سر ہلایا۔

''انکل، آپ پریشان مت ہوں۔'' ساحر نے بھی مداخلت کی اور ٹی وی بند کر دیا۔ وہ لوگ اب اچھا محسوس کر رہے تھے۔ درمیان میں تھوڑی دیر خاموشی حائل رہی۔

''ویسے انکل آج کل آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟'' ساحر نے کچھ دوسری باتوں کے بعد پوچھا۔

''مت پوچھو یار.....ہم لوگ ایک وائٹ ہورس نامی پاکستانی ایجنٹ کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر وہ بہت شاطر ہے۔ بچ کر نکل جاتا ہے ہمیشہ۔'' لیش نفرت سے بولا۔

''پتہ نہیں وہ کیسے ہماری بچھائی گئی کرنٹ والی تاروں سے بھی بچ کے نکل جاتا ہے اور ہمارے ریڈار پر کچھ بھی شو نہیں ہوتا۔ بہت شاطر آدمی ہے۔'' ورینہ نے بھی باپ کی بات میں اضافہ کیا۔

''میں ہی ہوں وائٹ ہورس.....'' وہ انتہائی نارمل لہجے میں بولا تو وہ دونوں حیران سے اسے دیکھنے لگے۔ ''کیا ہوا یقین نہیں آ رہا؟ میں ہی ہوں وہ شاطر آدمی جسے تم لوگ بہت دیر سے تلاش کر رہے ہو۔ لو.....میں اب تمہارے سامنے ہوں۔'' اس کا لہجہ اب ذرا سخت تھا۔ ورینہ اور لیش حیرت زدہ سے اسے دیکھ رہے تھے جیسے یقین نہ آ رہا ہوں کہ وہ کتنے آرام سے اتنی بڑی بات کہہ رہا ہے۔

''تم مذاق کر رہے ہو ناں؟'' ورینہ نے ساحر سے پوچھا۔

''تمہیں میرے انداز سے لگ رہا ہے کیا؟'' وہ سنجیدگی کی آخری حد تک جا کر بولا۔ ورینہ نے ایک نظر لیش کو دیکھا اور وہ بھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بات کرنے کا طریقہ.....لہجہ.....سب مختلف ہو چکا تھا۔

''یہ تم.....کیا کہہ رہے ہو؟'' ورینہ کو جیسے سن کر شاک لگا ہو اور اسے لگنا بھی چاہیے۔ ورینہ اپنے باپ لیش مہرا کی طرح انڈین ایجنسی (را) کا حصہ تھی۔ وہ بھی ملک میں ہونے والے ہنگاموں میں ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ غیر ملکی ایجنٹس کو پکڑنا اور ان کا خاتمہ کرنا جیسے کاموں میں وہ بھی اکثر ساتھ ہوتی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جیب میں سے ایک کارڈ نکال کر ان دونوں کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ ہے اس بات کا ثبوت کے میں ہی.....ایجنٹ.....وائٹ ہورس.....ہوں۔'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر اپنا کوڈ نیم بتایا۔ ''کوئی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر لیش مہرا۔ کرسی سے اٹھنے سے پہلے ہی میں تمہیں مار سکتا ہوں لیکن..... مجھے تم سے بہت سے سوال پوچھنے ہیں۔'' لیش کے وجود میں ذرا سی حرکت دیکھ کر وہ بولا۔

ساتھ بنے بند کمرے کا دروازہ بغیر آواز کے کھلا اور اس میں سے دو آدمی باہر آئے۔ ورینہ اور لیش کی پشتیں ان کی طرف تھیں۔

اچانک ہی ایک نے ورینہ اور دوسرے نے لیش کو بہت مہارت سے، ان کی مزاحمت کرنے سے قبل ہی رسیوں سے باندھ دیا تھا۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے ہاتھ اور ٹانگ جکڑوانے کے بعد انہیں جیسے ہوش آیا کہ ان کے ساتھ، اتنی اچانک یہ ہو کیا گیا ہے؟

''پرفیکٹ۔'' وائٹ ہورس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا۔ داد وصول کر کے وہ دونوں اوپر چلے گئے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے اپنے ازلی انداز میں کہا۔

''جو ہونا چاہیے، ایجنٹ بلٹ.....'' اس نے لیش کا پرانا کوڈ نیم بولا۔

''ساحر..... یہ سب کیا ہے؟ تم مجھ سے محبت کرتے ہو، یاد کرو۔ ہم شادی کرنے والے تھے۔'' ورینہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو تم اور یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے مزید کہا۔

''اوہ پلیز ورینہ۔ تم کوئی چھوٹی بچی نہیں ہو کہ تمہیں ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ سب میرے پلان کا حصہ تھا، تم دونوں کو یہاں بلانے کے لیے۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ تم یہ ڈیزرو (deserve) کرتی ہو۔ تم نے میری بہن جیسی دوست سارا اظہر کو قتل کیا تھا جب وہ ایک مشن پر یہاں آئی تھی اور اس کے پیچھے لگی ٹیم میں تم بھی تھی۔ تم نے خود سارا کو مارا تھا میں یہ نہیں بھول سکتا۔ اس ٹیم میں میرا ایک وفادار بھی شامل تھا۔ تمہارے بارے میں اسی نے مجھے بتایا ہے اور دیکھو کتنا اچھا ہوا میرے دو کام ایک ساتھ ہو گئے۔ سارا کا بدلہ لینا تو مجھ پر فرض ہے ناں تو.....'' اس نے شرٹ کے اندر سے فوراً ہی سائیلنسر لگی پستول نکالی اور ورینہ سے اس کی سانسیں چھین لیں۔

وہ مر چکی تھی۔ اس کے ماتھے پر گولی لگنے کی وجہ سے خون کے چھینٹے ساتھ ہی کرسی پر جکڑے لیش پر بھی گرے تھے۔

''ورینہ.....'' لیش گلا پھاڑ کر چلایا۔ اسی وقت اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے ایک بار کھولو تو میں تمہیں بتاؤں۔'' وہ غراتے غراتے رو پڑا۔ اولاد پر ذرا سی چوٹ بھی انسان برداشت نہیں کر سکتا تو جس کے سامنے اس کی اولاد کی لاش پڑی ہو..... وہ کیسے سکون میں رہے گا؟

''بس.....'' اس نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ وہ سرخ کھا جانے والی نظروں اسے دیکھ رہا تھا۔

''آرام سے میرے سوالات کا جواب دو۔'' وہ آگے آ کر بولا۔ لیش بس اسے بے بسی سے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ قیدی تھا۔

کرسی گھسیٹ کر وہ اسے ملحقہ کمرے میں لے گیا۔ ورینہ کی لاش وہیں پڑی تھی۔ بے جان..... خون میں لت پت..... کھلی آنکھوں میں بے یقینی لئے.....

وہ کمرہ خالی تھا۔ وہاں کوئی چیز نہیں تھی، سوائے ایک بلب کے۔ وہ بلب جل رہا تھا۔ پیلی روشنی سے وہ کمرے کو روشن کئے ہوئے تھا۔ وہ اسے اندر لے آیا۔ اب وہ اس سے سوال پوچھ رہا تھا۔

''پاکستان آنے کے بعد تم نے کیا کیا؟ مجھے ایک ایک بات کا جواب دو۔'' وائٹ ہورس نے اس کے سر پر پستول ماری۔ اس کی کنپٹی سے خون رسنے لگا۔ ''جلدی.....'' وہ چیخا۔

لیش اسے اب ساری باتیں بتا رہا تھا کہ کیسے وہ پاکستان گیا، وہ اتنے سال وہاں کیسے رہا۔

وہ ایک قیدی کی طرح، کرسی پر جکڑا ہوا تھا۔ تمام سوالوں کے جواب اس نے دے دیے۔ اس کے پاس اب کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔

''اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تمہیں مجھ سے اور کیا پوچھنا ہے؟ میری بیٹی کو بھی تم نے مار دیا ہے۔'' وہ تڑپ کر بولا۔ انداز ایسا تھا جیسے سب کچھ ہار گیا ہو..... ہتھیار ڈال دیئے ہوں..... . سرنڈر کر دیا ہو.....

''شائستہ کو جانتے ہو؟ کیسے نہیں جانتے ہو گے۔ شائستہ منصور..... تمہاری بیوی..... جسے تم نے بڑی بے رحمی سے قتل کیا تھا۔ تمہارے بچے کی ماں..... جس بچے کو تم چھوڑ آئے تھے۔'' وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آیا۔ یش حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ یش کے ماضی کے اداس حصے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ایک اور کرب..... اسے سب یاد تھا۔

''جانتے ہو میں کون ہوں؟'' وائٹ ہورس نے سوال کیا۔ ''میں شائستہ منصور کا بیٹا ہوں، مراد یوسف ابنِ شائستہ..... جسے تم یتیم خانے میں ہی چھوڑ آئے تھے۔ میری ماں کی دعا سے آج میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ جس بے دردی سے تم نے میری ماں کو مارا تھا ناں..... آج اس کا بدلہ لینے میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ تم سے تو میرے دو دو حساب ہیں۔'' اس نے دوبارہ یش کے گھٹنے پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔ یش نے اسید یکھا۔ اس کی آنکھیں اداس تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ قدرت نے کہاں کی کڑی کہاں جوڑی ہے۔

''تم..... نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ تم مراد ہو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟'' وہ آنکھوں میں ڈھیروں بے یقینی لیے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ مراد نے افسوس سے اسے دیکھا۔ جیب میں سے والٹ نکالا اور اس میں سے ایک تہہ شدہ کاغذ.....

وہ کاغذ پڑھتا گیا اور یش کی آنکھوں میں مزید حیرت سمٹ گئی۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے بچپن کی ایک تصویر بھی اسے دیکھائی۔ وہ اداسی سے رو پڑا۔ اسے اب افسوس ہو رہا تھا۔ وہ ایک جو بصورت زندگی گزار سکتا تھا۔ وہ جاب سے استعفی بھی دے سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ شائستہ سے نہ لیتا۔ وہ اسلام قبول کر کے شائستہ اور مراد کے ساتھ بھی رہ سکتا تھا۔ وہ اداسی اور افسوس سے یہ سوچ رہا تھا مگر اب تو سب بے سود تھا۔

''مجھے..... میں، میں کتنا بے وقوف تھا۔ میں نے اتنی خوبصورت زندگی ٹھکرا کر ایک بدصورت زندگی کو چنا۔ میں نے درندگی کو چنا۔ میں نے تم دونوں کو چھوڑ کر اس تباہی کو اپنا لیا۔ میں کتنا..... بیوقوف تھا، کتنا بے وقوف۔'' وہ روتے ہوئے خود کو کوس رہا تھا۔ مراد کو لمحے بھر کے لیے اس پر ترس آیا پر وہ ڈٹا رہا۔

''میرے پاس وہ تصویر آج بھی ہے۔'' اس نے اپنے والٹ کا بتایا تو مراد نے اس کا والٹ نکال لیا۔ اس میں ایک تصویر تھی جو والٹ کی لمبائی جتنی ہی تھی۔ اس تصویر میں ایک آدمی، ایک بچہ اور ایک عورت تھی۔ وہ آدمی یش (رہبر)، بچہ مراد اور عورت شائستہ تھی۔ مراد نے اس تصویر پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ آج بھی جیسے نئی تصویر تھی۔ بالکل صاف، جیسے بہت دل سے حفاظت کی گئی ہو۔ مراد نے آج پہلی دفعہ اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی، بہت زیادہ۔ تصویر دیکھ کر مراد کی آنکھوں کے گوشے بھیگے لیکن اس نے جلدی سے صاف کر لیے۔

وہ اب دوبارہ اسی موڈ میں آ چکا تھا۔

''ایک تو تم میری ماں کے قاتل ہو اور دوسرا تم میرے ملک کے دشمن ہو۔ میں ان دونوں چیزوں کا حساب لینے ہی یہاں آیا

ہوں۔'' گھٹنے پر دباؤ ڈالے، تمام باتیں نظر انداز کرتا وہ کہہ رہا تھا۔

''میں پاکستان کی حفاظت کے لیے ہر اس شخص کے لیے عذاب ہوں جو میرے ملک کو نقصان پہنچاتا ہے۔

میں دہشت گردوں کے لیے ریڈ سگنل ہوں، خطرے کا ریڈ سگنل.....

تم جیسے دہشت گردوں کو جہنم رسید کرنے کے لیے اللہ نے مجھے یہ ذمہ داری دی ہے۔

جب تک میں زندہ ہوں، میرے ملک کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

میں ایک جاسوس ہوں۔

تم سب کی موت کا پروانہ ہوں۔

میں پاکستان کا رکھوالا مراد یوسف ہوں۔'' وہ کہتا رہا اور ریش سنتا رہا۔

''میرے ہاتھ پر یہ نشان دیکھ رہے ہو؟'' اس نے سفید شرٹ کی آستین اوپر کر کے نشان دکھایا۔ ''یہ مجھے تم سے ملا ہے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم میرے باپ ہو تو میں سرجری کروالیتا، مگر یہ کام میں بعد میں کروں گا۔ پہلے تمہیں اس دنیا سے جہنم میں تو بھیج دوں۔'' وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا۔ ریش کو اب مزید کوئی حیران نہیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نشان دیکھ چکا تھا۔ مراد کے بچپن میں ہی.....

''میرے لئے اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ شائستہ تھی جس سے میں نے بہت محبت کی مگر.....'' اس کا لہجہ نم ہو گیا۔ ''حالات نے مجھ سے اس کا قتل کروا دیا اور پھر ورینہ.....اسے تم نے چھین لیا مجھ سے۔ تم اپنی بہن اور باپ کے قاتل ہو، ایجنٹ مراد یوسف۔ مجھے..... مجھے اب اس دنیا میں ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ میں تو پہلے ہی مر چکا ہوں اور اپنی ادھوری موت کا بدلہ میں لوگوں سے لیتا رہا۔'' اس نے کہہ کر سر جھکا لیا۔

''میں نے تمہیں پہلے کہہ دیا ہے کہ میں پاکستان کو میلی نظر سے دیکھنے والوں کو معاف نہیں کرتا۔ ورینہ اور تم انہی میں سے ایک ہو۔ میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ چاہے لاکھ سائنس تمہیں میرا باپ کہے مگر میں ایک مسلمان ہوں اور تم کافر.....اسی لیے تمہیں کافروں کے پاس ہی بھیجنے لگا ہوں۔'' وائٹ ہورس نے کہتے ساتھ ہی پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دی۔ جھکا سر اب اٹھ چکا تھا۔

''مجھے پروا نہیں ہے کہ.....'' ٹریگر دبایا.....کلک کی آواز.....اور ریش جہنم رسید ہو گیا۔

کمرے میں لگا وہ واحد بلب اسی طرح کمرے کو روشن کیے ہوئے تھا.....وہ اس ساری منظر کا واحد گواہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

مشن کامیاب ہوا اور گتھی سلجھ گئی۔ اس کا شک درست تھا۔

وہ اس کا باپ ہی تھا۔ خط پڑھنے کے بعد اسے اس بات کی پرواہ نہ تھی۔ وہ بس اپنی ماں کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور اللہ نے ایک ماں کی دعا سن لی تھی کہ وہ آج اس جگہ کھڑا تھا جہاں وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں کی موت کا بدلہ لے چکا تھا۔ وہ اپنے ملک کے ساتھ برا کرنے والے کو بھی ختم کر چکا تھا۔ وہ اپنی ذات میں اٹھنے والے سوالوں کے جواب بھی جان چکا تھا۔ یہ سب شائستہ کی اللہ سے کی

جانے والی دعا کا ہی نتیجہ تھا۔

بے شک اللہ کسی ماں کی دعا رد نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆☆

''میرا نام مراد ہے۔مراد شیرازی۔'' وہ اسی بازار والے ایک کمرے کے گھر میں تھا۔رات ہو چکی تھی اور اس کے کمرے میں بنی ایک کھڑکی سے وہ آسمان پہ نظر آتے چاند کو دیکھ سکتا تھا۔

''میں ایک مرد ہوں۔میں ایک فوجی ہوں،ایک جاسوس ہوں۔یہ میری جاب ہے اور اسی جاب نے مجھے زندگی جینا سیکھائی ہے۔'' بازار میں رش قدرے کم تھا۔وہ اوپر کسی ستارے کو ہی دیکھ رہا تھا۔''اس جاب نے مجھے سیکھایا کہ زندگی کچھ نہیں ہے بس ایک دھوکہ ہے،ایک الوژن ہے،ایک خواب ہے۔اس جاب نے مجھے سیکھایا کہ انسان مشکل وقت میں کیسے سروائیو کر سکتا ہے،کیسے خود کو سیکیور کر سکتا ہے۔تو کیسے کرتا ہے انسان خود کو سیکیور (Secure)؟'' مسکراتا چہرہ لیے وہ پلٹا۔سامنے ایک الماری تھی۔وہ چند قدم اٹھاتا اس تک آیا۔الماری کھولی تو اندر سامان تھا۔

''جب انسان کو یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ وہ اس دنیا میں مسافر ہے تو انسان خود کو سیکیور کر لیتا ہے۔ہر فضولیات سے،ہر گناہ سے،ہر ایسے حالات سے جو اس کو تکلیف دیں کیونکہ وہ جان جاتا ہے کہ یہ سب وقتی ہے اور ایک دن ختم ہو جانا ہے اسی لیے وہ ان سب چیزوں پہ دھیان نہیں دیتا اور آگے بڑھ جاتا ہے اور جو آگے بڑھ جائے وہی فلاح پانے والوں میں سے ہے۔'' الماری کھولے اب وہ اس میں سے سامان نکال رہا تھا۔کپڑے،کپڑے اور کچھ اور چیزیں۔

''میں ایک مرد ہوں۔میں نے سیکھا کہ مرد ہونا کیا ہے؟ کیا بس گالیاں بکنا،لڑنا اور کسی عورت کی عزت اچھالنا ہی مرد ہونا کہلاتا ہے؟ غلط.....مرد ہونا ایک اعزاز کی بات ہے۔یہ اللہ کی طرف سے دیا گیا ایک عہدہ ہے جسے آج کوئی سمجھتا نہیں۔اسے لگتا ہے کہ اسے مرد بنا کر کام کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے مگر حقیقت میں تو اسے مرد بنا کر سب سے اونچا رتبہ دیا ہے۔وہ تمام مخلوقات سے اوپر ہے۔کسی اونچے درجے پر ہے۔'' وہ کپڑے اب ایک اٹیچی میں رکھ رہا تھا۔اسے یہ اٹیچی ایجنٹ بل کو دینا تھا۔اٹیچی میں پہلے سے ہی کچھ موجود تھا۔شاید کچھ لوہے کی۔شاید گنز.....

''میں ایک مرد ہوں اور آج کی عورت مرد کو سمجھ نہیں سکی۔وہ اسے ہر وقت طعنوں میں الجھائے رکھتی ہے کہ میں تمہارے لیے گھر چھوڑ کر آئی ہوں اور میں تمہارے بچے پال رہی ہوں تو کیا اسے اتنی عقل نہیں ہے کہ مرد بھی تو اسی کے لیے کماتا ہے،دھوپ میں سڑتا ہے اور وہ بچے صرف مرد کے نہیں بلکہ اس کے بھی ہیں۔'' لوہے کہ اوپر وہ اب کپڑے رکھ رہا تھا جیسے اسے کور کر رہا ہو۔

''میں ایک مرد ہوں اور مرد ہو کر میں یہ نہیں سیکھا کہ مرد صرف عورت ذات کو بیعزت کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اسے عزت دینے کا نام ہے۔اسے تحفظ دینے کا نام ہے۔اسے اعتماد دینے کا نام ہے۔میں ان مردوں کی طرح نہیں ہوں جو آتی جاتی عورت کا سر سے پیر تک معائنہ کرتے ہیں بلکہ میں عورت کو دیکھ کر نظریں جھکانے والے مردوں میں سے ہوں کیونکہ میں حقیقت میں مرد ہوں جو عورت کو تحفظ دیتا

ہے اور یہ سب مجھے میرے اللہ اور میرے پیارے نبی محمد ﷺ نے سکھایا ہے۔'' اس نے سارے کپڑے اندر رکھ لیے۔

''میں ایک مرد ہوں اور مجھے اپنے مرد ہونے پر فخر ہے۔ میں اللہ کی وہ پہلی مخلوق ہوں جس کو اس نے دنیا پہ اتارا، اس کو خود بنایا اور اس میں روح پھونکی اور اسی مخلوق سے اس نے عورت بنائی۔ میں کیوں نہ فخر کروں کہ میں دنیا میں اللہ کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ مرد اور عورت ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ میری خواہش ہے کہ یہ بات آج کی کماتی عورت اور لاپرواہ مرد کو سمجھ آجائے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر پورے نہیں ہیں۔'' اس نیا ٹیچی کی زپ بند کر دی۔

''میں ایک مرد ہوں اور میں نے ایک عورت سے محبت کی اور پھر میں نے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھنے کی بجائے اسے عزت سے اپنے گھر لے آیا۔ میں نے اس کے ساتھ ناجائز ملاقاتیں کرنے کی بجائے اس کے ساتھ ایک مقدس رشتہ رکھا۔ میں نے اس کو شادی سے پہلے غلط کام کے لیے نہیں اکسایا کیونکہ میں ایک مرد ہوں اور مرد کی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی نامردانہ حرکتیں کرے۔ میں اس عورت سے نکاح کیا، ایک پاکیزہ رشتہ بنایا اور وہ سب جو آج شادی سے پہلے ناجائز تعلقات بنا کر کیا جاتا ہے، میں نے اپنی بیوی کے ساتھ وہی سب جائز طریقے سے کیا۔ ہم باہر جاتے تھے، بنا کسی ڈر کے۔ ہم ساتھ سمندر کنارے چلتے تھے، بنا کسی آنکھ کے خوف سے۔ ہم نے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار بھی کیا بنا کسی فکر کہ کیونکہ ہم نے یہ سب جائز طریقے سے کیا ہے۔ ہمیں ڈر نہیں، ہم پاکیزہ رشتے میں ہیں۔'' وہ اب اٹیچی اٹھا کر دروازے تک آیا اور جیب میں سے فون نکال کر ایک کال ملائی۔

''ہاں، میں ریڈی ہوں۔ آجاؤ۔'' اس نے کہا۔ ''اوکے۔'' کسی کا بات کا جواب دیا اور کال کاٹ دی۔

آخری نظر میں اس نے کمرے کا معائنہ کیا کہ کہیں کچھ رہ تو نہیں گیا؟

''میں ایک مرد ہوں اور میں عورت کی عزت کرنا جانتا ہوں۔ اسے جائز حق دینا جانتا ہوں اور اس کو اعتماد دینا جانتا ہوں۔ ہر مرد ایک سا نہیں ہوتا۔ مجھے فخر ہے کہ میں مرد ہوں۔'' کمرے کی لائٹ بند کرتا وہ باہر چلا گیا۔ تاریک کمرہ اکیلا رہ گیا۔

آج اسے اپنے وطن واپس جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''میں اسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ مشن میری زندگی کا مشکل ترین مشن تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ قدرت مجھ پر ایسے انکشافات کرے گی۔'' مراد نے سامنے فلور کشن پر بیٹھی، ہمہ تن گوش ایمان سے کہا۔

''اللہ آپ کو صبر دے مراد۔'' ایمان نے ذرا آگے ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آمین۔ تو کیسی لگی تمہیں یہ داستان؟'' مراد نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

''میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ میری شادی کسی اتنے پیچیدہ انسان سے ہوگی۔ میرے اوپر آج انکشاف ہوا ہے کہ آپ کتنے پیچیدہ ہیں۔'' ایمان ہوا میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہہ رہی تھی۔ اس کے انداز پر مراد ہنس پڑا۔

''ہم فوجی واقعی بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ مس ایمان مراد یوسف شیرازی.....'' مراد شرارتی لہجے میں بولا۔

''واقعی۔ویسے میرا نام کتنا لمبا ہو گیا ہے ناں۔ایمان مراد یوسف شیرازی.....''اس نے حیرانیہ انداز میں کہا۔اپنا نام اس نے ٹھہر ٹھہر کر لیا۔

''یہ نام میری ماں نے رکھا ہے تو..... مجھے پسند ہے۔تم چاہے بس ایمان مراد ہی رکھ لو اپنا نام۔''مراد نے شائستہ لہجے میں کہا تو ایمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ارے نہیں نہیں..... میں تو بس مذاق کر رہی تھی مراد۔اچھا نام ہے ایمان مراد یوسف.....ایسا لگتا بندہ کوئی بڑی شخصیت ہے۔'' ایمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں تو تم ایک فوجی کی بیوی ہو.....کوئی چھوٹی شخصیت تو نہیں ہو۔تمہیں فخر کرنا چاہیے اس پہ۔''مراد نے فخر و تشکر سے کہا۔

''اچھا اچھا۔لیکچر نہ دیں۔مجھے پتہ ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔آپ بھی فخر کریں مجھ پہ.....میں کتنی کمزور تھی اور اب میں ایک طاقت ور لڑکی ہوں۔''ایمان نے ایک ادا سے کہا۔

''عورت کو بہادر ہی ہونا چاہیے ایمان میڈم۔مجھے خوشی ہوتی ہے کہ تم ایک بہادر عورت ہو۔''مراد نے پیار سے کہا۔

ایمان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔''عورت نہیں.....لڑکی۔میں ابھی لڑکی ہوں۔پتہ نہیں آپ کو کب سمجھ آئے گی کہ لڑکیوں کو عورت نہیں کہتے۔''وہ ناراضی سے بولی تو مراد نے کانوں کو ہاتھ لگا کر سوری کہا۔

ایمان اب پرانے موڈ میں آ چکی تھی۔

''تو آپ کا اگلا مشن کب ہے؟ دیکھ لیں اس بار کوئی بچھڑا ہوا بھائی نہ مل جائے یا دوست یا کوئی اور.....''ایمان نے شرارت سے کہا اور ان دونوں کا قہقہہ ہوا میں محلول ہوا۔

''چلو کھانا کھانے چلتے ہیں، بہت بھوک لگ رہی ہے۔''مراد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ایمان نے بیٹھے بیٹھے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو مراد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جہاز میں جب ہماری بحث ہوئی تھی تو میں نے کہا تھا کہ یہ جناب کون سا ملک چلاتے ہیں جوان کا ٹائم ضائع ہو رہا ہے اور اب مجھے احساس ہوا کہ آپ ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔آئی لو یو مراد۔آئی ریئلی لو یو۔''وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔''میری زندگی میں ہونے کا بہت شکریہ۔''اس نے مزید کہا۔مراد نیذرا سا نیچے جھکتے ہوئے اس کے گال کو چھوا۔

''آئی لو یو ٹو ایمان۔تمہارا بھی شکریہ۔''مراد نے بھی محبت بھرے لہجے میں کہا۔مسکراتے ہوئے وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ہاتھ اسی طرح ایک دوسرے کے ہاتھوں میں تھے۔وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''چلیں چلتے ہیں اس سے پہلے کوئی بلانے آ جائے۔''ایمان نے خاموشی توڑی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔''مراد نے کہا اور اتنے میں اس کا فون بجا۔نمبر دیکھ کر اس نے فوراً کال اٹھائی اور بات شروع کر دی۔ایک منٹ کے بعد فون بند ہو گیا تھا۔

''کس کا فون تھا؟'' ایمان نے پوچھا۔

''اپنے کسی اور رشتے دار کو ڈھونڈنے کے لیے ایک اور مشن پر جا رہا ہوں۔ کرنل عاصم کا فون تھا۔ کیا پتہ اس بار کوئی بچھڑی ہوئی بیوی ہی مل جائے۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''ہاں تاکہ پھر میں بھی فوج جوائن کرلوں اور آپ دونوں کا قتل کر دوں۔'' طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا تو مراد ہنس پڑا۔

''نہیں جناب۔ آپ ہی بیوی ہیں میری بس اور مجھے اسی بیوی سے پیار ہے۔'' اس نے کہا تو ایمان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

''بہتر۔'' اس نے بس اتنا کہا۔

''چلو پھر اب۔'' مراد نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ جائیں میں چیزیں سنبھال کر آتی ہوں۔'' ایمان نے کہا اور پھر مراد کمرے سے باہر چلا گیا۔

اس نے فلور کشن اٹھائے اور آخر میں اس نے وہ چیز اٹھائی جس کی بابت یہ داستان لکھی گئی ہے۔

وہ تصویر.....

جس میں پانچ ماہ کا مراد، اپنی حقیقی ماں شائستہ اور اپنے درندے باپ کے ساتھ بہت خوش نظر آ رہا تھا مگر انہیں کیا پتا تھا کہ قسمت میں یہ سب کیسے لکھا گیا تھا۔ یہ گتھی کیسے، کب اور کہاں جا کر حل ہوئی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

تصویر دیکھ کر وہ مسکرانے لگی۔ ملائم ہاتھ اس نے تصویر میں شائستہ اور مراد پہ پھیرا اور اسے الماری میں ایک دراز میں رکھ دیا اور خود بھی نیچے کھانا کھانے چلی گئی۔

سچ کہتے ہیں

ہر تصویر کے پیچھے

کوئی کہانی،

کوئی یاد،

کوئی راز

ضرور ہوتا ہے

جو وقت آنے پہ کھلتا ہے۔

ختم شد